بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقالاتِ قاسمی

(جلداول)

تصنیف

شیخ الحدیث والتفسیر

پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری مدظلہ العالی

ناشر

رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا

0301-6002250//0303-4367413

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ضابطہ

نام کتاب	مقالاتِ قاسمی (جلداوّل)
مصنف	شیخ الحدیث والتفسیر غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی
کمپوزنگ	طارق سعید قادری، محمد کاشف سلیم قادری محمد عمران قادری۔
صفحات	400
بارِاول 2019	تعداد-/1100
ناشر	رحمۃ للعالمین پبلیکیشنز بشیر کالونی سرگودھا 03034367413
پرنٹر	
قیمت:	-/500

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مقالاتِ قاسمی

(جلد اول)

باب اول:

☆......☆......☆

باب دوم:

☆......☆......☆

باب سوم:

☆......☆......☆

باب اول:

توحید اور اسکے متعلقات

اسلام زندہ باد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اَمَّا بَعۡدُ

مقدمہ

ملحدین کا تاریخی پس منظر

دہریہ لوگ اسلام سے پہلے قبل مسیح کے دور سے چلے آرہے ہیں۔نزول قرآن کے وقت بھی یہ طبقہ موجود تھا۔قرآن انکا نام لیکر انکی تردید کرتا ہے: وَقَالُوۡا مَا هِیَ إِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا وَمَا یُهۡلِكُنَا إِلَّا الدَّهۡرُ یعنی ان لوگوں نے کہا کہ ہماری زندگی بس یہی دنیا ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہمیں دہر(زمانہ) ہی ہلاک کرتا ہے(الجاثیہ: ۲۴)۔

دہریہ لوگ ہر بندھن سے آزاد ہوکر اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ یہ لوگ علی الاعلان نکاح کی مخالفت کررہے ہیں اور اپنے لیے ہر عورت کو جائز کہہ رہے ہیں۔تو پھر یہ لوگ اپنی ماں بہن اور تمام جانوروں کے بارے میں کیا کہیں گے؟ قرآن اسی لیے فرماتا ہے کہ: ان لوگوں نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنالیا ہے(الجاثیہ: ۲۳)۔ سچے خدا کا انکار کرنے کی نحوست اسی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ان لوگوں کو ملحد بھی کہا جاتا ہے اور یہ خود کو ملحد مانتے بھی ہیں۔قرآن فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الۡأَسۡمَاءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡ أَسۡمَائِهٖ سَیُجۡزَوۡنَ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ یعنی اورسب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو اسے انہی ناموں سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں الحاد اختیار کرتے ہیں، عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا(الاعراف: ۱۸۰)۔

إِنَّ الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡ آیَاتِنَا لَا یَخۡفَوۡنَ عَلَیۡنَا أَفَمَنۡ یُلۡقٰی فِی النَّارِ خَیۡرٌ أَمۡ مَنۡ یَّأۡتِیۡ آمِنًا یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ اعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ إِنَّهٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ یعنی بے

شک وہ لوگ جو ہماری آیتوں کے بارے میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم پر پوشیدہ نہیں، تو کیا جو آگ میں جھونکا جائے گا وہ اچھا ہے یا جو قیامت کے دن بے خوف ہو کر آئے گا وہ اچھا ہے؟ جو چاہو کیے جاؤ بے شک وہ تمہارے سب کام خوب دیکھ رہا ہے (فصلت: ۴۰)۔

واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے سامنے ملحدین کوئی نیا معمہ نہیں ہیں بلکہ ملحدین کے لیے ایک تلخ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ہر سوال کا جواب پہلے ہی قرآن و حدیث کے علاوہ اسلامی عقائد کی کتابوں میں تفصیل سے دیا جاچکا ہے، مثلاً: کتاب التوحید للماتریدی، کتاب الابانہ للاشعری، الاقتصاد للغزالی، شرح عقائد نسفی، عقیدۂ طحاویہ، شرح مواقف، شرح مقاصد وغیرہ۔

صدیوں سے تمام مدارس کے نصاب میں شامل کتاب شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۳۲ سے یہ بحث شروع ہوتی ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: اَلْمُحدِثُ لِلْعَالَمِ هُوَ اللهُ تَعَالیٰ یعنی اس جہان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کتاب میں: صفحہ ۱۲ پر علم کے ذرائع، صفحہ ۲۴ پر حدوثِ عالم یعنی اس جہان کا مخلوق ہونا، صفحہ ۳۲ پر خالق و محدِث کا وجود، صفحہ ۵۸ پر قرآن کی حقانیت اور صفحہ ۱۳۶ پر نبوتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت جیسے دلائل پر مفصل بحث آج بھی موجود ہے۔ پھر انہی صدیوں پرانے سوالوں کو دوبارہ دہرا دینا محض شرارت نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر بھی تم لاکھ رنگ روپ اور انداز بدل لو، انشاءاللہ ہر رنگ کو کاٹ دیا جائے گا، ہر روپ کو بہروپ ثابت کر دیا جائے گا اور ہر انداز کو عصری تقاضوں کے مطابق ناساز کر دیا جائے گا۔

دہریہ کے بے شمار فرقے

دہریہ سوال کرتے ہیں کہ اسلام میں فرقے کیوں ہیں؟ حالانکہ خود دہریہ کے بے شمار فرقے ہیں اور ایک ایک فرقے میں کئی کئی فرقے ہیں جن کی مختصر سی تفصیل اس طرح ہے:

فلسفی فرقہ اور اس کے مزید فرقے

اس فرقے میں مزید کئی فرقے ہیں:

(۱)۔بنیادی دھریہ فرقہ

جوخالق کے وجود کا منکر ہےاور کہتا ہے کہ دنیا کا نظام اسی طرح ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ چلتا رہے گا۔

(۲)۔طبیعیہ فرقہ

اس فرقے نے انسان کے وجود، اس کے اعضاء کی ساخت، جانوروں اور پودوں کے عجائبات پر غور کیا تو ان چیزوں کے خالق کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔مگر اس فرقے کے نزدیک کسی چیز کے معدوم ہو جانے کے بعد اس کا اعادہ ممکن نہیں، للہذا یہ فرقہ دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کا منکر ہو گیا اور بے لگام ہو کر جانوروں کی طرح لذات میں لگ گیا۔

(۳)۔ الٰہیہ فرقہ (اِلٰھِیّیْن)

یہ فرقہ دوبارہ زندہ ہونے میں شک کرتا تھا مگر قطعی انکار نہیں کرتا تھا، کہتا تھا کہ قیامت کے دن صرف روحیں اٹھائی جائیں گی اور عذاب وثواب صرف روحانی ہوں گے جسمانی نہیں۔ اس فرقے نے اوپر مذکور دونوں فرقوں کا خوب رد کیا، اس قدر زیادہ تردید کی ہے کہ مسلمانوں کو اس پر مغز ماری کی ضرورت نہ رہی اور اللہ تعالیٰ نے صنم خانے سے ہی کعبے کی پاسبانی کا کام لے لیا (المنقذ من الضلال صفحہ ۱۷، قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۴۹)۔

ثنویہ فرقہ اور اس کے مزید فرقے

ثنویہ فرقہ دو چیزوں کو ازلی اور قدیم سمجھتا ہے اسی لیے اسے ثنویہ کہا جاتا ہے۔وہ دو چیزیں نور اور ظلمت ہیں یعنی روشنی اور اندھیرا۔اس فرقے کے اندر مزید کئی فرقے ہیں۔

(۱)۔مانویہ فرقہ

اس فرقے کا بانی مانی بن فاتک ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بعد سابور بن اردشیر کے زمانے میں ہوا۔اسے بہرام بن ہرمز بن سابور نے قتل کیا۔

اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا (عالم) دو چیزوں سے مرکب ہے جو ازلی ہیں ایک نور اور دوسری ظلمت۔ نور خوبصورت ہے اور ظلمت بدصورت۔ نور بھلائی ہے اور ظلمت شرارت۔ نور صلح ہے اور ظلمت فساد۔ نور اوپر کو جاتا ہے اور ظلمت نیچے کو۔ نور زندگی ہے اور ظلمت موت۔ نور سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں اور ظلمت سے شیاطین۔

(ب)۔مزدکیہ فرقہ

اس کا بانی مزدک ہے جو نوشیروان عادل کے والد قباذ کے زمانے میں گزرا ہے۔ قباذ خود بھی اسی کا پیروکار تھا۔ مگر نوشیروان جب اس مزدک کی تعلیماتِ فاسدہ پر مطلع ہوا تو اس نے اسے قتل کر دیا۔ مزدک کہتا تھا کہ نور اپنے اختیار سے کام کرتا ہے مگر ظلمت محض اتفاقیہ کام دکھاتی ہے۔ یہ بھی کہتا تھا کہ: اکثر جھگڑے عورت اور دولت کی وجہ سے ہوتے ہیں لہٰذا اس نے یہ تعلیم ایجاد کر دی کہ تمام عورتیں اور تمام دولتیں ساجھی ہیں، نہ نکاح کی ضرورت ہے اور نہ ملکیت کی اجازت۔ اس فرقے کے مزید کئی فرقے ہیں: الکوذیہ، ابومسلمیہ، الماھانیہ اور الاسبید خامکیہ۔

(ج)۔دیصانیہ

یہ فرقہ دیصان نامی آدمی کی طرف منسوب ہے۔ دیصان دراصل ایک دریا کا نام ہے جس کے کنارے اس فرقے کا بانی رہا کرتا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ نور قصداً اور اختیاری طور پر کام کرتا ہے مگر ظلمت طبعی طور پر اور اضطراری طور پر کام کرتی ہے۔ نور زندہ ہے، عالم ہے، قادر ہے، حساس ہے، دَرَّاک ہے اور اسی کے ذریعے دنیا میں حرکت اور حیات قائم ہے۔ مگر ظلمت مردہ ہے، جاہل ہے، عاجز ہے، جادو ہے، اس کا اپنا کوئی فعل نہیں اور نہ ہی اسے تمیز ہے۔

(د)۔مرقیونیہ

اس کا بانی مرقیون ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نور اور ظلمت کے ساتھ ایک تیسری بنیاد بھی موجود ہے جو نور سے نیچے اور ظلمت سے اوپر ہے۔ یہ دنیا میں نور اور ظلمت کے امتزاج کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ اسے اَلْمُعَدِّلُ الْجَامِعُ کہتے ہیں۔

(ھ)۔کینویہ

ان کا خیال ہے کہ جہان کی بنیاد تین چیزوں پر ہے: آگ، مٹی اور پانی۔

ان کے مزید فرقے بھی ہیں۔ایک صیامیہ اور دوسرا تناسخیہ۔صیامیہ اچھا کھانے پینے اور نکاح اور ذبح سے بچتے ہیں اور تناسخیہ ہندوؤں کی طرح روحوں کے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہونے کے قائل ہیں۔

(و)۔مجوس

اس مذہب کا بانی زرتشت (زردست) ہے جو تقریباً ۶۰۰ سال قبل مسیح کے زمانے میں گزرا۔یہ لوگ آگ کی پوجا کرتے ہیں۔یہ کہتے ہیں کہ آگ میں شرافت کا جوہر موجود ہے اسی لیے یہ اوپر کو اٹھتی ہے۔اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا تھا اور اس کی تعظیم کرنے سے قیامت کے دن آگ سے بچ جائیں گے۔یہ اپنے عبادت خانے کو میزان کہتے ہیں اور ان کا بہت بڑا تہوار'' نوروز '' ہے۔یہ ایک دوسرے کو دعا دیتے ہیں کہ: تم جیو ہزار سال اور تمہارا ہر دن ''نوروز '' ہو(بغوی ۱/۷۹)۔

مجوس کہتے ہیں کہ نور اور ظلمت دو چیزیں ہیں اور دو چیزوں کا قدیم ہونا ممکن نہیں۔ان کے نزدیک نور ازلی اور قدیم ہے جبکہ ظلمت حادث ہے۔پھر اس ظلمت کے حدوث کے بارے میں ان کا آپس میں اختلاف ہے۔کہتے ہیں کہ یہ ظلمت اسی نور سے نکلی ہے۔نور سے نکلنے والی چیز اسی نور کا حصہ ہوگی لہٰذا یہ حصہ شر نہیں ہوسکتا۔ماننا پڑے گا کہ شر کوئی دوسری ہی چیز ہے یہاں سے مجوس کا خبط ظاہر ہوتا ہے۔مجوس کے کئی فرقے ہیں۔

کیومرثیہ فرقے کے نزدیک دو ہستیاں دنیا کی بنیاد ہیں۔یزداں اور اہرمن۔یزداں ازلی اور قدیم ہے جب کہ اہرمن مُحدَث اور مخلوق ہے۔ان کے خیال میں یزداں نے جب سوچا کہ اگر میرا کوئی مقابل ہوتو پھر کیا ہوگا؟ اس کی یہ سوچ نوری طبیعت کی شان کے منافی تھی۔اس سوچ سے ظلمت کو جنم ملا جس کا نام اہرمن ہوا۔اہرمن کی طبیعت میں ہی شرارت تھی۔نور نے روحوں کو اختیار دیا کہ چاہو تو اہرمن کی جگہ سے نکل جاؤ اور اگر چاہو تو جسم کا لباس پہن کر اہرمن

سے جنگ کرو۔ روحوں نے جسم کے لباس اور اہرمن سے جنگ کو پسند کیا تاکہ نور کی مدد سے اہرمن پر غالب آئیں۔ اہرمن کی ہلاکت پر قیامت آئے گی۔

زَورانیہ فرقے کے خیال میں پہلا انسان کیومرث نہیں بلکہ زَوران ہے۔ زَوران نے جب کسی چیز میں شک کیا تو اس شک کی نحوست سے اہرمن یعنی شیطان نے جنم لیا۔

زردشتیہ فرقے کا بانی زردشت بن بورشب ہے جو کشتاسب بن لھراسب بادشاہ کے زمانے میں تقریباً ۶۰۰ قبل مسیح میں گزرا ہے۔ ان کے نزدیک زردشت نبی اور رسول تھا۔ کشتاسب بادشاہ نے زردشت کی دعوت کو قبول کیا۔ اس مذہب کے مطابق زردشت پر نازل ہونے والی کتاب کا نام ''زنداوستا'' ہے۔

زردشت کا کہنا ہے کہ: اس جہان میں ایک قوتِ الٰہیہ ہے جو اس جہان کی ہر چیز کی تدبیر کرتی ہے اور ابتداء سے انتہا تک جہان کی تربیت کرتی ہے، اسے مجوسی لوگ مشاسبند کہتے ہیں۔ فلاسفہ کی زبان میں اسی کو عقلِ فعال کہا جاتا ہے اسی سے فیضِ الٰہی اور نیابتِ ربانی ہے۔

یہاں تک کی ساری بحث مرتب کرنے میں ہم نے امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التوحید صفحہ ۲۰۹ تا ۲۴۶، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المنقذ من الضلال اور علامہ عبدالکریم شہرستانی کی کتاب الملل والنحل جلد ۱ صفحہ ۲۱۳ تا ۲۳۵ سے مدد لی ہے۔

سوفسطائیہ فرقہ

سوفسطائی کہتے ہیں کہ دنیا میں خشکی کی چیزیں پانی میں مرجاتی ہیں اور پانی کی چیزیں خشکی میں مرجاتی ہیں۔ چمگادڑ رات کو دیکھتا ہے اور دن کو اندھا ہوجاتا ہے، انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے اور زائل بھی ہوجاتی ہے، علم حاصل ہوتا ہے پھر بھول بھی جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ صحیح علم کا حصول ناممکن ہے۔ سوفسطائیہ کے تین فرقے ہیں:

(۱)۔ عنادیہ

عنادیہ کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو کچھ معلوم نہیں، دنیا کی ہر چیز میں وہم اور باطل خیالات ہیں۔

(۲)۔عندیہ

عندیہ کہتے ہیں کہ جس کا جو خیال ہے وہی ٹھیک ہے۔

(۳)۔لاادریہ

لاادریہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہر چیز کے ثبوت اور عدم ثبوت میں شک ہے۔ پھر انہیں اس شک کے صحیح ہونے میں بھی شک ہے اور پھر مزید شک پر شک کرنے میں بھی شک ہے اور آگے ہر شک پر شک کی کوئی انتہا نہیں (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۰)۔

انکی تردید کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ :

یاد رکھنا چاہیے کہ ملحدین کا ایک گروہ سوفسطائیہ ہے، ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں صحیح علم کسی کے پاس نہیں اور علم بذاتِ خود کوئی چیز نہیں۔ اس کے جواب میں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ یہ جو تم نے جانا ہے کہ کسی چیز کا علم درست نہیں ہے، تمہاری یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ جواب دو کہ یہ بات صحیح ہے تو تم نے خود صحیح علم کا اقرار کر لیا اور اگر یہ کہو کہ یہ بھی صحیح نہیں ہے تو جو چیز بذاتِ خود صحیح نہ ہو اس کے ذریعے بحث کرنا محال ہے۔ ایسے شخص سے بات کرنا بھی دانائی نہیں ہے۔ بے دینوں کا یہ نظریہ وخیال ان کی حماقت و جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ علم کو ترک کرنا دو باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ کسی علم سے ہوگا، یا وہ جہالت و نادانی سے۔ اگر کسی علم سے علم کو ترک کیا جائے تو علم نہ کسی علم کی نفی کرتا ہے اور نہ اس کے مقابلہ میں آتا ہے۔ لہٰذا علم کے ذریعہ علم کی نفی اور ترک محال ہے۔ لامحالہ کسی علم کا ترک کرنا جہالت اور نادانی سے ہی ہوگا۔ ثابت ہو گیا کہ علم کی نفی سراپا جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے اور جاہل قابلِ مذمت ہوتا ہے، اور جہالت کفر اور باطل کا قرینہ ہے، حق کا جہالت سے کوئی تعلق نہیں (کشف المحجوب صفحہ ۱۵)۔

آج بھی تمام ملحدین کے افکار ایک جیسے نہیں۔ اور اگر یہ لوگ کسی سازش کے تحت خود کو متحد ظاہر کریں تو یہ ان کے لیے پہلے سے بڑی مصیبت ہے۔ اس لیے کہ اب ان پر سوال ہوگا کہ تم سب لوگ آپس میں متحد کیسے ہو گئے؟ ایک دوسرے کے پابند کیوں ہو؟ ہر بندہ اپنی الگ سوچ

اور عقل سے کام کیوں نہیں لے رہا؟ پھر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اپنے نظریات کا دفاع کرنے کا حق تمہیں کیسے ملا؟ نظریات کا دفاع کرنا ہی مذہب کا اعلان ہے۔ مانو نہ مانو حق تو یہی ہے کہ اپنے آپ کو لا مذہب کہنے والے مذہب میں پھنس چکے ہیں۔

واضح ہو گیا کہ آج کے ملحدین اپنے نظریات کے حصول اور تشہیر میں عرصہ دراز سے کسی کے مقلد اور پابند چلے آ رہے ہیں، ان کے اپنی تحقیق اور آزاد خیالی کے دعوے صرف اسلام کے مقابلے پر ہیں ورنہ اپنی ذات میں ان کی کوئی ذاتی تحقیق نہیں اور نہ ہی ان کے خیالات اپنے ملحد پیشواؤں سے آزاد ہیں۔ یہیں سے ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے کہ الحاد بھی دراصل ایک مذہب ہے اور مذہب کے انکار میں بھی ان کا اقرار پوشیدہ ہے اور یہ باقاعدہ کسی کے مقلد ہیں۔

ایک ذمہ دار مسلمان مبلغ پر لازم ہے کہ پوری دنیا کے حالات پر بھی نظر رکھے اور اندرونی حالات پر بھی نظر رکھے اور ہر علاقے اور ہر موقع کی ترجیحات کو اچھی طرح سمجھ کر میدانِ تبلیغ میں اپنا کردار ادا کرے۔ یہ دین کی سمجھ کے اہم ترین شعبوں میں سے ایک ہے۔

دینی غیرت رکھنے والے دوستوں سے درخواست ہے کہ دین کا صحیح صحیح نقشہ قرآن و سنت کے علوم، اپنے عمل اور کردار اور اپنی ذمہ دارانہ سنجیدہ سوچ کے ذریعے پیش فرمائیں۔

آئندہ صفحات میں ہم نے ''علم حاصل کرنے کے ذرائع، مذہب کی ضرورت، اللہ تعالیٰ کا وجود اور توحید کا ثبوت، عصر حاضر کے اہم ترین انسانی مسائل کا اسلامی حل اور ملحدین کے سوالات اور ان کے جوابات'' مفصل طور پر تحریر کر دیے ہیں۔ اللہ کریم جل شانہ فقیر کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے ہدایت کے متلاشیوں کے لیے مفید بنائے۔ آمین

☆......☆......☆

باب اول:

عظمتِ اسلام

علم حاصل کرنے کے ذرائع

بظاہر انسان کے پاس علم حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں۔

(۱)۔حواسِ خمسہ (۲)۔عقل (۳)۔سچی خبر۔

ان میں سے ہر ایک ذریعہِ علم کی تفصیل پیشِ خدمت ہے:

(۱)۔حواسِ خمسہ

حواسِ خمسہ سے مراد دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا ہیں۔ان حواسِ خمسہ میں سے ہر ایک کی ایک حد ہے اور وہ اس حد سے آگے علم فراہم نہیں کرسکتا۔حواس بعض اوقات غلطی بھی کھا جاتے ہیں، مثلاً بادل دوڑ رہے ہوں تو چاند دوڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔آسمان پر تارے ایک کے دو نظر آتے ہیں۔کسی بھی چیز کا سایہ ساکن دکھائی دیتا ہے حالانکہ وہ چل رہا ہوتا ہے اور اگلے پہر مغرب کو اور پچھلے پہر مشرق کو چلا جاتا ہے۔بعض اوقات گونج (Echo) کی وجہ سے سماعت بھی ٹھوکر کھا جاتی ہے کہ اِدھر کی آواز اُدھر سے سنائی دیتی ہے۔بعض لوگوں کو خواہ مخواہ خوشبو اور خواہ مخواہ بدبو بھی محسوس ہوتی ہے۔یہ سب باتیں حواس کی کمزوری اور ان کے ناقص اور غیر حتمی ہونے کا ثبوت ہیں اور حواس پر علم کا مکمل دارو مدار نہیں رکھا جاسکتا۔

(۲)۔عقل

حواسِ خمسہ جب جواب دے جائیں تو عقل کی باری آتی ہے اور عقل حواس پر حاکم ہے۔حواس کی مذکورہ بالا تمام کمزوریاں عقل کے ذریعے ہی معلوم ہوتی ہیں۔عقل کئی طریقوں سے علم فراہم کرتی ہے۔ایک طریقہ بدیہی ہے۔اس سے مراد واضح علم ہے جو کسی دلیل کا محتاج نہ ہو جیسے یہ بات بالکل واضح اور بدیہی ہے کہ ہر چیز اپنے ٹکڑے سے بڑی ہوتی ہے۔مثلاً انگلی

ہمیشہ چھوٹی ہوگی اور بازو ہمیشہ بڑا ہوگا، یا یہ کہ دس ہمیشہ زیادہ ہوتے ہیں پانچ سے۔ دوسرا طریقہ استدلالی ہے۔ استدلالی علم سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز کو دیکھ کر دوسری کا تعین ہو جائے۔ جیسے قدموں کے نشان سے انسان کے گزرنے کا علم حاصل ہو جاتا ہے یا گوبر دیکھ کر جانور کا علم حاصل ہو جاتا ہے یا دھواں دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ آگ جل رہی ہے۔ تیسرا طریقہ وجدانِ بدنی ہے۔ مثلاً بھوک اور پیاس کا احساس۔ چوتھا طریقہ وجدانِ روحانی ہے۔ مثلاً ندامت اور کسی ہونے والے حادثے کا کھٹک جانا جسے چھٹی حس کا کام کرنا بھی کہتے ہیں۔ پانچواں طریقہ حدس ہے۔ حدس کا معنی دانائی اور زیرک پن ہے، جس کے ذریعے صحیح نتیجے تک پہنچا جائے۔ مثلاً چاند کا جو حصہ سورج کے سامنے آجائے وہ روشن ہو جاتا ہے اور اسی لیے چاند گھٹتا یا بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ ثابت ہوا کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔ چھٹا طریقہ تجربہ ہے۔ مثلاً زہر سے موت واقع ہو جاتی ہے یا سقمونیا دست آور ہے۔ طبی اور سائنسی تجربات کا دارومدار اسی پر ہے۔ ساتواں طریقہ فکر و نظر ہے۔ جس میں مقدمات اور مبادیات کے ذریعے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ مثلاً جہاں بہت سی دوکانیں ہوں اسے بازار کہتے ہیں اور انارکلی میں بہت سی دوکانیں ہیں۔ ان دو مقدموں سے ثابت ہوا کہ انارکلی ایک بازار ہے۔ یہ طریقہ منطق میں استعمال ہوتا ہے اور اسے شریعت میں استعمال کرتے وقت بہت دفعہ غلطی لگ جاتی ہے۔

حواسِ خمسہ کی طرح عقل کی بھی ایک حد ہے اور بعض اوقات عقل بھی غلطی کر جاتی ہے۔ مثلاً بہت اونچی دیوار پر کھڑے ہوں تو چکر آ سکتا ہے اور انسان نیچے گر سکتا ہے حالانکہ دونوں قدموں کے نیچے دیوار موجود ہے اور گرنے کا کوئی معقول سبب نہیں۔ بعض اوقات انسان جلدی میں اور بعض اوقات غصے میں غلط فیصلے کر بیٹھتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں عقل کی کمزوری اور اس کے ناقص اور غیر حتمی ہونے کا ثبوت ہیں اور عقل پر بھی علم کا مکمل دارومدار نہیں رکھا جا سکتا۔ بس یہ اپنی حد میں قابلِ استعمال ہے۔

(۳) خبرِ صادق

جب عقل جواب دے جاتی ہے تو خبرِ صادق کی ضرورت پڑتی ہے۔ خبرِ صادق بھی دو

قسم کی ہوتی ہے ایک خبر متواتر اور دوسری خبر رسول (نبی)۔خبر متواتر سے مراد ایسی طبق در طبق خبر ہے جو اتنے زیادہ لوگوں کی زبان پر ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہونا متصور نہ ہو اور عادۃً ممکن نہ ہو۔ جیسے ماضی کے زمانے میں بادشاہوں کا وجود یا موجودہ زمانے میں دور دراز کے ممالک جنہیں ہر کسی نے نہیں دیکھا مگر کوئی ان کے وجود کا انکار نہیں کر سکتا۔خبر متواتر ہی بتا رہی ہے کہ یہ قرآن وہی ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دیا تھا۔ایسی خبر کسی مزید دلیل کی محتاج نہیں ہوتی۔

لیکن اب بھی کچھ سوال ایسے رہ جاتے ہیں جو بنیادی طور پر خبر متواتر سے ثابت نہیں ہو سکتے۔مثلاً خواب کیا چیز ہے؟ خواب میں نا قابلِ یقین باتیں کیوں نظر آتی ہیں؟ بعض خواب سچے کیوں ہوتے ہیں؟ خواب میں آئندہ ہونے والے واقعات کیوں نظر آجاتے ہیں؟ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلے سچے خواب آنا شروع ہوئے، آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے اگلے دن چڑھتے ہوئے سورج کی طرح ہو بہو اسی طرح ہو جاتا تھا (بخاری:۳)۔

نیند اور موت میں کیا فرق ہے؟ اگر نیند میں اتنی عجیب چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں تو موت کے بعد کیا کچھ معلوم ہو سکے گا؟ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ النَّاسَ نِیَامٌ اِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَہُوْا یعنی لوگ سوئے ہوئے ہیں، جب مر جاتے ہیں تو جاگ جاتے ہیں (کشف الخفاء للعجلونی حدیث: ۲۷۹۵، فصوص الحکم صفحہ ۸۵)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ یعنی (موت کے بعد انسان سے کہا جائے گا کہ) تو اس دن سے غفلت میں رہا، تو ہم نے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ اٹھا دیا ہے، پس آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے (ق:۲۲)۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمَا قَالَ اَطَّلَعَ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی اَهْلِ الْقَلِیْبِ، فَقَالَ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ كُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ فَقِیْلَ لَهٗ تَدْعُوْ اَمْوَاتًا؟ قَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَا یُجِیْبُوْنَ یعنی حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے کنویں والوں کو جھانکا۔ اور فرمایا: کیا تم نے حق پایا جو وعدہ تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ آپ سے عرض کیا گیا، آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ فرمایا: تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن یہ جواب نہیں دیتے (بخاری: ۱۳۷۰، مسلم: ۲۱۵۴)۔

ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وَاللّٰہِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا یعنی اللہ کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں، تم بھی جان لوتو تم تھوڑا ہنسو اور زیادہ روو (بخاری: ۱۰۴۴، مسلم: ۲۰۸۹)۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء جیتے جی مردے کی طرح ہو جانے پر زور دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا یعنی مرنے سے پہلے مرجاؤ۔ حدیث شریف میں ہے کہ: کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِیْلٍ، وَعُدَّ نَفْسَکَ فِی اَھْلِ الْقُبُوْرِ یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم بے وطن ہو یا مسافر ہو۔ اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو (ترمذی: ۲۳۳۳)۔

عقل ان سوالات کے سامنے بھی لا جواب ہے کہ: انسان کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہاں سے آیا ہے؟ انسان کی روح کیا چیز ہے؟ انسان مرتا کیوں ہے؟ انسان مرنے کے بعد کہاں جاتا ہے؟ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ان سب سوالوں کا جواب نہ حواسِ خمسہ کے پاس ہے نہ عقل کے پاس ہے اور نہ خبر متواتر کے پاس۔ ان سوالوں کا جواب لینے کے لیے خبر رسول کی ضرورت پڑتی ہے۔ رسول وہ انسان ہوتا ہے جو حواس، عقل اور خواب پر عبور حاصل کرنے کے بعد موت کے بعد والے احوال اور غیبی باتوں سے واقف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے اسے منتخب فرماتا ہے۔

یہیں سے وحی کی احتیاج ماننا پڑتی ہے اور یہیں سے آسمانی مذہب اور غیب کی خبروں کی ضرورت سامنے آتی ہے۔ نبی کے لفظی معنی ہیں ”خبر دینے والا“ اور رسول کا معنی ہے ”پیغام لانے والا“۔ شرعی طور پر ان سے مراد غیب کی خبر اور اللہ کا پیغام ہے۔ قرآن شریف میں ہے: ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں (آلِ عمران: ۴۴)۔

الحاصل

بت پرستوں نے عقل کو استعمال ہی نہیں کیا بلکہ یہ لوگ اگر حواس کا بھی صحیح استعمال کرتے تو اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو خدا نہ مانتے۔ گویا یہ لوگ عقل کے دشمن نکلے۔

دوسری طرف ملحدین نے صرف عقل کو ہی معیار بنایا اور علم کے سب سے اہم ذریعے یعنی سچی خبر اور وحی کا انکار کر دیا۔ گویا یہ لوگ عقل کے بندے نکلے اور عقل بھی وہ جو خود ان کی اپنی ہے ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے نظریات خود عقلِ سلیم کے بھی منافی ہیں۔ ان دونوں انتہاء پسند طبقوں کے برعکس آسمانی مذاہب کے نظریات و تعلیمات میں وسعت اور تحقیق کی انتہاء ہے اور انکے پاس انسانی زندگی پر وارد ہونے والے ہر سوال کا جواب موجود ہے۔

دھریہ کی کم علمی

دھریہ کے پاس ان کے نظریات کو ثابت کرنے والا کوئی مستند ذریعہ علم نہیں۔ یہ لوگ محض اندازے اور تخمینے لگاتے رہتے ہیں۔ یہ جو بھی عقیدہ قائم کرتے ہیں اسکی ضد اور اس کا الٹ بھی ممکن ہوتا ہے۔ انکے پاس کوئی ایسا ذریعہ علم (Source of knowledge) نہیں جس سے یہ اپنے نظریات کو حتمی طور پر ثابت کر سکیں اور دوسروں کو اپنی طرف دعوت دیتے وقت قائل کر سکیں۔ یہ لوگ جو اعتراض دوسروں پر کرتے ہیں وہی اعتراض زیادہ قوت کے ساتھ ان کے اپنے او پر وارد ہوتا ہے۔

ان کے بارے میں قرآن کے الفاظ بظاہر سادہ اور گہرائی میں بحرِ بے کراں ہیں:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللهُ عَلٰى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۔ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ یعنی کیا آپ نے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اسے جانتے ہوئے گمراہ ہونے دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا، تو اسے اللہ کے سواء کون ہدایت دے سکتا ہے، کیا تم لوگ غور نہیں کرتے؟ اور انہوں نے کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں سوائے ہماری دنیا کی زندگی کے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں دہر (زمانہ) ہی ہلاک کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ حق کا مقابلہ اپنے گمان سے کر رہے ہیں (الجاثیہ: ۲۳، ۲۴)۔

ان دو آیتوں میں قرآن نے دو چیزوں کو دہریہ کے علم کی بنیاد قرار دیا ہے: (۱) نفس پرستی اِتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔ اسی نفس پرستی کی وجہ سے آج بھی یہ لوگ نکاح سے جان چھڑاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اپنی مرضی سے جینا اور مرنا چاہتے ہیں (۲) ظن یعنی اندازے بازی إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ۔ اسی اندازے بازی کی وجہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں دہر (زمانہ) ہی ہلاک کرتا ہے وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ۔

علمی طور پر یہ لوگ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ "ہم نہیں جانتے یہ کائنات کیسے بنی...... ہم نہیں جانتے کہ انسان کو کس نے پیدا کیا...... ہم نہیں جانتے کہ انسان کس مقصد کے لیے پیدا ہوا ہے...... ہم نہیں جانتے کہ انسان کیسے مرتا ہے...... ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔

ان سوالوں کے جواب میں کئی کئی امکانات اور احتمالات موجود ہیں۔ مگر دہریہ لوگ اپنی ذاتی پسند کو چن کر اسے اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں اور نہایت واضح اور نسبتاً عقلی طور پر زیادہ صحیح باتوں کا انکار کر دیتے ہیں جن کی تائید مسلمانوں کے پاس وحی کے ذریعے بھی موجود ہوتی ہے۔

اور اگر ان لوگوں نے اپنے اندازے ہی لگانا ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ تمہارے اندازے کی بجائے کسی دوسرے کے اندازے کا کیا قصور ہے؟ دوسروں کے اندازے کو ترجیح دینے میں کیا حرج ہے اور تم لوگوں کو اپنا اندازہ دوسروں پر تھوپنے کا حق کس نے دیا ہے؟

اور جب تم نے کسی نہ کسی کو مؤثر مان لیا ہے خواہ دہر کو ہی سہی تو پھر مسلمان اگر اللہ تعالیٰ کو مؤثر مان لیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ اور اگر تمہیں تحقیق کا حق حاصل ہے تو پھر مسلمانوں کو تحقیق کا حق حاصل کیوں نہیں جو پوری تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، وہ ایک ہے، وہی مؤثرِ حقیقی ہے۔ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے اور آخری نبی ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جو کچھ بتایا وہ حق ہے۔

محض مسلمانوں کو گالیاں دینے، سورۃ مولوی لکھنے اور دانت پیسنے سے حقانیت ثابت نہیں ہوتی۔ حق کا ڈنکا قرآن نے سنا دیا اور دہریہ کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے۔

☆......☆......☆

مذہب کیوں ضروری ہے

(۱)۔سائنس جب کسی بھی مشینری کو ایجاد کرتی ہے تو اس کا موجد اپنی ایجاد کردہ مشین کے خراب ہونے کی صورت میں اسے ٹھیک کرنے کیلیے مکمل لائحہِ عمل (Technical order) تیار کرتا ہے بلکہ اس پر کام کرنے والوں کو باقاعدہ مینووَل (Manual) فراہم کرتا ہے۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بعض حسّاس اور نازک مشینوں (Equipment) پر کام کرتے وقت اگر کاریگر (Technician) کے ہاتھ میں مینووَل نہ ہو تو اس کے خلاف قانونی کارروائی (Technical Charge) کردی جاتی ہے۔

انسان جیسی عظیم مشینری کے خالق نے جو ٹیکنیکل آرڈر اور جو مینووَل عطا فرمایا ہے اسی کا نام شریعت ہے۔ملحدین ان اصطلاحات اور ان ناموں سے جتنی بھی نفرت کا ڈرامہ کریں مگر ان حقائق سے منہ نہیں موڑ سکتے اور انہیں انسانی زندگی کے لیے اپنے دَہر سے یا اپنے الحاد سے کوئی نہایت منظم اور مدلل انسانی ٹی او (Technical order) لانا پڑے گا۔یا پھر اسلام کو ماننا پڑے گا۔

اسی Technical order کو عملاً سمجھانے کے لیے ماہرین کا عملہ بھی مشینری کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔مثلاً پاکستان نے جب بھی بیرونی ممالک سے جہاز خریدے تو انہیں ممالک سے ماہرین کا عملہ ساتھ پہنچا۔

یہ مثال ہم نے صرف بات سمجھانے کے لیے پیش کی ہے۔بلا تشبیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے احکام کو عملاً کر کے دکھانے اور نافذ کرنے کے لیے بھیجے گئے عملے کو انبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے۔مذہب کا لفظی معنی ہے راستہ، مینووَل کے لفظ میں اسی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

(۲)۔انسان کی زندگی کے دو مختلف پہلو ہیں۔ایک ذاتی اور دوسرا اجتماعی۔ذاتی زندگی کے بھی دو پہلو ہیں۔ایک پہلو کا تعلق اس کی زندگی کی بقاء سے ہے اور دوسرے پہلو کا تعلق اس کی زندگی کی محض گزران اور عیش سے ہے۔اسی طرح اجتماعی زندگی کے بھی دو پہلو ہیں ایک ازدواجی یا عائلی اور دوسرا معاشرتی۔عائلی زندگی کا تعلق اہل وعیال سے ہے جس میں ساس، بیوی اور اولاد اور والدین شامل ہیں۔اور معاشرتی زندگی کا تعلق گھر کے پڑوسی اور زمین کے پڑوسی سے لے کر ملکی

اور بین الاقوامی سطح تک وسیع ہے۔اب مجموعی طور پر انسانی زندگی کے چار مختلف پہلو سامنے آگئے۔

(۱)۔ذاتی زندگی کی بقاء (۲)۔ذاتی زندگی کی گزران

(۳)۔عائلی زندگی (۴)۔معاشرتی زندگی

اب ملحدین بتائیں کہ زندگی کے یہ تمام پہلو تسلیم شدہ ہیں کہ نہیں؟ کیا زندگی کے ان تمام گوشوں کا مکمل راستہ تیار کرنا گناہ ہوگا یا انسانیت پر احسان؟ انسان کو جنگلیوں کی طرح جنگل کے قانون کے حوالے کر دینا انسانیت ہوگا یا حیوانیت؟

انسان کو ان چاروں پہلوؤں سے متعلق قانون اور راستہ مرتب کرنا ہوگا تا کہ جرم سے پہلے اس جرم کی سزا کا قانون موجود ہو۔ ہر کسی کو ہر کسی کی جان لینے یا زمین چھیننے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ قانون کوئی بھی مرتب کرے۔ بالفرض ملحدین ہی مرتب کر دیں تو ملحدین کے اس طے شدہ قانون کا نام کیا ہوگا۔ اگر اس کا نام راستہ ہوگا تو یہی مذہب کا ترجمہ ہے۔ اگر اسکا نام قانون (Law) ہوگا تو یہی اسلامی زبان میں ''الاحکام السلطانیہ'' کہلاتا ہے۔نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔تو پھر مان جائیے کہ مذہب اور انسانیت لازم وملزوم ہیں۔اب آپ خلا اور خاموشی کی مثالیں نہیں دے سکتے۔خلا اور خاموشی کیلئے آپکو زمین خالی کرنا ہوگی یا اپنی زبان کو خاموش رکھنا ہوگا۔

(۳)۔انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔جسم اور روح کے اپنے اپنے تقاضے اور ضروریات ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا یعنی تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے (بخاری:۱۹۷۵)۔

ضمناً طب پر بحث اور مختلف دواؤں کی تجویز ایک الگ بات ہے۔لیکن ہر مذہب نے زیادہ سے زیادہ توجہ روح اور اس کی اصلاح پر دی ہے۔آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ فلاں مذہب کا دارومدار طبی تعلیمات پر ہے۔ ہر مذہب نے روح کی اصلاح اور اخلاقیات پر زیادہ زور دیا ہے۔ غصہ، تکبر، حسد، لالچ بغض وغیرہ ہی وہ بیماریاں ہیں جو انسان کو حیوان بنادیتی ہیں۔ان کی اصلاح انسانی روح کا فطری تقاضا ہے۔اسی تقاضے کی تکمیل کیلیے دین اور مذہب کی ضرورت پڑتی ہے۔دنیا کا ہر مذہب عاجزی سکھاتا ہے، اسلام میں نماز اور سجدہ ورکوع اسی عاجزی کے انتہائی مظاہر ہیں۔ جبکہ تمہارے دامن میں غرور اور بغاوت کے سواء کچھ نہیں۔

(۴)۔آپ نے تجربہ کیا ہوگا کہ تمام انسان ایک جیسے ذہن کے نہیں ہوتے اور یہ بھی دیکھا ہوگا کہ ذہین آدمی کبھی کسی کند ذہن پر اعتماد نہیں کرتا اور اس کے مشورے پر دارومدار نہیں رکھ سکتا۔یہ بات ایک بالکل تجرباتی اور سائنسی حقیقت ہے۔

اب اگر دنیا بھر کے کند ذہن آپس میں مل کر ذہین لوگوں کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیں، تحریک چلائیں اور احمقانہ مطالبات کا ایک چارٹر تیار کر کے امن عامہ کو تباہ کر دیں تو آپ ان کا کیا بگاڑ لیں گے؟

یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ذہانت اور کند ذہنی کے صرف یہ دو ہی درجے نہیں بلکہ ہر بندے کی ذہانت دوسرے سے مختلف ہے اور ان کے درمیان بے شمار درجات ہیں۔بعض لوگ کسی ایک میدان کے ماہر ہوتے ہیں مگر دوسری طرف ان کا ذہن چلتا ہی نہیں۔کسی کا غصے میں دماغ خراب ہو جاتا ہے اور کسی کو خوشی میں کچھ نہیں سوجھتا۔کسی کو ٹینشن (Tension) لاحق ہو جاتی ہے اور چڑچڑا ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

لوگوں میں سب سے زیادہ ذہین، فطین، حلیم، حکیم، مستقل مزاج، عفوودرگزر کے پیکر اور پاک ترین جسم وروح کے حامل حضرات کو اگر چن کر انسانیت کی راہنمائی اور نسبتاً کم ذہین لوگوں کی تربیت پر مامور کر دیا جائے تو یہ ایک نہایت دانشمندانہ فیصلہ ہوگا اور انسانیت پر رحم کی انتہاء ہوگی۔

پس ایسے ہی لوگوں کو جب اللہ کریم جل شانہ نے جب چنا ہے تو انہیں نبی اور رسول کا نام دیا۔بڑی سادہ اور آسان بات ہے جسے قبول کرنے کی بجائے ملحدین نے بدعقیدگی کا خول پہن کر تنقید کا نشانہ بنا ڈالا۔اللہ کریم نے مصلحانہ اعلیٰ ظرفی کا عزم سونپتے ہوئے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ یعنی در گزر کرنے کو اپنا وطیرہ بناؤ، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے مت اُلجھو (الاعراف:۱۹۹)۔

عقیدۂ آخرت کی برکات

(۵)۔کسی بھی مشن کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے لیے منصوبہ بندی اور لائحہ عمل تیار کرتے وقت نتائج اور عواقب پر نظر رکھی جائے۔اگر تیز رفتاری کا انجام حادثہ

ہوتو اس سے وہ سست رفتاری بہتر ہے جس کا انجام بخیر و عافیت منزلِ مقصود تک پہنچنا ہو۔

موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسکا انکار دنیا کا کوئی انسان نہیں کرسکتا۔ دین، مذہب اور خدا کے منکر تو دنیا میں موجود ہیں لیکن موت سے کسی ایک شخص کو بھی انکار نہیں۔ لہٰذا انسان کے لیے زندگی گزارنے کا وہی لائحہ عمل اور ضابطہ کامیاب رہے گا جو اسکی موت اور آخرت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے مرتب کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس جو قانون انسان کے انجام اور عاقبت کو ملحوظ رکھے بغیر تیار کردیا گیا ہو وہ بالآخر انسان کو تباہی اور حادثے سے دوچار کردے گا خواہ وہ بظاہر کتنا ہی جدید اور تیز رفتار محسوس ہوتا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: یَا نَبِیَّ اللّٰہِ، مَنْ اَکْیَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: اَکْثَرُھُمْ ذِکْرًا لِلْمَوْتِ، وَاَشَدُّھُمْ اِسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ، اُولٰئِکَ ھُمُ الْاَکْیَاسُ، ذَھَبُوْا بِشَرْفِ الدُّنْیَا وَ کَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ یعنی یارسول اللہ لوگوں میں کونسا شخص سب سے زیادہ سمجھدار اور محتاط ہے۔ فرمایا: جو موت کو سب سے زیادہ یاد رکھے اور موت آنے سے پہلے ہی سب سے زیادہ موت کیلئے تیار رہے، ایسے ہی لوگ دانشمند ہیں، دنیا میں شرف اور آخرت میں عزت و آبرو اُن کا مقدر ہے (المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۴۸۸)۔

موت کی یاد سے دانشمندی میں اضافے کی بھی یہی وجہ ہے کہ موت کو یاد رکھنے والا شخص ہر کام کیلئے لائحہ عمل تیار کرتے وقت اپنی موت اور انجام پر نظر رکھتا ہے اور کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرتا جو نتیجۃً اس کی عاقبت کو خراب کرنے کا سبب بنے۔ تجربہ کار شخص اس کو کہا جاتا ہے جو مختلف منصوبوں کے انجام دیکھ چکا ہو۔ بوڑھے شخص کا مشورہ اسی لیے اہم ہوتا ہے کہ وہ تجربہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ قریب المرگ ہونے کی وجہ سے موت پر نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہے اور اس نے انسان کی موت، انجام اور آخرت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے احکام نازل فرمائے ہیں، لہٰذا کوئی بھی انسانی قانون اللہ کے دیے ہوئے قانون کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے فیصلے کرتے وقت آخرت پر نظر رکھنے کا حکم ان الفاظ سے دیتا ہے:

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا یعنی جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں آخرت کے فوائد تلاش کر اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ

کر (القصص:۷۷)۔

دوسری جگہ فرمایا: فَاَمَّا مَنۡ طَغٰیۙ وَاٰثَرَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا فَاِنَّ الۡجَحِیۡمَ هِیَ الۡمَاۡوٰی وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰی فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِیَ الۡمَاۡوٰی یعنی جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو اپنے رب کے سامنے جواب دہی سے ڈرا اور اپنے نفس کو بُری خواہش سے روکا تو اسکا ٹھکانہ جنت ہے (النّٰزعٰت:۳۷ تا ۴۱)۔

اللہ نے انسان کو ہر اس کام کا حکم دیا ہے جو اسکے حق میں بہتر ہے اور ہر اس کام سے منع کیا ہے جو اس کیلیے نقصان دہ ہے۔اللہ جانتا ہے اور انسان نہیں جانتا۔

اللہ کریم فرماتا ہے: وَعَسٰۤی اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّـكُمۡ‌ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡـتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز سے نفرت کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔اور عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو۔اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (البقرۃ:۲۱۶)۔

اللہ کریم نے اس ساری بحث کو چند لفظوں میں سمیٹ دیا ہے، مفہوم دیکھیے اور الفاظ کا اعجاز دیکھیے، فرمایا: وَاِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوۡنَ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ صحیح لائن سے کندھا مارے ہوئے ہیں (المومنون:۷۴)۔

(۶)۔ہر مذہب کے پاس اپنے عقائد و نظریات کے حق میں کچھ نہ کچھ دلائل موجود ہیں اور اس کے ماننے والے اپنے مذہب کا دفاع ضرور کرتے ہیں۔

اب اگر کوئی شخص اپنے آپ کو بے مذہب اور لبرل کہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ لبرل بن کر رہے، کسی پر تنقید نہ کرے اور کسی کی تنقید کا برا نہ مانے۔لیکن اگر وہ دوسروں پر سخت تنقید کرے، دوسروں کو گالیاں بھی دے، اپنے نظریات کو سچا کہے اور دوسروں کو غلط کہے، اپنے نظریات کا باقاعدہ دفاع کرے بلکہ اپنے نظریات دوسروں پر تھوپنا چاہے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ایسا شخص خود کو لادین کہنے میں سچا نہیں بلکہ اس کی ہر حرکت مذہبی ہے۔

ایک مجذوب سے کسی نے کہا کہ: فلاں مذہب یوں کہتا ہے، اس نے کہا ٹھیک کہتا

ہے۔اس آدمی نے کہا: دوسرا مذہب یوں کہتا ہے، مجذوب نے کہا وہ بھی ٹھیک کہتا ہے۔اس آدمی نے کہا: تیسرا مذہب یوں کہتا ہے۔مجذوب نے کہا: وہ بھی ٹھیک کہتا ہے۔اس آدمی نے تنگ آکر کہا: تمہاری ایسی تیسی ۔مجذوب نے کہا: تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔

مگر یہ ملحد عجیب قسم کا لبرل ہے کہ سب کو ٹھیک کہنے کی بجائے صرف خود کو ٹھیک سمجھتا ہے اور پھر یہ بھی کہتا ہے کہ میں لبرل ہوں میرا کوئی دین نہیں۔

الحاصل ملحدین کا اپنے نظریات کا دفاع کرنا اس چیز کا ثبوت ہے کہ الحاد بھی ایک مذہب ہے اور مذہب کو مانے بغیر ملحدین کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ یہ وہ خاموشی نہیں جس کی گرامر بھی نہ ہو اور رسم الخط بھی نہ ہو۔اپنے مذہب کا دفاع تم نے زبان سے بھی کیا ہے اور تحریر سے بھی۔ یہی تمہاری گرامر کا وجود ہے اور یہی تمہارے رسم الخط کا ثبوت ہے۔

(۷)۔مٹھی بھر دہریہ جب پوری دنیا کو خدا کے وجود، توحید، مذہب، وحی اور القاء کو دلیل کے ساتھ تسلیم کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو معقول جواب دینا مشکل نظر آتا ہے۔دوسری طرف یہی دہریہ لوگ جب اس عظیم نظریے کا متبادل فراہم کرنے لگتے ہیں تو کبھی بِگ بینگ کا نظریہ پیش کرتے ہیں، کبھی انسان کی نفسیاتی کمزوریوں اور توہم پرستی کو مذہب پسندی کا سبب قرار دیتے ہیں اور کبھی مذہب کو معاشی مجبوریوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ان کے فراہم کردہ متبادل نظریات بجائے خود اتنے کمزور، نامعقول اور محض مفروضی ہیں کہ انہیں پڑھ کر مذہب پر اعتماد و اعتقاد متزلزل ہونے کی بجائے مزید مضبوط ہو جاتا ہے۔

اللہ کے وجود اور توحید کا ثبوت

آفاقی اعتبار سے گذارش ہے کہ پوری دنیا کے تمام تر مذاہب کسی نہ کسی خالق اور فائق وقاہر ہستی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں بھی عقیدۂ توحید ہمیشہ قدرِ مشترک رہا ہے۔قرآن اسی حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا یعنی ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہ وحی بھیجی کہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میرے سواء کوئی معبود نہیں (انبیاء:۲۵)۔

سچ تو یہ ہے کہ ملحدین بھی یکسوئی اور ارتکازِ ذہنی (concentraiton) کی برکات کا انکار نہیں کر سکتے اور یہی چیز انسان کو عقیدۂ توحید تک آسانی سے پہنچا دیتی ہے۔ عقیدۂ توحید کا یہ اشتراک بلا شبہ ملحدین سمیت پوری دنیا کو خواہی نخواہی محیط ہے، ہاں انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں اور احکام کا اختلاف اور نسخ بالآخر شریعتِ اسلامیہ پر انتہاء پذیر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے اور واحد ہونے کے عقلی ثبوت خود قرآن نے بھی دیے ہیں۔ اس وقت ہمارا مقصد قرآن پیش کرنا نہیں بلکہ عقلی دلائل پیش کرنا ہے، لیکن چونکہ یہ عقلی دلائل خود قرآن نے بیان کیے ہیں لہٰذا سونے پر سہاگہ، اب ہم قرآن پیش کرنے میں حق بجانب ہیں۔

اپنے آپ میں غور کرو، قرآن دعوتِ فکر دیتا ہے

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ یعنی تم اللہ کا انکار کس طرح کر سکتے ہو جب کہ تم نہیں تھے تو اس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (البقرۃ: ۲۸)۔

اس آیت میں انسان کے نہ ہونے، پھر ہونے، پھر مرنے کا ذکر ہے۔ یہاں تک کی حقیقت کو ہر کوئی تسلیم کرتا ہے۔ پھر اسی تسلسل میں دوبارہ زندہ ہونے کو پرو دینا، آخرت کی زندگی پر نہایت آسان، رواں اور سادہ استدلال ہے۔ جس سے ایک منکر بھی سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ کہیں یہ بات سچ تو نہیں؟

دوسری جگہ فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَآءَ رَكَّبَكَ یعنی اے انسان تجھے تیرے ربِ کریم سے کس چیز نے غافل کر دیا، جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے سڈول بنایا اور پھر تیرے اعضاء کو اعتدال بخشا، جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا (الانفطار: ٦ تا ٨)۔

اس آیت میں انسان کی خود اپنے آپ کو پیدا کرنے میں بے بسی، پھر انسان کا سڈول ہونا، پھر اس کے اعضاء کا معتدل ہونا اور پھر ہر انسان کی صورت کا دوسرے کی صورت سے جدا

ہونا، یہ سب کچھ بتا کر خود اپنے اندر غور کر کے اپنے خالق کو پہچاننے کی دعوت دی گئی ہے۔

آفاق میں غور کرو، قرآن دعوتِ فکر دیتا ہے

(۱)۔سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ یعنی جلد ہی ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں دکھائیں گے اور ان کی جانوں میں بھی، حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ حق یہی ہے (حم السجدۃ: ۵۳)۔

(۲)۔اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وِ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ یعنی کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح اٹھایا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ انہیں کس طرح نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح بچھائی گئی ہے (الغاشیہ: ۱۷ تا ۲۰)۔

(۳)۔اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ یعنی بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے میں، اور دریا میں چلنے والی کشتیوں میں جو لوگوں کے لیے فائدہ مند ہیں، اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا، پھر اسکے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور زمین میں ہر طرح کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کے پھیرنے میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان اللہ کے حکم کے پابند ہیں، ان تمام چیزوں میں عقلمندوں کیلئے اللہ کو پہچاننے کی نشانیاں موجود ہیں (البقرۃ: ۱۶۴)۔

(۴)۔کائنات میں باقاعدہ ترتیب کا پایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے کسی نہ کسی نے ضرور مرتب کیا ہے۔زمین، آسمان، کہکشاں، سورج کی گرمی، مخصوص قابلِ برداشت فاصلہ، چاند سورج کا گھٹنا بڑھنا اور وقت کی پابندی بتا رہے ہیں کہ یہ سب محض اتفاقاً نہیں ہوا بلکہ یہ کسی کی

زبردست منصوبہ بندی کا آئینہ دار ہے۔اگر یہ کائنات صرف ایک بِگ بَینگ کا نتیجہ ہے تو سوچ کر بتاؤ اس میں اس قدر نظم وضبط کیسے پیدا ہوا؟ اور بتاؤ اگر تم نے اتفاقی بِگ بَینگ کو مان لیا ہے تو قادرِ مطلق کی طرف سے کُنۡ (فَیَکُوۡن) کو تسلیم کر لینے میں کیا مشکل باقی رہ گئی؟

اسی ترتیب اور نظم وضبط سے قرآن یوں استدلال کرتا ہے: الَّذِی خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِی خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفَاوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیۡرٌ یعنی جس نے سات آسمان طبق در طبق بنائے، تم رحمن کی تخلیق میں کوئی بے ضابطگی نہیں دیکھو گے، پس نگاہ اٹھا کر دیکھ لے کیا کوئی خرابی نظر آتی ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا کر دیکھ لے، تیری نگاہ تیری طرف تھک کر ناکام پلٹ آئے گی (الملک: ۳)۔

بے بس اور مجبور کو کون یاد آتا ہے

انسان پر جب کوئی مشکل آتی ہے تو سب سے پہلے اسے خود حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اگر خود بے بس ہو جائے تو اپنے دوستوں، طبیبوں اور بڑے بڑے عہدے داروں سے مدد حاصل کرتا ہے۔اگر یہ لوگ بھی جواب دے جائیں اور انسان چاروں طرف سے مایوس ہو جائے تو پھر ناچار اور بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ایسی صورتِ حال میں اس کے اندر کسی غیبی مدد کا انتظار پیدا ہوتا ہے جسے وہ نہیں جانتا یا بظاہر اسے نہیں مانتا۔دراصل وہ اپنی ہائے ہائے میں بھی اسی ہستی کو پکار رہا ہوتا ہے جس کے پاس اس مسئلے کا حل موجود ہے۔قرآن میں ایسی ہی صورتِ حال کو نہایت سادہ طریقے سے بیان کر دیا گیا ہے۔

أَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَیَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ یعنی کون ہے جو بے بس و مجبور کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسے پکارے۔اور کون ہے جو مشکل کو حل کرتا ہے۔اور کون مرنے کے بعد تمہیں ان کی نیابت سونپتا ہے۔کیا اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے؟ تم بہت کم سوچتے ہو (النمل: ٦٢)۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اللہ کے منکر سے مناظرہ ہوا۔آپ نے پوچھا

کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا سمندری تجارت کرتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تیری کشتی کبھی طوفان میں پھنسی؟ اس نے کہا جی ہاں ایک مرتبہ پھنس گئی تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے اس وقت سوچا تھا کہ کاش کوئی مجھے بچانے والا ہو۔ اس نے کہا جی ہاں میرا ذہن واقعی کسی بچانے والے کی طرف چلا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا وہی تیرا معبود ہے جس کی طرف متوجہ ہونے پر تو مجبور ہو گیا تھا (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۳)۔

اسی لیے ہمارے مرشد سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ایسی مشکلات جن کا حل بندے کے اپنے پاس بھی نہ ہو اور اسکے دوستوں کے پاس بھی نہ ہو، بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنے کا بہترین ذریعہ ہوتی ہیں (حاصل فتوح الغیب مقالہ نمبر ۳)۔

عصرِ حاضر کے اہم ترین انسانی مسائل کا حل

(۱)۔ انفرادی اصلاح

عقائد، عبادات، اخلاق اور حقوق العباد پر اسلام مکمل تعلیمات فراہم کرتا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں اخلاقیات، حقوق العباد وغیرہ کے مکمل عنوانات موجود ہیں۔ اخلاقیات پر الگ کتابیں بھی موجود ہیں، مثلاً طبرانی کی مکارم الاخلاق اور ابن ابی الدنیا کی مکارم الاخلاق اور بیہقی کی کتاب الآداب وغیرہ۔ اس موضوع پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف دو حدیثیں دیکھیے:

إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ یعنی تیرے رب کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری جان کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے گھر والوں کا بھی تجھ پر حق ہے، ہر حق دار کو اسکا حق ادا کرو (بخاری: ۱۹۶۸، ترمذی: ۲۴۱۳)۔

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (بخاری: ۱۳، مسلم: ۱۷۰)۔

(۲)۔فتنوں کے خاتمے کے لیے عدالتی نظام

اسلامی نظام پر قرآنی آیات کثرت سے موجود ہیں، احادیث کی کتب میں ''کتاب الاحکام'' اور ''کتاب الامارۃ'' موجود ہیں۔ حدود وتعزیرات پر فقہ کی کتابوں میں مکمل اور مفصل تعلیمات موجود ہیں مثلاً قدوری صفحہ ۱۸۶ پر کتاب الحدود اور صفحہ ۲۱۷ پر کتاب آداب القاضی موجود ہیں اور اسلامی عدالت کا فیصلہ ایک ہفتے سے زیادہ وقت لے ہی نہیں سکتا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک حدیث نے عدالت کی دنیا کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے فرمایا:

اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعیٰ عَلَیْہِ یعنی مدعی کی ذمہ داری ہے کہ اپنے دعوے کے حق میں گواہ پیش کرے اور مدعا علیہ کی ذمہ داری ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو اپنے بے قصور ہونے کی قسم اٹھا کر خلاصی پائے (ترمذی حدیث:۱۳۴۱)۔

(۳)۔اقتصادی مسائل اور ان کا حل

قرآن شریف میں صرف زکوٰۃ وصدقات ہی نہیں بلکہ خرید وفروخت، لین دین کے معاملات میں گواہوں کا طریقہ، شراب پر پابندی، سود کی حرمت وغیرہ کے احکام مذکور ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں کتاب البیوع موجود ہوتی ہے جس میں شرکت، مضاربت، بیع کی مختلف اقسام اور سود کی حرمت پر کثرت سے احادیث موجود ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں بھی مثلاً قدوری شریف میں صفحہ ۶۴ پر کتاب البیوع موجود ہے، صفحہ ۷۹ پر کتاب الرہن موجود ہے، صفحہ ۹۰ پر کتاب الاجارۃ یعنی مزدوری کے معاملات موجود ہے، صفحہ ۹۶ پر کتاب الشفعہ موجود ہے، صفحہ ۱۰۱ پر کتاب الشرکۃ موجود ہے، صفحہ ۱۰۴ پر کتاب المضاربۃ یعنی بینکاری موجود ہے، صفحہ ۱۰۶ پر کتاب الوکالت موجود ہے، حتیٰ کہ راستے میں گری ہوئی چیز ملے تو کیا کریں اسکے بارے میں صفحہ ۱۲۷ پر کتاب اللقطہ موجود ہے۔

ملحدین کو نکاح سے ناراضگی ہے مگر نکاح کے بغیر پیدا ہونے والے بچوں کی زندگی پر منصفانہ غور نہ کر سکے۔ خدانخواستہ اسی وجہ سے یا کسی بھی دوسری وجہ سے راستے میں پڑے ہوئے بچے کو سنبھالنے کے متعلق قدوری شریف کے صفحہ ۱۲۶ پر کتاب اللقیط موجود ہے، اور اس میں

الفاظ پڑھو! پورے مضمون میں سے صرف پہلا جملہ پیشِ خدمت ہے: اَللَّقِیۡطُ حُرٌّ وَ نَفۡقَتُہٗ مِنۡ بَیۡتِ الۡمَالِ یعنی گرا ہوا بچہ کسی کا غلام نہیں ہوگا بلکہ آزاد ہوگا اور اسکے اخراجات اسلامی بیت المال کے ذمے ہوں گے۔

ملحدین پر سے بدعقیدگی کا خول کون اتارے؟ ورنہ ہر انصاف پسند اور شریف آدمی ان الفاظ کو پڑھ کر جھوم جائے اور ہمارے آقا سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے۔

(۴)۔غلبہِ حق کیلئے عالمگیر کوشش بذریعہ تبلیغ اور جہاد

جس مذہب کے پاس مذکورہ بالا تینوں مسائل کا حل موجود ہے، اسی کا نام اسلام ہے، اسی کے سامنے تمام مذاہب لاجواب ہیں، اور بلاشبہ اسی کو تبلیغ اور جہاد کا بھی حق حاصل ہے اور یہی چیز ملحدین کے جگر سے پار ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے:

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ یعنی تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو اسلام کی طرف دعوت دے اور وہ لوگ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں (آل عمران: ۱۰۴)۔

واضح رہے کہ اسلام ہر کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ جا کر مرتد کو قتل کردے۔ عوام کو براہِ راست قصاص لینے کی بھی اجازت نہیں۔ تنظیمیں بنا کر از خود جہاد کرنا بھی منع ہے۔ یہ سارے کام حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ورنہ خانہ جنگی اور دیگر خطرناک نتائج کا واضح امکان ہے۔ یہ چیز بھی اسلامی ڈسپلن اور عظیم قانون سازی کی آئینہ دار ہے۔

☆......☆......☆

باب دوم:

ملحدین کے سوالات اوران کے جوابات

مذہب پر اعتراضات کے جوابات

سوال: مذہب انسانوں کو غلام بناتا ہے اور آزادی چھینتا ہے۔ہم کسی سے روٹی کھانے، سونے جاگنے اور کپڑے پہننے کے طریقے سیکھ کر پابند نہیں ہونا چاہتے۔اپنی مرضی سے جینے اور اپنی مرضی سے مرنے کے لیے مذہب کا انکار کر دینا بہتر ہے۔

جواب: غلامی کی کئی قسمیں ہیں۔ایک یہ ہے کہ کسی انسان کو خرید کر ساری زندگی کے لیے اس سے دھندا کروایا جائے۔دوسری یہ ہے کہ کسی کے پاس ملازم رہ کر اس سے تنخواہ لی جائے۔تیسری یہ ہے کہ کسی کے پاس شاگرد بن کر سیکھا جائے اور اس کے سکھانے میں ٹانگ نہ اڑائی جائے۔ چوتھے یہ کہ اولاد بن کر ماں باپ سے سیکھا جائے اور ان کی خدمت کی جائے۔پانچویں یہ کہ کسی سے کوئی کام نکلوانے کے لیے وقتی طور پر اس کی چاپلوسی اور خدمت کی جائے۔چھٹی یہ کہ کسی کی مہربانیوں کا صلہ دینے کے لیے شکرانے کے طور پر اس سے وفا کی جائے۔ساتویں یہ کہ کسی کی حکومت کے ماتحت رہا جائے خواہ حکمران اپنا ہم خیال ہی کیوں نہ ہو۔آٹھویں یہ کہ کسی غیر کی حکومت کے ماتحت رہا جائے اور وہ حکمران ناگوار ہو۔نویں یہ کہ کسی کا قرض اتارنے کے لیے ایک عرصہ تک اس کے ہاں مشقت کی جائے۔

غلامی کی یہ بہت سی قسمیں آپ کے علم میں ہوں گی اور ضرورت کے طور پر ان میں سے اکثر پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوگا۔لیکن اگر ہم ان سب کے ساتھ صرف اور صرف اتنا اضافہ کریں کہ امتی بن کر نبی کے ماتحت رہنا تو اس بات پر آپ کے تن بدن میں آگ لگ جائے گی۔ اب آپ بتائیے آپ خود کس کے غلام ہیں؟ آپ کو آپ کا آقا نظر نہیں آرہا، آپ کے اسی آقا کو نفس اور شیطان کہتے ہیں۔قرآن تمہیں ہدایت دیتا ہے:

اَرَأَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِ وَكِيۡلًا یعنی کیا آپ نے

اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا، تو کیا آپ اس پر وکیل بنو گے؟ (الفرقان: ۴۳)۔

ثانیاً آپ اپنی مرضی سے جینا مرنا چاہتے ہیں لیکن اگر مذہب سے خلاصی پا کر بھی اپنی مرضی سے نہ جی سکے اور نہ مر سکے تو پھر کیا بنے گا؟ اگر آج ہی حادثہ ہو گیا تو دونوں حسرتیں گُھر ل۔اب اس میں مذہب کا کیا قصور ہوگا؟ ثالثاً تم نے کہا کہ اپنی مرضی سے مرنا چاہتے ہیں۔ یہ مرنا اپنی مرضی سے کیسے ہوتا ہے؟ تم نہیں چاہو گے مگر مرنا پڑے گا پھر مرضی کیسی؟ تم بستر پر مرنا چاہو گے مگر سڑک پر مرنا پڑے گا پھر مرضی کیسی؟ تم عزت سے مرنا چاہو گے مگر ذلت کی موت مرنا پڑے گا پھر مرضی کیسی؟ تمہاری اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کے ساتھ عقل بھی جا چکی ہے مگر یاد رکھو مذہب کی مخالفت کر کے تقدیر کے ہاتھوں رسواء ہونے سے تمہیں کوئی نہ بچا سکے گا۔ پھر ایسے میں تمہیں دوبارہ مذہب ہی یاد آ جائے گا۔

جنہیں قدیم سمجھ کر بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

رابعاً اگر تم اپنی مرضی سے جینا مرنا چاہتے ہو تو پھر مسلمانوں کو ان کی مرضی سے کیوں روکتے ہو؟ ہماری مرضی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں جینا مرنا ہے۔ پھر تمہیں کیا تکلیف؟ اپنی مرضی دوسروں پر کیوں تھوپ رہے ہو۔ اپنی گندگی کے نالے میں خود ہی غسل فرماتے رہو۔ ہمیں اپنے پاک نبی کی پاک زندگی کو نمونۂ عمل بنانا ہے لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ (کافرون: ٦)۔

خامساً اگر غور کرو تو خودکشی کے سواء اپنی مرضی سے مرنے کا کوئی طریقہ دنیا میں موجود نہیں گویا مرضی کی موت بھی تمہاری ذلت کی موت نکلی۔

سادساً تمہیں یا تو روٹی کپڑا چھوڑنا پڑے گا یا پھر اسے کھانے پہننے کا کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرنا ہوگا اور وہ طریقہ کسی نہ کسی کا بتایا ہوا ضرور ہوگا۔ اگر کسی کا بتایا ہوا طریقہ منظور نہیں تو پھر ہزاروں سال پرانے غاروں میں جا کر پتوں کا لباس پہننا پڑے گا اور مذہب سے آزادی بہت مہنگی پڑے گی۔

سوال: کیا یہ سچ نہیں کہ دنیا میں فسادات کی بہت بڑی وجہ مذہب ہے؟ اکثر لوگ عقیدے پر

لڑتے مرتے ہیں۔ مذہب کا انکار کردیا جائے تو جھگڑا ختم۔

جواب: اکثر جھگڑے مذہب کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ اکثر جھگڑے معاش اور جنسیات کی وجہ سے ہیں۔ تم خود بھی انہی دو چیزوں کی پیداوار ہو جسے تم مرضی سے جینا قرار دیتے ہو۔ جھگڑے کا اکثر سبب زن، زر اور زمین ہے۔ اب بتاؤ، زن زر اور زمین کا انکار کیوں نہیں کرتے؟ ترکِ نکاح کا مشورہ دینے کی بجائے عورت سے دست کش ہو جاؤ، دولت بے لگام ہو کر کمانے کی بجائے روکھی سوکھی پہ گزارہ کرو اور اپنی زمین اور جائیداد دوسروں کے حوالے کر کے چین کی زندگی گزارو۔ اس طرح تم سے دوسروں کی بھی جان چھوٹ جائے گی۔

ثانیاً مذہب کا انکار کرنے سے جو نیا جھگڑا پیدا ہوگا اس کا کیا علاج؟ تمہارے پاس کیا گارنٹی ہے کہ مذہب کا انکار کرنے سے جھگڑا ختم ہوگا؟ کیا تم پوری دنیا کو مذہب کے انکار پر متفق کر سکو گے؟

ثالثاً اگر مذہب کے انکار پر متفق کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تو اسلام پر متفق کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جائے تا کہ جھگڑا ختم۔

رابعاً فسادیوں کا پرانا فارمولا اتحاد کے نام پر فساد ہے لہٰذا تم خود ایک فساد ہو۔

خامساً جو جھگڑے جنسیات کی وجہ سے ہوتے ہیں ان کو ختم کرنے کے لیے اعضاءِ تناسل کاٹ دینا کیسا ہے؟ جواب دیجیے! یا پھر دوسری طرف سوچیے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق خواہشات کو کنٹرول کرنا کیسا ہے؟

سادساً جو جھگڑے معاش کی وجہ سے ہوتے ہیں انہیں ختم کرنے کے لیے رمضان کے روزے رکھنا، نفلی روزے، یا سادہ کھانوں پر اکتفا کرنا یا نبیوں کے کھانے پسند کرنا یا ناجائز خواہشات پر کنٹرول کرنا، یا سیدھے لفظوں میں اسلامی طرزِ زندگی اپنا لینا کیسا رہے گا؟ جواب دیجیے!

سابعاً تمہارے ہی فرقوں میں سے ایک فرقہ مزدکیہ کہتا ہے کہ: اکثر جھگڑے عورت اور دولت کی وجہ سے ہوتے ہیں لہٰذا اس فرقے نے یہ تعلیم ایجاد کر دی کہ تمام عورتیں اور تمام دولتیں ساجھی ہیں، نہ نکاح کی ضرورت ہے اور نہ ملکیت کی اجازت (الملل والنحل جلد ۱ صفحہ ۲۲۹)۔

اب یہ کس کے منہ پہ لگی؟

سوال: نکاح نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔کوئی کسی کو حرامی نہ کہتا۔اعلیٰ سے اعلیٰ نسل پیدا ہوتی۔ بالکل جیسے آدم اور حواء کا نکاح نہیں ہوا تھا۔

جواب: اولاً اس دنیا میں عورت کا سب سے بڑا تحفظ نکاح ہے۔ بلکہ میاں بیوی دونوں صحت، اخلاق، اخراجات اور صاحبِ خانہ بن جانے کے حوالے سے محفوظ اور باعزت ہو جاتے ہیں۔ قرآن میں نکاح کو حصن کہا گیا ہے، حصن کا معنی ہے قلعہ۔ قرآن شریف کا پانچواں پارہ وَالْمُحْصَنٰتِ سے ہی شروع ہوتا ہے۔

ثانیاً نکاح نہ ہوتا تو کوئی کسی کی ذمہ داری پر نہ ہوتا اور بوڑھے لوگ دھکے کھاتے یا سڑکوں پر مر جاتے۔

ثالثاً اگر نکاح نہ ہوتا کوئی کسی بچے کو منہ نہ لگاتا کہ کیا معلوم یہ میرا بیٹا ہے بھی کہ نہیں؟ اور اگر نکاح نہ ہوتا تو کوئی کسی کو باپ نہ کہہ سکتا۔ ہر آدمی شک کرتا کہ کیا معلوم یہ میرا باپ ہے بھی کہ نہیں؟

رابعاً اگر نکاح نہ ہوتا انسان کی اوقات کتے اور خنزیر جتنی ہوتی کیونکہ جانور نکاح نہیں کرتے۔ عورت صرف مرد سے ہی آزاد نہ ہوتی بلکہ لباس سے بھی آزاد ہوتی۔ صرف لباس سے ہی آزاد نہ ہوتی اپنے بھائی، باپ سے بھی برائی کرتی۔

خامساً اگر نکاح نہ ہوتا تو شکوک وشبہات اور حسن و جمال کی ترجیحات کی بنا پر رقابتیں اور لڑائیاں ہوتیں جس طرح ایک ایک کتیا پر کئی کئی کتے لڑ رہے ہوتے ہیں۔

سادساً اگر نکاح نہ ہوتا تو میراث کی تقسیم مصیبت بن جاتی اور قتل و غارت کا دروازہ کھل جاتا۔

سابعاً اگر نکاح نہ ہوتا تو خطرناک بیماریاں مثلاً Aids وغیرہ عروج پر ہوتیں۔

ثامناً اگر نکاح نہ ہوتا تو معاشرے کو کوئی نہ کوئی ضابطہ ضرور تیار کرنا پڑتا اور اسی ضابطے کی ایک بہترین شکل نکاح ہے۔

تاسعاً آپ نے لکھا ہے کہ بالکل جیسے آدم وحواء کا نکاح نہیں ہوا تھا۔ جواباً گزارش ہے کہ آدم وحواء کا نکاح ہوا تھا یا نہیں، یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ جب آپ کو قرآن، آسمانی

کتابوں اور ہر مذہبی کتاب پر اعتراض ہے تو پھر تاریخ اور اخبار کا کیا اعتبار؟ پوری دنیا کا دماغ آپ کی جاگیر تو نہیں کہ آپ جس بات کا چاہیں اعتبار کر لیں اور جس کا چاہیں انکار کر دیں اور کوئی آپ پر گرفت کرنے والا نہ ہو۔

عاشر اُ بتاؤ! قرآن نے اماں حوا کو زوج کہا ہے کہ نہیں اُسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ جب اللہ نے زوج کہہ دیا تو نکاح ہوا کہ نہیں ہوا؟ کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ کو اس نکاح سے پہلے دو گواہ پیدا کرنا چاہیے تھے؟ تاکہ ملحدین کو مطمئن کرتا۔ اس بات کا جواب دینے کے لیے انصاف، شرافت اور عقل کی ضرورت ہے اور بدعقیدگی کا خول اتار دینے کی ضرورت ہے۔

اگر ہماری کتابوں پر ہی اعتماد کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام اور حویٰ رضی اللہ عنہا کا وجود مان لیا ہے تو پھر صرف میٹھا میٹھا ہپ کیوں؟ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ:

جب سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سر اٹھایا تو عرش کی دہلیز پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا، حضرت آدم نے عرض کیا: اے میرے رب یہ کون ہے جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! یہ میرا نبی ہے، میرا چنا ہوا ہے اور میرا محبوب ہے، اگر میں اسے پیدا نہ کرتا تو تجھے بھی پیدا نہ کرتا اور جنت اور دوزخ کو بھی پیدا نہ کرتا، جب اللہ تعالیٰ سبحانہ نے حضرت حواء کو پیدا کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان کی طرف دیکھا، تو عرض کیا اے میرے رب اسے میری زوجہ بنا دے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم اس کا مہر کیا دو گے؟ عرض کیا اے میرے رب میں نہیں جانتا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اے آدم محمد پر دس مرتبہ درود پڑھ، تو آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ پر درود پڑھا جس طرح کہ جبار جل جلالہ نے حکم دیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح کر دیا (بستان الواعظین از علامہ ابن جوزی صفحہ ۲۴۷)۔

جناب نے سمجھ لیا ہوگا کہ سیدنا آدم اور اماں حوا علیہما السلام کا نکاح ہوا تھا کہ نہیں۔ یہ بھی آسانی سے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ مرضی کی شادی تھی یا ارینجڈ (Arranged) میرج تھی!

☆......☆......☆

اللہ تعالیٰ پر اعتراضات کے جوابات

سوال: ہر مخلوق کے لیے کسی خالق کا ہونا ضروری ہے تو پھر خدا کو کس نے بنایا؟

جواب: ملحدین کا یہ سوال خود اپنے ہی اندر خرابی بتا رہا ہے اور اس سے ان کی جہالت ظاہر ہو رہی ہے۔ اس لیے کہ ملحدین نے ہر مخلوق کا خالق پوچھا ہے اور واقعی ہر مخلوق کا خالق ضرور ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ مخلوق ہے ہی نہیں بلکہ خالقِ حقیقی ہے اور خالقِ حقیقی کا خالق ممکن نہیں۔

اگر خالق کا بھی کوئی خالق ہو اور پھر اس کا بھی کوئی خالق ہو اور اس تیسرے خالق کا بھی کوئی چوتھا خالق ہو تو یہ سلسلہ چل نکلے گا جس کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔ عقل وانصاف اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں کہ اس لامتناہی سلسلے کا کہیں نہ کہیں اختتام ہونا چاہیے۔ بس جب تک کوئی بھی خالق اپنے سے اگلے خالق کا محتاج ہے وہ کائنات کا اصل خالق نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ خود مخلوق ہے جسے تم نے خالق سمجھ رکھا ہے۔ اور جس سے اوپر مزید کوئی خالق نہیں وہی خالقِ حقیقی ہے۔ تخلیق کا یہ سلسلہ جس خالق پر جا کر انتہاء پذیر ہوتا ہے اسے واجب الوجود کہتے ہیں اور علمی الفاظ میں جملہ یوں مکمل ہوتا ہے کہ خالقوں کا تسلسل محال ہے اور اس تسلسل کا منقطع ہو کر کسی واجب الوجود پر انتہاء پذیر ہونا ضروری ہے۔

اب بھی اگر کوئی شخص اس واجب الوجود خالق کے خالق کا مطالبہ کرتا ہے تو ظاہر ہے ایسے شخص میں عقل نہیں اور اگر عقل کے ساتھ ساتھ شرافت بھی نہ ہو بلکہ بدعقیدگی کے ہیلمٹ میں سر پھنس چکا ہو تو اس میں ہمارا کیا قصور؟

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ دیکھیے! انہی ملحدین کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَنْ يَّبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَ لُوْنَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ یعنی لوگ آگے سے آگے سوال کرتے جائیں گے حتیٰ کہ کہیں گے کہ: اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ (بخاری: ۷۲۹۶، مسلم: ۳۵۱)۔

اس حدیث میں تمہاری تردید کے ساتھ ساتھ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علمی معجزہ

بھی موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے اس سوال کے بارے میں ۱۴۰۰ سال پہلے خبر دے دی تھی۔

سائنس کہتی ہے کہ یہ دنیا ایک بہت بڑے دھماکے Big Bang کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آئی۔

سائنس کی یہ تحقیق اپنے تمام جزئیات کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں، یہ ایک الگ بحث ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کُنۡ فَیَکُوۡن کا ذکر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ''کُنۡ (فَیَکُوۡن)'' پر آپ نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی مگر اسی بات کو سائنس نے انگریزی زبان میں Big Bang کہا تو آپ کی عقل شریف میں فوراً سما گیا۔

بتایئے یہ انصاف ہے کہ ناانصافی؟ یہ عقیدت کا خول ہے یا بدعقیدگی کا؟ یہ انگریزی زبان اور سائنس سے مرعوبیت ہے کہ نہیں؟

یہ بھی بتایئے! کہ اس دھماکے کا فاعل (Banger) کون تھا؟ جب آپ خود پوچھتے ہیں کہ خدا کو کس نے بنایا تو پھر ہم بدرجہِ اولیٰ یہ حق رکھتے ہیں کہ آپ سے بینگ کرنے والا پوچھیں۔ ہمارے نزدیک اسی بِگ بینگ کو کُنۡ کہتے ہیں یعنی ہو جا۔ اور کُنۡ کہنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اسی کُن کے نتیجے میں فَیَکُوۡن ہوا۔ مگر تمہیں خود اس دھماکے کا فاعل بتانا پڑے گا، یا پھر اللہ تعالیٰ کا خالق پوچھنے سے توبہ کرنا پڑے گی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دہریہ کے ساتھ ایک مشہور مناظرہ اس طرح ہے کہ: آپ میدانِ مناظرہ میں تاخیر سے پہنچے۔ دہریہ مناظر نے کہا کہ آپ نے وعدہ خلافی کی اور تاخیر سے آئے۔ آپ نے فرمایا: میرے راستے میں دریا پڑتا ہے، کشتی نہیں مل رہی تھی، آخر میں نے اچانک دیکھا کہ کنارے پر کھڑے درخت خود بخود ٹوٹ کر گرنے لگے، پھر ان میں سے خود ہی پھٹے نکلنے لگے، پھر وہ پھٹے خود ہی اکٹھے ہو کر کشتی کی شکل اختیار کر گئے، پھر اس کشتی پر اچانک ایک ملاح نظر آنے لگا، میں اسی کشتی پر سوار ہو کر آیا ہوں، یہ ہے میرے تاخیر سے آنے کی وجہ۔

اس دہریہ نے کہا کہ مسلمانوں کا امام جھوٹ بول رہا ہے، یہ ساری کہانی جھوٹی ہے اور خود بخود یہ سارے کام ہو ہی نہیں سکتے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم مناظرہ ہار گئے! اس

لیے کہ اگر ایک معمولی سی کشتی کا اس طرح خود بخود بن جانا تمہارے نزدیک ممکن نہیں تو اتنے بڑے جہان، زمین وآسمان وغیرہ کا خود بخود بن جانا کیسے ممکن ہے؟ یہی کائنات کے خالق کے وجود کا ثبوت ہے، مسلمان اسی خالق کو اللہ کہتے ہیں۔

نوٹ: سائینس نے اپنے مادری موضوع کی حد تک بات ٹھیک کر دی ہے اس سے آگے کی بات اس بے چاری کے موضوع سے ہی خارج ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ جب 70 ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے تو پھر دنیا میں لوگ بھوکے پیاسے سسک کر کیوں مرتے ہیں؟ قرآن میں یہ بھی ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

جواب: اس سوال میں ملحدین سے بنیادی خطا یہ ہوئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا ہے۔ اور بے شمار لوگ ٹھوکر یہاں سے کھاتے ہیں کہ: اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ یعنی آدمی دوسروں کو اپنی ذات پر قیاس کر بیٹھتا ہے۔ جب ہر انسان کو اپنے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے تو پھر اللہ تعالیٰ کی بلند وبالا ذات کو اپنے اوپر قیاس کرنا اس سے بھی بڑی غلطی ہوگی۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پیار بھی کرتا ہے مگر وہ مجرموں کے لیے شدید العقاب بھی ہے۔ تم نے اس کی صفات کا یہ دوسرا پہلو کیوں چھپایا؟

ثالثاً وہ حکیم بھی ہے اور اس کی حکمتِ عملی کی گہرائی کو تمہاری بلا جانے۔

رابعاً کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سگی ماں بھی اپنے بچے کو مارتی ہے اور بعض اوقات سخت سزا دیتی ہے؟ پھر ماں کی محبت کے بہانے اللہ کریم پر زبان درازی کرتے ہوئے بے لگام کیوں ہو گئے؟

خامساً کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ماں اپنے بچے کو کڑوی دوا بھی پلاتی ہے اور کھانے سے پرہیز بھی کراتی ہے؟ پھر تم نے مخلوق سے ہمدردی کا ٹھیکہ کس منہ سے لیا؟

سادساً اللہ خود بھی ظلم نہیں کرتا اور ظالموں سے بدلہ دلوانے کے لیے اس نے قیامت کا دن بچا کے (Reserve) رکھا ہوا ہے۔ ملحدین نے دنیا کی مختصر سی زندگی کی عارضی تکالیف پر نظر رکھنے کی بجائے اگر آخرت کو مان کر اس کے لامتناہی اور ابدی نظام کو سمجھ لیا ہوتا تو یہ سوال ہی نہ کرتے۔ تم نے یہ سوال ہی اس وجہ سے اٹھایا ہے کہ تمہارے نزدیک بس دنیا ہی دنیا ہے۔ اسی کو

بِنَاءُ الۡفَاسِدِ عَلَى الۡفَاسِدِ کہتے ہیں یعنی ایک غلطی کی بنا پر دوسری غلطی۔

سابعاً حدیث شریف میں ہے کہ:

يَوَدُّ أَهۡلُ الۡعَافِيَةِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ حِيۡنَ يُعۡطٰى أَهۡلُ الۡبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوۡ أَنَّ جُلُوۡدَهُمۡ كَانَتۡ قُرِضَتۡ فِي الدُّنۡيَا بِالۡمَقَارِيۡض یعنی سکھی لوگ قیامت کے دن جب دکھیوں کو ثواب ملتا ہوا دیکھیں گے تو یہ خواہش کریں گے کہ کاش ان کے جسم دنیا میں قینچیوں کے ساتھ چیرے گئے ہوتے (ترمذی حدیث:۲۴۰۲)۔

ثامناً یہ گزارش کر دینا بھی مناسب ہے کہ 70 ماؤں والی بات ہم نے کسی حدیث میں نہیں پڑھی؟ البتہ اللہ کی اپنی مخلوق سے محبت کا ذکر ضرور ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرا شکر ادا کرو۔ تو کیا اللہ تعالیٰ خوشامد پسند ہے جو اپنی تعریفیں کرواتا رہتا ہے؟

جواب: آپکو اتنا بھی علم نہیں کہ شکر، خوشامد اور تعریف میں کیا فرق ہے۔ یہ تینوں لفظ جدا جدا معنی رکھتے ہیں اور شخصیت بدل جانے سے ان کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے۔ تم ہی بتاؤ جب تم کسی پانی پلانے والے آدمی کا شکریہ ادا کرو تو کیا یہ خوشامد کہلائے گا؟ اور جب تم کسی ایم این اے کے استقبال میں سو گھوڑے اور ڈھول لے کر جاؤ گے تو کیا یہ شکریہ کہلائے گا؟

ثانیاً تم نے پھر وہی غلطی کر دی کہ اللہ کریم کو اپنی نفسانیت پر قیاس کر لیا۔

ثالثاً عاجزی اور حمد کرنا بندے کا فرض ہے، تکبر کرنا اور تعریف کروانا معبود کا حق ہے۔ کچھ کام ماں باپ کو زیب دیتے ہیں، مگر اولاد کو زیب نہیں دیتے اور کچھ کام اولاد کی شان کے لائق ہیں اور ماں باپ کو زیب نہیں دیتے۔ ملحدین نے تو اللہ اور بندے میں اتنا فرق بھی نہیں سمجھا جتنا باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے۔

رابعاً الفاظ کے ساتھ شکر ادا کرنا اچھی بات ہے مگر شکر کی گہرائی یہ ہے اور اس کا حق یوں ادا ہوتا ہے کہ: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: آپ کے شکر کا حق کیسے ادا ہو؟ اللہ کریم نے فرمایا: جب تم نعمت کو میری طرف سے سمجھو تو یہی شکر کا حق ہے اِذَا رَأَيۡتَ النِّعۡمَةَ مِنِّيۡ فَذٰلِكَ حَقُّ الشُّكۡرِ (الوصیہ للشیخ الاکبر صفحہ ۲)۔

ملحدین کو مان لینا چاہیے کہ اللہ کا شکر صحیح معنی میں کیا جائے تو خوشامد تو دور کی بات ہے یہ اللہ سے حضوری کا ذریعہ ہے۔ مگر جس کی اصل ثابت نہیں اسے وصل کی کیا خبر؟

سوال: دنیا میں قتل و غارت کا بازار کیوں گرم ہے؟ اللہ بہت سے لوگوں کو جہنم میں کیوں ڈالے گا حالانکہ یہ بے چارے جس ماحول میں پلے اسی ماحول سے اثر لیا، ان کا کیا قصور؟

جواب: ملحدین کے مذکورہ بالا سوال میں ان کی سوچ کے کئی سقم جھلک رہے ہیں۔ اولاً ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو حکیم اور علیم نہیں جانا۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ کے اس اصول کو نہیں سمجھا کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ کڑوی دوا کے بعد شفاء ہے۔ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

ثالثاً ملحدین نے آخرت کے تصور پر یقین نہیں رکھا۔ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور جب یہ گزر جاتی ہے پلک جھپکنے کا عرصہ محسوس ہوتی ہے اور خصوصاً ختم نہ ہونے والی اخروی زندگی کے سامنے اس کی کوئی طوالت نہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ یعنی دنیا محض دھوکے کی دولت ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا

فریب سود و زیاں لا الہ الا اللہ

رابعاً دنیا میں قتل و غارت اور آخرت میں سزا آپ کو نظر آ گئی مگر دنیا میں اکثر لوگوں کی عیش و عشرت اور آخرت کے انعامات نظر کیوں نہیں آئے۔

خامساً آخرت کے تو تم منکر ہو مگر دنیا میں قتل و غارت کا سوال صرف مسلمانوں پر کیوں؟ خود تم پر کیوں نہیں؟ بتاؤ یہ قتل و غارت کیا ہے؟ اس کا بدلہ کون لے گا؟ کب لے گا؟ جو مجرم اپنے جرم میں کامیاب ہو کر مر جاتے ہیں اور دنیا کی کچہریوں میں جھوٹ بول کر اور رشوت دے کر بچ نکلتے ہیں انہیں کون سزا دے گا، کب دے گا، کہاں دے گا؟ مظلوموں کو کون اجر دے گا، کب دے گا، کہاں دے گا؟ مان جاؤ کہ اصل فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ آخرت کے عقیدے سے کیسے جان چھڑاؤ گے؟ بدعقیدگی کا خول اگر اترتا ہے تو اترنے دو۔ اس بے چارے پر زبردستی مت کرو۔ اللہ اور آخرت کو مان جاؤ، اسی لیے قرآن بار بار اللہ اور آخرت کا ذکر اکٹھا کرتا ہے:

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ (البقرۃ :۶۲،۱۷۷)۔مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ (البقرۃ :۲۳۲)۔وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ (النساء:۱۶۲)۔

راقم الحروف کی ملاقات تقریباً ۱۹۸۸ میں شورکوٹ کینٹ میں گلاب نامی آدمی سے ہوئی، اس نے بتایا کہ وہ اپنی ماں کا ایک ہی بیٹا تھا اور بیمار ہوکر فوت ہوگیا۔اس کی ماں نے اعلان کیے بغیر وہیں پر مصلیٰ بچھا کر اللہ کی بارگاہ میں فریاد شروع کردی، گلاب نے بتایا کہ اس کی روح کو دو قسم کے فرشتے آسمان پر لیجانے کے لیے آپس میں جھگڑے اور بالآخر جنت والے فرشتے اسے لے کر چڑھ گئے مگر ماں کی دعا قبول ہوئی تو اس کی روح کو واپس جسم میں لوٹا دیا گیا۔

تقریباً یہی واقعہ راقم الحروف کے سگے بھانجے سیف علی کے ساتھ پیش آیا جو آج بھی زندہ ہے۔راقم نے ۱۰۰ فیصد اسی طرح کا واقعہ اپنے ایک پیر بھائی عبدالرحمن کی زبانی سنا جوان کا ذاتی واقعہ تھا۔ادھر فقیر نے قرآن میں پڑھ رکھا تھا کہ جب انسان مرتا ہے تو فرشتوں کی دو ٹولیاں آپس میں بحث کرتی ہیں کہ اسے کون لے کر چڑھے وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ (الدھر:۲۶ تا ۲۹)۔

مگر انکار کی قسم کھائے بیٹھے منکر پر ان باتوں کا کیا اثر؟ چلیے ایک سائنسدان کی زبانی سنیے۔۱۹۷ میں امریکی سائنسدان ریمنڈ موڈی (Remond Moody) نے ۱۵۰ آدمیوں کا انٹرویو لیا جو مرکر زندہ ہوئے تھے۔اکثر کا بیان یہی تھا کہ ہم سب کچھ دیکھ رہے تھے، دو اجنبی آئے اور ہمیں اوپر لے گئے اور ہمیں اپنی مرضی کے بغیر اوپر جانا پڑا (تلاشِ حقیقت باب 6.1، مصنف اٹانک سائنٹسٹ انجینئر سلطان بشیر محمود صاحب)۔

☆......☆......☆

قرآن پر اعتراضات اور انکے جوابات

سوال نمبر ا: قرآن نے آسمان کا ذکر کیا ہے۔آسمان کیا ہے؟ سائنس تو کہتی ہے کہ آسمان محض آکسیجن گیس پر سورج کی شعائیں پڑنے سے نیلا نظر آتا ہے۔

جواب: قرآن خود اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دیتا ہے کہ: ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ یعنی پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا (حم السجدۃ:۱۱)۔

اب بتایئے جب سائنس نے آسمان کو گیس قرار دیا تو ملحدین فوراً سائنس کے سامنے لیٹ گئے لیکن جب قرآن چودہ سو سال پہلے آسمان کو دھواں قرار دے چکا تو فوراً بدعقیدگی کا خول رکاوٹ بن گیا۔اے عزیز! اگر آپ میں معمولی بھی شرافت اور انصاف کی رمق موجود ہے تو قرآن کے سامنے ہتھیار ڈال دو اور اس پر ایمان لے آوٴ۔قرآن کے اس طمانچے کی تاب کوئی نہیں لا سکتا سوائے کسی تنخواہ دار منکر اور ذھنی بدمعاش کے۔

ثانیاً غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمت اللہ علیہ نے اس موضوع پر مکمل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے قرآن اور آسمان (مقالاتِ کاظمی جلد ا صفحہ ۴۰۵)۔ گویا آپ کی خرافات کے جوابات پہلے دیے جا چکے ہیں۔

ثالثاً جب قرآن نے سائنس سے پہلے انکشاف کر دیا تو معلوم ہوا کہ قرآن سائنس کا محتاج نہیں، بلکہ بہت ایڈوانس کتاب ہے۔اب تو چاہیے کہ سائنس کو قرآن کے تابع کر دیا جائے اور قرآن پر اس طرح ایمان رکھا جائے کہ جب تک سائنس قرآن کے خلاف بولے سائنس پر فی الحال اعتماد نہ کیا جائے بلکہ اس پر مزید تحقیق جاری رکھی جائے حتیٰ کہ قرآن کے عین مطابق ہو جائے۔

سوال: اگر قرآن کے مقابلے پر کوئی عربی عبارت بنا کر لے آئے تو آپ اسے کس اصول سے غیر معیاری عربی قرار دیں گے؟

جواب: قرآن بہت سی وجوہ سے دنیا پر اور دیگر آسمانی کتب پر اپنی فوقیت ثابت کر چکا ہے۔

(ا)۔جدید اسلوب

(الف)۔عرب کے لوگ بلاغت کے میدان میں قصائد، خطبے، رسائل اور محاورات

ان چار اسالیب سے واقف تھے۔ آج بھی کتابوں کے مصنفین اپنی کتب کو ابواب اور فصول پر تقسیم کرتے ہیں، یا موضوعات پر تقسیم کرتے ہیں، یا مکتوبات کی شکل دیتے ہیں، یا ملفوظات مرتب کرتے ہیں، یا کلیات کا نام دیتے ہیں، یا فتاویٰ جات جمع کرتے ہیں، یا دیوان کا نام دیتے ہیں یا دفتر سے موسوم کرتے ہیں، یا بیاض مرتب کرتے ہیں۔

قرآن کا اسلوب اُس وقت عرب کے مروجہ تمام اسالیب سے مختلف تھا اور آج تک مختلف ہے۔ امی ہونے کے باوجود ہمارے نبی کریم ﷺ کا یکا یک جدید اور زبردست اسلوب پیش کرنا حیران کن معجزہ ہے۔

لیکن قرآنِ مجید سورتوں پر منقسم ہے اور سورتیں آیتوں پر مبنی ہیں، سورت فاتحہ دیباچہ کے طور پر سب سے پہلے رکھی گئی ہے جو پورے قرآن کا خلاصہ ہے، پھر بڑی اور پھر چھوٹی سورتیں رکھی گئی ہیں۔ مضامین کے اعتبار سے تقسیم نہیں رکھی گئی تاکہ تمام تر قرآنی تعلیمات پر عمل کا راستہ کھلے اور حذف وانتخاب مشکل ہو جائے اور اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً کی بنیاد قرآن کے اندر سے ہی میسر آ جائے، اور یہ بھی کہ قرآن اپنے اصل موضوع یعنی توحید اور آخرت کی طرف بار بار پلٹے۔ اسی لیے قرآن میں یکا یک اِنَّ اللہ کے الفاظ آ جاتے ہیں۔ زمانہِ جاہلیت کی رسوم وعادات کو آہستہ آہستہ ختم کرنے اور اسلامی احکام کو آہستہ آہستہ نافذ کرنے کیلئے بھی ابواب بندی کی بجائے یہی اسلوب مناسب ترین تھا۔ آنکھیں بند کر کے اپنے ضمیر کے سامنے حاضر ہو کر سوچو گے تو مان جاؤ گے کہ: اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

سمجھانے کے لیے عرض ہے کہ قرآن کا یہ اسلوب اور طرزِ بیان مکتوبات، خطابات وملفوظات کی طرز کے قریب ہے لیکن اپنے دور سے لے کر آج تک اپنی جدت میں ممتاز اور منفرد ہے۔ آج کل قرآن کا مقابلہ کرنے کے لیے وہی اسلوب اور طرز اختیار کرنا محض سرقہ ہوگا۔ بلکہ مقابلے کرنے والے پر لازم ہے نیا حیران کن اسلوب پیدا کرے۔

(ب)۔ قرآن کا انداز ایسا امتیازی ہے کہ کوئی انسان وہ انداز اپنا ہی نہیں سکا تھا اور آج بھی جو اپنائے گا وہ قرآن کا نقال اور سارق ہی ہوگا، جیسے:

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ انۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ یعنی

فرمادیں، زمین میں سیر کرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ (الانعام:۱۱)۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ یعنی کتنے ہی جاندار زمین پر چلنے والے ہیں جو اپنا رزق اپنے ساتھ نہیں اٹھائے پھرتے، اللہ انہیں رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی دیتا ہے اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے (العنکبوت:۶۰)۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ یعنی ہر جان نے موت کو ضرور چکھنا ہے اور ہم تمہیں آزمانے کے لیے بری اور اچھی حالت میں مبتلاء کرتے ہیں، اور سب ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے (الانبیاء:۳۵)۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ یعنی احسان اس لیے نہ کر کہ جواباً بہت کچھ ملے گا (المدثر:۶)۔

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا یعنی بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے (الانشراح:۶)۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ یعنی انسان کو چاہیے کہ غور کرے وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو کمر اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے (الطارق:۵،۶،۷)۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ یعنی اور بے شک چوپایوں میں تمہارے لیے مقامِ غور ہے، ہم تمہیں وہ چیز پلاتے ہیں، جو اُن کے پیٹ میں گوبر اور خون کے درمیان سے پینے والوں کے لیے خالص خوشگوار دودھ بن کر نکلتی ہے (النحل:۶۶)۔

قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ (سورۃ ق:۱ تا ۴)۔

مفہوم: قسم ہے شان والے قرآن کی، منکرین کے پاس انکار کی اور کوئی وجہ نہیں بلکہ انہیں تعجب اس بات پر ہوا ہے کہ انہی میں سے اللہ کا خوف دلانے والا ان کے پاس آ گیا تو یہ کافر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہے، کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو پھر زندہ ہوں گے؟ یہ

لوٹنا تو سمجھ سے بالاتر ہے، بے شک ہم جانتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد زمین انکے جسم کو کھا کر کتنا نقصان کردے گی اور ہمارے پاس تحریری ریکارڈ موجود ہے جس میں ہر باریکی درج ہے۔

(ج)۔اس جدتِ اسلوب کا ایک زبردست پہلو یہ بھی ہے کہ قرآن کے چیلنج بالکل نا گہانی، بدیعی اور حیران کن ہیں، قرآن نے اپنا آئیڈیا کسی سے چوری نہیں کیا، مثلاً:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ یعنی بے شک اس سے پہلے میں تمہارے اندر ایک عمر گزار چکا ہوں کیا تم سمجھتے نہیں (یونس:۱۶)۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یعنی اور اگر تم لوگوں کو اس میں شک جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورۃ بنا کر لے آؤ اور اللہ کے مقابلے پر اپنے گواہوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو (البقرہ:۲۳)۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا یعنی تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں کثرت سے اختلاف پاتے (النساء:۸۲)۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ یعنی اور اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست اس وقت ضرور شک کرتے (العنکبوت:۴۸)۔

(۲)۔معنی خیز الفاظ

قرآن کے ایک ایک لفظ میں اتنی گہرائی ہے کہ انسان عش عش کر اٹھے۔اس کی کئی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں، مزید دیکھیے! وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ یعنی تمہارے لیے قتل کا بدلہ قتل میں زندگی ہے (البقرہ:۱۷۹)۔

اس آیت میں قصاص کو حیات کہہ کر اسلامی قانون کے حکیمانہ نتائج کو صرف ایک لفظ میں سمو دیا گیا ہے۔صرف الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کے دس حروف میں معانی کا سمندر ہے۔اس سے

اگلے الفاظ یہ ہیں: یَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔

اسی طرح فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ یعنی دھڑلّے سے بولیے جو آپ کو حکم دیا جاتا ہے (الحجر: ۹۴) ان الفاظ کی فصاحت پر غور کرو، یہ الفاظ ایک اعرابی نے سنے تو ان کی فصاحت کے سامنے سجدے میں پڑ گیا (المواہب الدنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۰۸)۔

اصمعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک بچی کو نہایت فصیح و بلیغ رباعی پڑھتے ہوئے سنا تو کہا کہ تم بڑی فصیح ہو! اس نے جواب دیا اللہ کے اس کلام کے سامنے میری فصاحت کیا چیز ہے: وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ (القصص: ۷)۔ اس ایک آیت میں دو امر، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں بیک وقت موجود ہیں (المواہب اللدنیہ ۲/ ۵۰۹)۔

(۳)۔ الفاظ کی روانی اور چاشنی

قرآن کو پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعرانہ کلام بھی نہیں مگر الفاظ کی روانی اور بے شمار آیات کے ہم ردیف ہونے کی وجہ سے اشعار سے بھی اعلیٰ چاشنی رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات ردیف مختلف ہے مگر موزونیت اور یک صوتیت بڑی زبردست ہے۔ قرآن کا یہ انداز سورۃ فاتحہ سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور وَالنَّاس تک جاری رہتا ہے۔

ان سارے جزیل اور منفرد کمالات کے ساتھ ساتھ ایسی لفظی موزونیت کمال بالائے کمال ہے کہ اس پر شاعری کا دھبہ بھی نہ لگے اور کوئی شاعر یہاں پہنچ بھی نہ پائے۔

قرآن بالکل سادہ اور عام فہم استدلال کرتا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ وضاحت کے دریا بہا دیتا ہے۔ مثلاً: اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وِاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ کیا یہ لوگ اُونٹ کو نہیں دیکھتے یہ کیسے خلق کیا گیا ہے اور آسمان کی طرف کہ اسے کیسے اُٹھایا گیا ہے اور پہاڑ کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے (الغاشیہ: ۱۷ تا ۲۰)۔

اس آیت میں استعمال ہونیوالے الفاظ اَلْاِبِل، اَلسَّمَآء، اَلْجِبَال اور اَلْاَرْض کو

بغور دیکھیے اور پھر انکے حق میں بالترتیب خُلِقَتْ، رُفِعَتْ، نُصِبَتْ، اور سُطِحَتْ کے الفاظ معنویت، سادگی اور وزن کے لحاظ سے پرکھ لیجیے۔ انصاف سے کام لیا تو تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہے گا۔

(۴)۔متوکلین اور صابرین سے وعدے

قرآن میں کئی قسم کے لوگوں سے وعدے مذکور ہیں جو صحیح صحیح وفا کیے گئے مثلاً:

وَمَنۡ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ وَمَنۡ يَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمۡرِهٖ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيۡءٍ قَدۡرًا (الطلاق:۲،۳)۔

مفہوم: جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے راستہ بنائے گا اور اسے رزق وہاں سے دے گا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتا، اور جو اللہ پر توکل کریگا تو پھر وہ اسکے لیے کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے امر کو پورا کرنے والا ہے، بلا شبہ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک مقدار مقرر کر رکھی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِينَ عَلَى الۡقِتَالِ إِنۡ يَكُنۡ مِنۡكُمۡ عِشۡرُوۡنَ صَابِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ وَإِنۡ يَكُنۡ مِنۡكُمۡ مِائَةٌ يَغۡلِبُوۡا أَلۡفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَا يَفۡقَهُوۡنَ (الانفال:۶۵)۔

مفہوم: اے نبی مومنوں کو جنگ کی ترغیب دیجیے، اگر تم میں سے بیس صابر ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے، اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ کافروں کے ایک ہزار پر غالب ہوں گے اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کی معرفت اور آخرت پر یقین سے نابلد ہیں۔

(۵)۔غیب کی خبریں

قرآن نے غیب کی بے شمار خبریں دی ہیں۔ مثلاً: فرمایا کہ چند سالوں میں رومی، ایرانیوں پر غالب آئیں گے وَهُمۡ مِنۡ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ فِيۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ (الروم:۳)۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صرف نو سال بعد رومیوں نے ایران پر فتح حاصل کر لی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِي الۡأَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِي

ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (النور:۵۵)۔

مفہوم: تم میں سے جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ ضرور بر ضرور انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا، اور ضرور بر ضرور ان کے لیے ان کے دین کو تمکین دے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے، اور ضرور بر ضرور انہیں خوف کے بعد امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے، اس کے بعد جو اس حقیقت کا انکار کرے گا تو وہی لوگ منکر ہوں گے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا (الفتح:۲۷)۔

مفہوم: بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب حق کے ساتھ دکھایا، جب اللہ نے چاہا تم ضرور بر ضرور مسجدِ حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوگے، اپنے سر منڈاتے ہوئے اور کچھ لوگ اپنے بال کترواتے ہوئے، تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا، تو اللہ اس میں وہ مصلحت جانتا ہے جسے تم نہیں جانتے اور اس سے پہلے تمہیں ایسی فتح مقدر فرمادی جو قریب ہے۔

اور فرمایا: یہودی کبھی موت کی تمنا نہیں کرسکیں گے وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا (البقرہ:۹۵)۔ نیز فرمایا: منافقین دل میں سوچتے ہیں کہ اگر یہ نبی سچا ہے تو ہماری منافقت پر آگاہ ہوکر ہمیں اللہ کی طرف سے عذاب کیوں نہیں دلواتا يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (المجادلہ:۸)۔

اسی لیے فرمایا: تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ یعنی اے محبوب یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی کررہے ہیں (ھود:۴۹)۔

(۶)۔ تاریخِ امم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امّی ہونے کے باوجود قرآن نے سابقہ امتوں کے حالات تفصیل

سے بیان کیے ہیں۔ مثلاً قصہ عاد وثمود، واقعات سیّدنا موسیٰ علیہ السلام و یہود، سکندر ذوالقرنین کا قصہ، حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام وفرعون کا قصہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا قصہ، حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا قصہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی حقیقت، آپ کی والدہ ماجدہ کی پاک دامنی اور ساری زندگی کے حالات ومعجزات وغیرہ۔

(۷)۔صوتی اثرات

قرآن کا کسی کی سمجھ میں آنا یا نہ آنا ایک الگ بات ہے۔ اسکے لہجے اور آواز میں ہی ایسی تاثیر ہے کہ سننے والے کے کانوں میں رس گھول دیتا ہے۔ چنانچہ نمازِ مغرب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیات پڑھی ہیں۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ (الطور:۳۵تا۳۷)۔

حضرت مطعم بن جبیر رضی اللہ عنہ نے یہ آیات سنیں تو دل پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

اسی طرح سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی ہمشیرہ سے یہ آیات سنیں تو ایمان لے آئے۔طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى (طٰهٰ: ۱)۔

جنات نے جب قرآن سنا تو کہہ اٹھے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یعنی ہم نے عجیب قرآن سنا ہے(الجن:۱)۔

اگر قرآن کی آیات اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا پڑھیں تو معنی سمجھ میں آئے نہ آئے اتنا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ میں لرزہ اور تھرتھری پائی جا رہی ہے، اگر دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا (الفجر:۲۱) پڑھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی چیز کے ٹکڑے ہو رہے ہوں اور اگر سورۃ الناس کو پڑھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی خفیہ کاروائی کی بات ہو رہی ہو اور سرگوشیاں جاری ہوں۔

(۸)۔تمام علوم کا جامع قرآن

قرآن میں تمام علوم جمع کر دیے گئے ہیں۔ سیاست، معیشت، طب، جغرافیہ، سائنس، ریاضی، اخلاق، معاشرت وغیرہ پر بنیادی بحث ملتی ہے۔اس رسالے میں بہت سی باتیں جابجا پڑھ رہے ہو اور سائنس کی ایک مثال اس سے پہلے آسمان کے دھواں ہونے کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے لیے عبادات مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔حلال اور حرام کی تفصیل۔اخلاقی اور روحانی تعلیمات سے قرآن لبریز ہے۔

(۹)۔معنوی وسعت اور تنوّع

قرآن کی ایک ایک آیت کی شریعت، طریقت اور معرفت وغیرہ کے لحاظ سے کئی کئی تفاسیر ہیں اور اس کی آیات ہر پہلو سے الگ روشنی دیتی ہیں۔قرآن کی بعض تفاسیر ہی شرعی احکام کے حوالے سے لکھی گئی ہیں مثلاً احکام القرآن از ابوبکر جصاص، بعض تفاسیر طریقت کے حوالے سے لکھی گئی ہیں مثلاً تفسیر قشیری، بعض تفاسیر صرف آثار کی روشنی میں لکھی گئی ہیں مثلاً تفسیر ابنِ جریر، بعض تفاسیر مذاہب باطلہ کا رد کرنے کے حوالے سے لکھی گئی ہیں جیسے تفسیر فتح المنان، بعض تفاسیر میں سائنسی اور عقلی پہلو غالب ہے جیسے تفسیر کبیر، بعض تفاسیر ہر موضوع پر بحث کرتی ہیں مثلاً روح المعانی اور بعض تفاسیر درسی ہیں جیسے تفسیر مدارک اور جلالین۔

سورۃ الکوثر جو قرآن کی سب سے چھوٹی سورۃ ہے اسی میں اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ کے الفاظ پر غور کرو، الکوثر کے معانی کی وسعت، حوضِ کوثر سے لے کر کثرت اولاد تک اور کثرتِ امت تک غور کرو، غیب کی خبروں کے دریا لہرا رہے ہیں، ولید بن مغیرہ صاحبِ مال اور صاحب اولاد تھا۔مگر اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ کے نزول کے بعد اس کا مال بھی گیا اور اولاد بھی مر گئی اور اس کی نسل منقطع ہو گئی۔فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ میں دنیا کے اندر رہتے ہوئے اپنے رب سے اقرب ترین تعلق کی لائن بتائی گئی ہے۔فَصَلِّ میں نماز کی اقسام کی وسعت لِرَبِّكَ میں اخلاص کی انتہا اور وَانۡحَرۡ میں محب و محبوب کے درمیان آنے والے حجاب کو پلٹ دینے کے اسباق کو ایک قلبِ بینا ہی سمجھ سکتا ہے۔

(۱۰)۔سدا بہار قرآن

قرآن کو بار بار پڑھنے سے کسی کا دل نہیں اُکتاتا۔علماء اس سے ہر دور کی ضرورت کے مطابق علم کشید کر سکتے ہیں،اور اسکے عجائب ہر دور میں سامنے آتے رہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:لَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَآءُ وَلَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ یعنی قرآن سے علماء کا دل نہیں بھرے گا۔بار بار پڑھنے سے کوئی نہیں اُکتائے گا اسکے عجائب ہمیشہ سامنے آتے رہیں گے(ترمذی:۲۹۰۶،دارمی:۳۳۳۲)۔

(۱۱)۔فیضان القرآن

قرآن کے فیوض اور برکات پر مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں، ہر ہر سورۃ اور ہر ہر آیت کا اپنا اثر ہے۔مثلاً سورۃ فاتحہ ہر بیماری کا علاج ہے،سورۃ بقرہ شیطان کے خلاف قلعہ ہے، آیاتِ شفاء میں شفاء ہے،سورۃ ن والقلم کی آخری دو آیات نظر بد کا علاج ہیں،معوذتین جادو کا علاج ہیں،صرف سمجھانے کے لیے یہ چند مثالیں ہیں۔

پھر قرآن میں ایک انجانی کشش ہر کوئی محسوس کرتا ہے،اس کی تجوید کی اپنی ہی لذت ہے، سمجھ کر پڑھنے والے کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں ، بچے اسے پڑھتے وقت جھومتے ہیں حالانکہ اللہ کی قسم ہم اپنے بچوں کو قرآن پڑھتے وقت جھومنے کا حکم نہیں دیتے۔

صرف عربی لکھ دینا آسان ہے مگر قرآن کے معیار کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔یہ ہیں وہ اصول جن سے ہم قرآن کے مقابلے میں آنے والی عربی کو غیر معیاری قرار دے سکتے ہیں۔

(۱۲)۔تم بھی مان جاؤ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت اُنَیس رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی ابوذر سے کہا کہ: میں مکہ میں تیرے دین والے آدمی سے ملا جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، حضرت ابوذر نے پوچھا: مخالف لوگ کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا مخالف لوگ اسے شاعر، کاہن اور ساحر کہتے ہیں۔انیس خود بھی ایک شاعر تھے،انیس نے کہا: میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے،اس کا

کلام کاہنوں کا کلام نہیں ہے، میں نے اس کا کلام شاعری کی مختلف انواع اور بحور کے قاعدے سے پرکھا تو وہ شاعری بھی ثابت نہ ہوا، اللہ کی قسم وہ سچا ہے اور اس کے مخالفین جھوٹے ہیں (مسلم حدیث: ۶۳۵۹)۔

اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کے سامنے حٰمٓ فُصِّلَتْ کی تلاوت فرمائی تو عتبہ نے اقرار واعتراف کرلیا کہ قرآن نہ جادو ہے اور نہ شاعری، ایسا فصیح وبلیغ کلام پہلے کبھی نہیں سنا (مسند ابی یعلی حدیث: ۱۸۱۸، دلائل النبوۃ للبیہقی حدیث: ۵۱۹)۔

مزید تسلی کیلیے سنو! مسیلمہ کذاب نے قرآن کی مثل چند جملے لکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے کہا: اَلْفِيْلُ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْفِيْلُ، لَهٗ ذَنَبٌ وَثِيْلٌ وَخُرْطُوْمٌ طَوِيْلٌ۔ یعنی ہاتھی تمہیں کیا خبر کیا ہے ہاتھی، اس کی ایک کمزور دُم ہے اور لمبی سونڈ ہے (الاقتصاد از امام غزالی صفحہ ۱۲۸)۔

دیکھو لوملحدین کے دوست اپنا سارا زور لگا چکے۔ ہاتھی کو بچے بھی جانتے ہیں مگر مسیلمہ کہتا ہے: تمہیں کیا خبر کیا ہے ہاتھی۔ مگر شاید ہاتھی کے بارے میں کوئی نئی خبر دیتا! دنیا کے علم میں اضافہ یوں کیا کہ: اس کی ایک کمزور دُم ہے اور لمبی سونڈ ہے۔

قرآن کی جس سورت کے مقابلے میں مسیلمہ نے جہالت کے دریا بہائے وہ سورت یہ ہے، الفاظ بھی پڑھو اور ترجمہ بھی دیکھو! بدعقیدگی کا خول اگر اتر گیا تو انشاء اللہ جھوم جاؤ گے:

اَلْقَارِعَةُ۔ مَا الْقَارِعَةُ۔ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ۔ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ۔ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ۔ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ۔ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ۔ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ۔ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ۔ نَارٌ حَامِيَةٌ یعنی دل دہلانے والی۔ کیا ہے وہ دل دہلانے والی اور آپ کیا سمجھے وہ دل دہلانے والی کیا ہے۔ وہ قیامت ہے جس دن سب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے، تو جس کی نیکی کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا۔ اور جس کی نیکی کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ اور آپ کیا سمجھے ہاویہ کیا ہے۔ سخت دہکتی آگ کا بے حد نیچا گڑھا (سورۃ القارعہ)۔

نہ مانوں کی ضد چھوڑ دی ہو تو قرآن کے مقابلے پر بنائی گئی عربی کو غیر معیاری قرار

دینے کا اصول اب تو جناب نے ضرور ہی سمجھ لیا ہوگا۔ اگر تم کہو کہ یہ واقعہ مسلمانوں کی اپنی کتابوں سے لیا گیا ہے تو جواباً گزارش ہے کہ تم لوگ خود چودہ سو سال سے کہاں تھے؟ تم اپنی کسی کتاب سے قرآن کے مقابلے پر بنائی گئی کوئی سورت دکھا دو جس کا جواب مسلمان نہ دے سکے ہوں!

آج میڈیا کے دور میں کسی کے بھی خلاف کوئی بھی شرارت کھڑی کرنا آسان ہے، اس کے باوجود تم نے جو بھی حرکت کی چاروں طرف سے اس کا منہ توڑ جواب آیا اور انشاءاللہ آتا رہے گا۔ اگر تم تین سو صفحات کا کوئی بہتان تیار کرو تو اس کا تفصیلی جواب ایک طرف، ہم بڑا سادہ سا سوال کرتے ہیں کہ بتاؤ تم نے اپنی اس تحریر کو کتنی بار لکھا اور کتنی بار پھاڑا اور کتنے جتن اور مراحل سے گزارنے کے بعد اسے میدان میں اتارا؟ دوسری طرف قرآن ہے جو یکا یک اترتا تھا اور حفظ وتحریر کر لیا جاتا تھا اور اسکے باوجود فصاحت کے دریا بہا رہا ہے۔ ثانیاً تم اپنی ہی اس تحریر کو خود زبانی یاد کر کے دکھا دو، اس حفظ کو برقرار رکھ کے دکھا دو اور پھر اسے قرآن جیسی کثرتِ حفاظ دے کر دکھا دو، انشاءاللہ قدم قدم پر دانت کھٹے ہو جائیں گے۔

اگر کھوپڑی میں دماغ اور نیت میں انصاف موجود ہے تو اس سے بھی بڑی بات پر غور کرو کہ: حفظ کا پہلی بار تصور (آئیڈیا) کہاں سے آیا اور اتنے بڑے کام کا ذمہ لینے کا رِسک کس نے لیا اور یہ اقدام بھلا کس نے سکھایا؟ آج اگر بالفرض کسی دوسری کتاب کا حافظ منت ساجت سے بنا بھی لیا جائے تو اس سسٹم کی اوّلیت کا سہرا ہی اعجازِ قرآن کے لیے کافی ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن حفظ کرنے میں حفاظ کی محنت سے زیادہ قرآن کے اعجاز کا دخل ہے۔

اے دوست! اگر یہ قرآن کسی کو جنگل میں رکھا ہوا مل جائے اور اسے خبر نہ ہو کہ یہ کون سی کتاب ہے تو عقلِ سلیم ہی گواہی دے گی کہ یہ انسان کا کلام نہیں، جبکہ ہمیں تو یہ کلام اس ہستی نے عطا فرمایا ہے جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ صالح اور متقی ہیں، انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور ساتھ چیلنج بھی دیا ہے کہ کوئی اس جیسی ایک سورۃ بنا کر لائے۔

سوال: اور اگر قرآن واقعی فائدہ مند کتاب ہے تو مسلمان اتنے عرصے سے دنیا میں کیوں ذلیل ہو رہے ہیں؟ اگر مسلمانوں کے ذلیل ہونے کا سبب قرآن سے دوری ہے تو قرآن کے منکروں نے قرآن کے بغیر کیسے ترقی کر لی؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمان ذلیل نہیں ہو رہے۔ پوری دنیا میں سب سے زیادہ مطمئن، خوش وخرم، صحت منداور باضمیر صرف مسلمان ہیں حتیٰ کہ موت پر بھی مطمئن ہوتے ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مومن کی شان بھی عجیب ہے اگر اسے راحت پہنچے تو اللہ کی حمد اور شکر کرتا ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچے تو اللہ کی حمد اور صبر کرتا ہے، تو مومن ہر معاملے میں اجر حاصل کر لیتا ہے حتیٰ کہ اپنے منہ میں ایک لقمہ بھی ڈالتا ہے تو اس پر اسے اجر ملتا ہے (مسندِ احمد حدیث: ۱۵۸۰)۔

جبکہ سب سے زیادہ پریشان حال یورپ، امریکہ اور ملحدین ہو رہے ہیں، جنکی زندگی کا کوئی مقصد نہیں، مکمل معلومات نہیں، معاش اور سیکس (Sex) دو ہی ان کی زندگی کے مشن ہیں۔

ثانیاً اگر کسی لحاظ سے مسلمان نقصان اٹھائیں تو اس میں قرآن کا کیا قصور؟ مریض اگر دوا نہ کھائے تو ڈاکٹر یا دوا کا قصور نہیں ہوتا مریض کی اپنی غلطی ہوتی ہے۔

ثالثاً یورپ نے قرآن کی مخالفت کر کے کوئی ترقی نہیں کی۔ ترقی یا زوال کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ترقی کی تعریف سمجھنا پڑے گی۔ بتایئے! کیا لوگوں کو تباہ کرنے کے لیے ہتھیار بنا لینا ترقی ہے؟ کیا انگریزی بول لینا ترقی ہے؟ یہ ان لوگوں کی ترقی ہے یا تم لوگوں کا احساسِ کمتری؟ اور اگر یہی ترقی ہے تو بتاؤ کیا مسلمانوں کے پاس ایٹم بم، طرح طرح کے راکٹ اور میزائل اور JF THUNDER جیسے ذاتی جہاز موجود نہیں؟ اور کیا دوسروں کے دینی پیشواؤں کو گالیاں دینا اور ان کے کارٹون بنانا ترقی ہے؟

رابعاً کیا دنیا میں سب سے زیادہ قحط غیر مسلم ممالک میں نہیں پڑتے؟ سمندری طوفان، زلزلے اور قدرتی تباہیاں سب ملکوں میں نہیں ہوتیں؟

خامساً یہ بھی یاد رکھو کہ تاریخ میں انقلابات آتے رہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ صرف قرآن سے دوری ہی مسلمانوں کی مشکلات کا سبب ہو، کیا تاریخ میں کبھی کوئی اوپر اور کبھی وہی نیچے نہیں ہوتا؟ قرآن سے سنو! وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ یعنی یہ دن لوگوں کے درمیان ہم ادلتے بدلتے رہتے ہیں (آلِ عمران: ۱۴۰)۔

آپ کی سوچ گھٹیا ہونے کے ساتھ ساتھ محدود کیوں ہے؟ اور پوری دنیا کو صدیوں

کے تناظر میں کیوں نہیں دیکھتی؟

سادساًاس کی آپ کے پاس کیا گارنٹی ہے کہ قرآن کے منکروں پر کبھی زوال نہیں آتا اور آئندہ کبھی نہیں آئے گا؟

سوال: قرآن کی کون کون سی آیات سے سائنسی ایجادات کا دروازہ کھلا مثلاً قرآن کی کس آیت سے بجلی تیار کی گئی؟

جواب: قرآن اگراُس زمانے میں ہی بجلی کی پیداوار الیکٹران کے آربٹ، معطی اور محصل (Donar and accepter)،بجلی کا بہاؤ(Current Flow)،کنڈکٹر اورانسولیٹر وغیرہ اور پھراس کے بعد بجلی کے بنیادی آلات(capacitor، resistor، Coil)،آئی سیز وغیرہ کھول کھول کر بیان کردیتا تو چودہ سو سال پہلے کے لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھا۔اور پھر قرآن کا خود سب کچھ تفصیل سے بیان کردینا انسانی دماغ کے لیے تحقیق کی راہ مسدود کردیتا۔لہٰذااللہ کریم نے انسانی ذہن کووسعت دینے اوراسے غوروخوض کرنے کے لیے ابھارا،اورفرمایا:

(۱)۔اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ یعنی عقل والے لوگ وہ ہیں جواللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور پہلو پر لیٹے ہوئے اور آسمانوں اورزمینوں کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔(کہتے ہیں)اے ہمارے رب تونے یہ(سب کچھ)بے کار پیدا نہیں کیا۔تو پاک ہے،پس ہمیں نارِ جہنم کے عذاب سے بچا(آلِ عمران:۱۹۱)۔

اس آیت میں زمین وآسمان کی تخلیق میں غور کرنے کی ترغیب دی گئی ہے،اورقرآن یہ ترغیب دے کراپنے مخالفین کے اعتراضات کی جان نکال چکا ہے۔

(۲)۔وَأَعِدُّوا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ یعنی اور(اے مسلمانو)تیار رکھو ان کے لیے(ہتھیاروں کی)قوت سے جس قدر تم میں استطاعت ہو(الانفال:۶۰)۔

اس آیت میں دشمن کے مقابلے پرہتھیاروں کی تیاری کا کھلا میدان سمجھا دیا گیا ہے، تحقیق کی راہ دکھادی گئی ہے اورسائنسی ایجادات کا راستہ کھول دیا گیا ہے۔

(۳)۔أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی الْأَرْضِ وَالْفُلْکَ تَجْرِی فِی الْبَحْرِ

بِأَمْرِهٖ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهٖ إِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ یعنی (اے مخاطب) کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے زمین کی ہر چیز کو تمہارے فائدے کے لیے مسخر کر دیا اور کشتیوں کو (بھی) کہ وہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہیں اور وہی آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے مگر (یہ کہ) اسی کے حکم سے (گر جائیں) بے شک اللہ لوگوں پر نہایت مہربانی کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے (الحج: ۶۵)۔

اس آیت میں زمین کی ہر چیز انسان کے لیے مسخر بتائی گئی ہے، گویا ہر چیز انسان کی پہنچ (Reach) میں ہے، مگر کاش ملحدین تعصب کی عینک اتار دیں۔

(۴)۔وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ یعنی اور بے شک چوپایوں میں تمہارے لیے مقامِ غور ہے، ہم تمہیں وہ چیز پلاتے ہیں، جو اُن کے پیٹ میں گوبر اور خون کے درمیان سے پینے والوں کے لیے خالص خوشگوار دودھ بن کر نکلتی ہے (النحل: ۶۶)۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جانوروں کا دودھ ان کے گوبر اور خون کے درمیان سے برآمد ہوتا ہے۔ ہے کوئی مائی کا لال جو اسے جھٹلا سکے؟ پھر قرآن یہاں غور کی بھی دعوت دے رہا ہے، مگر بدعقیدگی کا خول اترے گا تو قرآن سمجھ میں آئے گا۔

(۵)۔يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ یعنی اے لوگو! اگر (قیامت کے دن) اٹھائے جانے میں تمہیں شک ہو تو (اس حقیقت کو سامنے رکھ لو کہ) بلاشبہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خونِ بستہ سے پھر گوشت کی بوٹی سے جو پوری شکل والی ہوتی ہے اور ادھوری (بھی) تاکہ ہم (اپنی قدرت کو) تمہارے لیے ظاہر کر دیں اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک

مدتِ مقررہ تک رحموں میں برقرار رکھتے ہیں پھر بچہ بنا کر ہم تمہیں نکالتے ہیں پھر (ہم تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے کچھ لوگ (پہلے ہی) وفات پا جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو نکمی عمر کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں تاکہ وہ جاننے کے بعد (بھی) کچھ نہ جانیں اور (اے مخاطب) تو زمین کو دیکھتا ہے کہ وہ خشک پڑی ہے تو جب ہم نے اس پر پانی اتارا تو وہ تروتازہ ہوگئی اور ابھر آئی اور اس میں ہر قسم کا خوشنما سبزہ اگایا (الحج:۵)۔

اس آیت میں رحمِ مادر میں بچے کی تخلیق کے مراحل بیان کر دیے گئے ہیں۔ سائنس بڑی دیر کے بعد یہاں پہنچی اور ملحدین نے نہ قرآن سیکھا اور نہ جدید سائنس میں کوئی کردار ادا کر سکے، محض دوسروں کی کمائی پر اکڑ رہے ہیں۔

ماں کے رحم میں بچے پر ہر لحہ تبدیلی آ رہی ہوتی ہے۔ اس تبدیلی کو یومیہ، ہفتہ وار اور ماہانہ بنیادوں پر الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر ہفتہ وار دیکھا جائے تو اسے تقریباً ۴۰ مرحلوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ماہانہ اعتبار سے دیکھا جائے تو تقریباً ۹ مراحل پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ بعض ڈاکٹروں نے تین مرحلوں پر اس طرح تقسیم کیا ہے: پہلے دو ہفتے جنہیں وہ "Fertilized ovum" or the "zygote" stage کہتے ہیں۔ اس کے بعد دو ماہ مکمل ہونے کے مرحلہ کو The stage of the "embryo" کہتے ہیں اور اس کے بعد پیدائش تک کے مرحلہ کو Fetal Period کہتے ہیں۔

(General Embryology p:58)۔

قرآن نے بچے میں ہونے والے نمایاں تغیرات کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے اور اس کے چار مراحل بیان کیے ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ نطفہ، عَلَقَہ اور مُضْغَہ غیر مُخَلَّقَہ، مضغہ مخلقہ۔ قرآن اس کی وضاحت دوسرے مقام پر اس طرح کرتا ہے:

بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا، پھر ہم نے اسے مضبوط جائے قرار میں نطفہ بنا کر رکھا، پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا، پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنایا، پھر گوشت کی بوٹی سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا، پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اسے نئی شکل دی، تو بڑی برکت والا ہے اللہ، جو سب سے بہتر بنانے والا ہے، پھر بے شک

تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو، پھر بے شک تم قیامت کے دن ضرور اٹھائے جاؤ گے (المومنون: ۱۲ تا ۱۶)۔

آخر میں منکرین کو براہِ راست خطاب سنیے، فرمایا: تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت ووقار کو نہیں مانتے، حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر بنایا (نوح: ۱۳، ۱۴)۔

(۶)۔لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَرَأَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ یعنی اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب) ضرور تو اسے (اللہ کے لیے) جھکتا ہوا اللہ کے خوف سے پھٹا ہوا دیکھتا۔ اور یہ مثالیں لوگوں کے لیے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں (الحشر: ۲۱)۔

ابھی اس پر تحقیق سائنس کے ذمے باقی ہے کہ پہاڑ کیسے جھکتا ہے اور اللہ کے خوف سے کیسے پھٹتا ہے۔

(۷)۔إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهٗ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا یعنی بے شک ہم نے امانت پیش کی آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر تو وہ اس کے اٹھانے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا، بے شک وہ بڑی زیادتی کرنے والا نادان تھا (الاحزاب: ۷۲)۔

زمین وآسمان کا ڈر جانا کیا ہے؟ ملحدین کی بلا جانے ۔ یہ لوگ اس وقت سمجھیں گے جب ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا (یس: ۶۴)۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان میں جستجو کے جذبے کو چھیڑ کر اسے تحقیق کی راہ پر ڈال دیا ہے۔

ثانیاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا يَنْقَضِي عَجَائِبُهٗ یعنی قرآن کے عجائبات سامنے آتے رہیں گے (ترمذی: ۲۹۰۶)۔

ثالثاً طب کے میدان میں بھی نبی کریم ﷺ کی وسیع تعلیمات موجود ہیں اور لِكُلِّ دَآءٍ دَوَآءٌ ہر مرض کا علاج موجود ہے (مسلم: ۵۷۴۱) فرما کر امت کو تحقیق کا راستہ دکھا دیا ہے اور جستجو کا شوق پیدا کر دیا ہے۔

رابعاً قرآن مجید میں معراج النبی ﷺ کا ذکر پندرہویں پارے اور ستائیسویں پارے میں موجود ہے اور براق اور اس کی تیز رفتاری کا ذکر حدیث میں موجود ہے (بخاری: ۳۸۸۷)۔

یہ لفظ برق سے ہی بنا ہے اور برقی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی گھنٹہ ہے جبکہ براق کی رفتار اتنی زیادہ تھی کہ حدِ نگاہ تک اس کا قدم پڑتا تھا (بخاری: ۳۸۸۷)۔

یہاں سے انسانی ذہن کو وسعت ملی اور براق نے بجلی کی ایجاد کا راستہ ہموار کر دیا۔ بلکہ ابھی تو انسان کے ٹرانسمٹ ہونے اور ریسیو (Receive) ہونے پر بھی تحقیق کی ضرورت ہے۔

خامساً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ یعنی کیا نہ دیکھا کفر کرنے والوں نے کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے تو ہم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا تو کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے؟ (الانبیآء: ۳۰)۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ: زمین اور آسمان آپس میں ایک چیز کی طرح جڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کر دیا اور زمین کو بچھا رہنے دیا (ابن جریر حدیث: ۱۸۵۳۲، قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۹، تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۳۷)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے: وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ یعنی ہم نے آسمان کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور بے شک ہم ہی وسعت دینے والے ہیں (الذٰریات: ۴۷)۔

اس آیت میں آسمان کو وسعت دیے جانے کا ذکر ہے (ابن جریر حدیث: ۲۴۹۲۸، تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۸، بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۴۳۱)۔ موسعون کے اسمِ فاعل ہونے سے راہ نکلتی ہے کہ وسعت کا یہ سلسلہ شاید اب بھی جاری ہو۔

ان آیتوں سے Differenciation کی بنیاد ثابت ہے اور يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا

فَاعِلِینَ یعنی جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے طومار کے کاغذات لپیٹ دیے جاتے ہیں، جیسے ہم نے تخلیق کا آغاز کیا تھا، اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے، ہم پر یہ وعدہ ہے، ہم اسے ضرور پورا کرنے والے ہیں (الانبیآء: ۱۰۴) اس آیت میں In tegeration کی مکمل تصویر موجود ہے۔ اور انٹگریٹڈ سرکٹس (Integerated circuits) تک پہنچنے کا واضح مشن دستیاب ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَھَا وَ مَغَارِبَھَا یعنی اللہ نے میرے لیے زمین سکیڑ دی، تو میں نے اُس کے مشارق اور مغارب دیکھ لیے (مسلم: ۷۲۵۸، ابوداؤد: ۴۲۵۲، ترمذی: ۲۱۷۶، ابن ماجہ: ۳۹۵۲)۔

سائنس نے دنیا کو صرف گلوبل وِلیج کہا ہے جبکہ ہمارے نبی کریم ﷺ اسکے گلوبل پام (Global palm) ہونے کے رُخ پر سوچنے کا عندیہ دے چکے ہیں۔ بلکہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ایک عظیم امتی کا کہنا ہے کہ:

رَأَیْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا
کَخَرْدِلَۃٍ عَلَی الْحُکْمِ ارْتِصَالٖ

ترجمہ: میں نے اللہ کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھا جیسے ہاتھ کی ہتھیلی پر رائی کا دانہ۔

اب اگر قرآن اتنی عظیم تحقیق پیش کرے تو تمہیں بدعقیدگی کا قول کچھ سمجھنے نہیں دیتا لیکن یہی بات اگر سائنس ان الفاظ میں کہہ دے کہ یہ کائنات ایک نکتے سے شروع ہوئی اور واپس نکتے پر ختم ہو جائے گی تو تم فوراً سائنس کے پاؤں پکڑ لیتے ہو۔

سادساً قرآن ہر دور میں انسانی ذہن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ آج کے سائنسی دور میں ایک عیسائی تبصرہ نگار (جو بعد میں مسلمان ہو گیا) لکھتا ہے:

The relationship between the quran and science is a prior a surprise , especially when it turns out to be one of harmony and not of discord.

(The Bible the Quran and Science P.110 by: Maurice Bucaille)

ترجمہ: قرآن اور سائنس میں ایسا زبردست تعلق ہے کہ انسان قرآن کی سائنس سے ہم آہنگی دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

سابعاً تم لوگوں نے کون کون سی سائنسی ایجادات کی ہیں؟ مغرب کے عیسائیوں کا کام تم اپنے کھاتے میں کیسے ڈال سکتے ہو؟

سوال: ہم نے نہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے نہ جبریل کو دیکھا ہے، نہ اللہ کو دیکھا ہے تو پھر قرآن کے واقعی خدا کا کلام ہونے کا ہمارے پاس کیا ثبوت ہے؟

جواب: پچھلے سوال کا جواب آجانے کے بعد آپ کا یہ سوال محض اندھیرے میں تیر پھینکنے کے مترادف ہے۔ چودہ سو سال سے مسلمانوں کا مسلسل قرآن سے تعلق اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اس صداقت کا زندہ ثبوت ہے۔ علم حاصل کرنے کے تین اہم ذرائع میں خبرِ متواتر اور اجماع پر بحث کتاب کے شروع میں گزر چکی ہے۔ بدعقیدگی سے فراغت پا کر وہ بحث دوبارہ دیکھ لیں، انشاءاللہ چاندنی ہو جائے گی۔ نیز چند سطریں پہلے ہم قرآن کی حقانیت کو الگ سے بھی ثابت کر چکے ہیں۔

یہاں سے محقق لوگ سمجھ جائیں، خوفِ خدا رکھنے والے جان لیں اور حق کے متلاشی نوٹ کر لیں کہ دین کی بقاء کا اصل دارومدار ''تواتر اور اجماع'' پر ہے، عقلاً بھی اور نقلاً بھی۔ اور جو اسے اہمیت نہیں دیتا وہ ملحد ہے اور ملحدین کا ایجنٹ ہے خواہ اپنے آپ کو ملحد مانے یا نہ مانے۔

سوال: قرآن شریف میں رجب کے مہینے میں جنگ کرنا منع کیا گیا ہے (المائدہ: ۲)۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب کے مہینے میں اپنے ایک مسلح دستے کو قریش کے ایک تجارتی قافلے کی جاسوسی کرنے کے لیے روانہ کیا حالانکہ اس ماہ میں جنگ منع تھی۔ ان صحابہ کرام نے بھی قانون کو توڑا اور عبداللہ بن جحش نے عمرو حضرمی کو رجب کے مہینے میں ہی قتل کر دیا اور مالِ غنیمت لوٹ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر ناراض ہوئے اور مال غنیمت میں سے حصہ وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر اس موقع پر قرآن کی آیت نازل ہوئی کہ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ یعنی فتنہ قتل سے بھی برا ہے۔ فتنہ سے مراد مسلمان مفسرین کے نزدیک قریشِ مکہ کی سازشیں ہیں جو وہ مسلمانوں کے خلاف گھڑا کرتے تھے۔

اس واقعہ سے پہلے قریشِ مکہ کی جانب سے اہل مدینہ پر کوئی زیادتی نہیں ہوئی تھی جو

اس اقدام کا بہانہ بنتی۔مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی کرنے والے صحابہ کی طرف داری کر دی اور ان کے اس اقدام کو سندِ جواز بذریعہ وحی فراہم کر دی۔عقیدت کے خول سے تھوڑی دیر کے لیے باہر آ کر سوچیں تو قرآن کی اس آیت کا نزول بے جا ثابت ہو جائے گا۔

جواب: (۱)۔ جنگ منع تھی تو مسلح جاسوس کیوں بھیجے؟ آپ کا یہ پہلا جملہ ہی بے ربط ہے۔ رجب کے مہینے میں مسلح ہونا بھی منع نہیں تھا اور جاسوس بھیجنا بھی منع نہیں تھا۔تو پھر رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا رہا؟ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے اس اقدام پر ناراضگی بھی فرمائی اور مالِ غنیمت وصول کرنے سے بھی انکار فرمایا؟ بتایئے! یہ انتہا درجہ کی شرافت ہے کہ نہیں؟ آپ نے ہمیں مشورہ دیا ہے کہ عقیدت کے خول سے باہر آ جایئے۔ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ خود بدعقیدگی کے خول سے باہر آ جایئے۔انشاءاللہ راستہ نظر آنے لگے گا۔

(۲)۔صحابہ کرام نے جب کافروں پر حملہ کر دیا تو وہ جمادی الثانی کی آخری تاریخ سمجھ رہے تھے جبکہ رجب کا چاند چڑھ چکا تھا۔ان کا یہ اقدام غلط فہمی اور بے خبری کی بنا پر تھا۔ آپ نے جن کتابوں سے یہ واقعہ نقل کیا ہے انہی کتابوں کے اندر یہ الفاظ موجود ہیں کہ: لَا نَدْرِیْ اَفِیْ رَجَبٍ اَصَبْنَاهُ اَمْ فِیْ جَمَادِیْ یعنی ہمیں معلوم نہیں کہ ہم نے اس آدمی کو رجب میں قتل کیا ہے یا جمادی میں (بغوی جلد ا صفحہ ۲۰۵)۔وَالْمُسْلِمُوْنَ یَظُنُّوْنَهَا مِنْ جَمَادِیْ (قرطبی جلد ۳ صفحہ ۴۳)۔وَاِنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ کَانُوْا یَظُنُّوْنَ اَنَّ تِلْكَ اللَّیْلَةَ مِنْ جَمَادِیْ (ابن کثیر جلد ا صفحہ ۳۵۵) ان سب عبارتوں کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب اسے جمادی الاول کی آخری تاریخ سمجھ رہے تھے حالانکہ رجب کی یکم ہو چکی تھی۔

اب بتایئے! آپ کا یہ سارا اعتراض محض فراڈ ثابت ہو گیا کہ نہیں۔عقیدت کے خول سے بدعقیدگی کا خول زیادہ خطرناک ثابت ہوا کہ نہیں؟ آپ کے ضمیر نے آپ پر کچھ بھیجا کہ نہیں؟اس وضاحت کے بعد آپ نے توبہ کر لی تو ہم سمجھ جائیں گے کہ آپ مخلص تھے مگر آپ کو غلطی لگی ہوئی تھی۔لیکن اگر آپ اب بھی ڈٹے رہے تو ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ آپ نے واقعی بدعقیدگی کا خول پہن رکھا ہے۔آپ کی نیت صحیح نہیں، آپ اپنے آپ کے ساتھ مخلص نہیں۔آپ تنخواہ دار تخریبی ہیں۔

(۳)۔پہلی بات تو یہ ہے کہ ان صحابہ کرام نے دشمن اسلام کو مارا، دوسری بات یہ ہے کہ غلط فہمی میں مارا، اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ اپنے اس فعل پر شرمندہ بھی تھے۔اصل عربی الفاظ اس طرح ہیں فَعَظُمَ ذٰلِكَ عَلٰٓى اَصْحَابِ السَّرِيَّةِ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا وَ سَقَطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ ۔

ترجمہ: یہ واقعہ اصحابِ سریہ پر گراں گزرا اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ہلاک ہو گئے اور وہ پریشان ہو کر رہ گئے (بغوی جلد ا صفحہ ۲۰۵، ابن کثیر جلد ا صفحہ ۳۵۶) اور چوتھی بات یہ ہے کہ وہ صحابہِ کرام اپنا عذر بھی پیش کر رہے تھے۔تو کیا آج کے جدید دماغ میں اتنی ہی خرابی آ چکی ہے کہ اس قدر معقول عذروں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ناک سزا کا مطالبہ کر رہے ہیں؟ ایسا فیصلہ تو کوئی بھنگ پی کر بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ سے ایسا فیصلہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے؟ ہاں البتہ بدعقیدگی کا خول ایسے کرشمے ضرور دکھا سکتا ہے۔

(۴)۔ملحدین پوچھ رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب کی طرفداری کیوں نہ کی؟ گزارش ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ صحابہ کے اس وفد سے ناراض ہی اللہ کی خاطر ہو رہے تھے۔اور ان کا فیصلہ اللہ کے فیصلے سے علیحدہ کوئی دوسری چیز نہیں تھا۔جس کی خاطر ناراض ہوئے اسی کا فیصلہ آ جانے کے بعد راضی ہو گئے، بات ختم۔آپ جیسے لوگوں کے بارے میں قرآن پہلے ہی فرما چکا ہے کہ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ یعنی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان جدائی ڈالیں (النساء:۱۵۰)۔

(۵)۔ملحدین کہہ رہے ہیں کہ: اس واقعہ سے قبل قریش کی جانب سے کوئی زیادتی اہل مدینہ پر نہیں ہوئی تھی۔جواباً گزارش ہے کہ بدعقیدگی کا خول اتار کر اسی آیت کو دوبارہ پڑھیے جو آپ نے خود پیش کی ہے کہ: وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ یعنی اللہ کی راہ سے روکنا، اور اللہ کا کفر کرنا، اور مسجدِ حرام کا کفر کرنا، اور مسجدِ حرام کے اہلوں کو اس میں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک حرمت والے مہینے میں جنگ سے بھی بڑا جرم ہے اور فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے (البقرۃ:۲۱۷)۔

جناب، اب فرمائیے! قریش نے اس سے پہلے مسلمانوں کو مکہ اور مسجدِ حرام سے نکالا تھا کہ نہیں؟ انہیں اللہ کے راستے سے روکا تھا کہ نہیں؟ اور یہ باتیں خود قرآن نے بیان کی ہیں کہ نہیں؟ اور انہیں رجب میں جنگ کرنے سے بڑا جرم قرار دیا ہے کہ نہیں؟ اور آپ اپنے باغیانہ دماغ سے ہی دوبارہ پوچھ لیجیے! کہیں واقعی فتنہ قتل سے بھی بدتر تو نہیں ہوتا؟ کیا قرآن کا یہ جملہ نہایت معنی خیز اور دور اندیش تو نہیں؟ کہیں اس جملے میں اصلاحِ معاشرہ کی انتہا تو نہیں کر دی گئی؟ سوچ لیجیے، بار بار سوچیے، پھر سوچیے بدعقیدگی کا خول اتار کر سوچیے! انشاءاللہ عقیدت اور محبت اور ایمان کا خول پہننے پر مجبور ہو جاؤ گے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

(٦)۔کافروں پر محض سازش کا الزام لگاتے ہوئے اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ نازل نہیں ہوئی بلکہ مسلمانوں کو تنگ کرنے، آزادیِ مذہب سے روکنے، ہجرت پر مجبور کرنے، حرمِ کعبہ سے نکال دینے اور مسلمانوں کے مال ومتاع، مکان، زمین، رشتہ دار اور گھر کے افراد سب مکہ میں ہی رہ جانے کی وجہ سے کافروں کو فتنہ باز کہا گیا ہے۔ پھر ان ساری زیادتیوں کا بدلہ لینے اور اپنے جگر کے ٹکڑوں سے دوبارہ جا ملنے اور اپنی جاگیروں کو واپس لینے کا مسلمان مکمل حق رکھتے تھے اور اس مقصد کے حصول کے لیے جو بھی پالیسی مناسب سمجھتے اسے اپنا سکتے تھے۔ ملحدین کو چاہیے کہ اپنے دماغ کے اردگرد دیکھیں، بدعقیدگی کے خول کی دھات کے پرخچے اڑ چکے ہیں محض نفسیاتی عذر کا ہیولیٰ باقی رہ گیا ہے۔

جس طرح آپ کے بقول آپ اپنی زندگی کا مقصد خود طے کرتے ہیں، ہم نے دیکھا ہے کہ آپ اسی طرح حقائق کو مسخ بھی اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ کسی کی صحیح صحیح وضاحت کو تسلیم نہیں کرتے، جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ صحیح بات کے ساتھ حسن ظن کو جمع کر کے اسے تسلیم کر لینے کی بجائے، حق کی مخالفت کے ساتھ بدگمانی کو جمع کر کے اپنے طے شدہ مشن کو نبھا رہے ہیں۔ یہ دراصل اسی بدعقیدگی کے خول کے ثمرات ہیں۔

☆......☆......☆

اسلام پر اعتراضات کے جوابات

سوال: جب خطبہ حجۃ الوداع کے مطابق عربی اور عجمی میں کوئی فرق نہیں تو پھر حدیث میں کیوں آیا کہ: اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ خلیفہ صرف قریشی ہی ہوسکتا ہے۔

جواب: اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ کا تعلق اس زمانے کے تناظر سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو تربیت مکہ کے قریشی صحابہ کو دی تھی، جن ابتدائی امتحانات میں سے وہ لوگ گزرے تھے ایسی چھلنی میں سے کوئی دوسرا نہیں گزرا تھا۔ گویا اس حدیث کا تعلق محض قوم اور خاندان سے نہیں بلکہ علم، تربیت اور تجربے سے ہے۔ ورنہ تم ہی بتاؤ! نبی کریم ﷺ نے اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ کیوں فرمایا اور اس کی جگہ اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ بَنِی ھَاشِمٍ کیوں نہیں فرمایا؟ آپ ﷺ نے اپنے خاندان میں خلافت کو محدود کیوں نہ فرمایا۔ بدعقیدگی کا خول اترے گا تو فوراً سمجھ جاؤ گے۔

ثانیاً قرآن وسنت میں علم اور علماء کی فضیلت پر وافر دلائل موجود ہیں، اللہ کریم فرماتا ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوسکتے ہیں؟ (الزمر:۹)۔ تم نے اسلام کے تمام اصولوں کو مدِنظر کیوں نہ رکھا؟

ثالثاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا یعنی اگر تم پر ناک کٹا غلام بھی حکمران بنا دیا جائے جو اللہ کی کتاب کے مطابق تمہارے فیصلے کرے تو اسکی بات سنو اور اس کا کہنا مانو (مسلم: ۴۷۶۲، ترمذی: ۱۷۰۶)۔

سوال: اسلام میں مرتد کی سزا قتل رکھنا بدمعاشی ہے۔ بہت سے لوگ اسلام سے تنگ آ کر اسے چھوڑنا چاہتے ہیں مگر اس سزا کے خوف سے نہیں چھوڑ پاتے۔ اسی طرح جنگِ بدر سے پہلے مسلمانوں کا قریشیوں کے قافلے کو لوٹنا بدمعاشی تھا اور یہی واقعہ جنگِ بدر کا سبب بنا۔

جواب: اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے۔ پوری دنیا کو راہنمائی دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے مذہب کے ہوتے ہوئے دوسرے تمام مذاہب محض فتنہ ہیں۔ اس کے باجود اسلام اپنے آپ کو زبردستی قبول نہیں کرواتا بلکہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا اعلان کرتا ہے۔ جس نے مسلمان ہونا ہے سوچ سمجھ لے اور اپنا ضمیر مطمئن کرلے۔ لیکن اسلام کے اندر داخل ہو جانے کے بعد

اسے چھوڑنا فتنے اور شرارت کو ہوا دیتا ہے۔

ثانیاً بدنیت لوگ خود ہی آج مسلمان اور کل کافر ہو کر یہ تاثر دے سکتے ہیں کہ دیکھو جی ہم نے مسلمان ہو کر دیکھ لیا مگر کچھ نہ ملا۔ اس طرح کی منصوبہ بندی یہودیوں نے کی بھی تھی۔ قرآن میں ان کے الفاظ اس طرح بیان ہوئے ہیں:

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (آل عمران:۷۲)۔

ترجمہ: اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ مسلمانوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے، صبح اس پر ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کردو، شاید یہ اس طرح اپنا دین چھوڑ دیں۔

اب بتاؤ! اسلام میں مرتد کی سزا اسی سازش کا صحیح صحیح توڑ ہے کہ نہیں؟ مرتد کی سزا بدمعاشی ہے یا بدمعاشی کا علاج ہے؟

ثالثاً دوسرے مذاہب کا ضمیر اسلام جیسا مطمئن نہیں لہٰذا وہ ایسا سدِ باب نہ کر سکے۔

رابعاً دوسرے مذاہب کی سوچ میں اتنی وسعت نہیں کیونکہ وہ محدود علاقے یا قوم تک محدود ہیں لہٰذا ان کے پاس اسلام جیسے وسیع اختیارات ہی نہیں ہیں۔

خامساً دوسرے مذاہب کے خلاف اس قدر یہودیانہ سازش نہ ہوئی تھی جس کے سدباب کے لیے انہیں ایسا قانون بنانا پڑتا۔

سادساً یہ بھی یاد رہے کہ ایسی سزا دینا حکومت کا کام ہے نہ کہ عوام کی ذمہ داری۔ مثلاً آپ خود بھی تو مرتد ہیں مگر عوام نے آپ کو قتل نہیں کیا۔ یہ اسلام کے ڈسپلن کا مظاہرہ ہے۔

سابعاً پھر یہ بھی یاد رہے کہ اسلام ہر مرتد کو فوراً قتل نہیں کرتا بلکہ تین دن تک قید میں رکھ کر سوچ بچار کرنے اور دلائل سمجھنے اور سوال جواب کرنے کا موقع دیتا ہے۔ تم نے یہ ساری تفصیل کیوں چھپائی؟ اور اپنی کمزوریوں پر کیوں پردہ ڈالا؟ اور حکمتِ عملی کا نام بدمعاشی رکھنا بذاتِ خود بدمعاشی ہے کہ نہیں؟

ثامناً عورت یا بچہ اگر خدانخواستہ مرتد ہو جائے تو اسلام میں اس کی سزا موت نہیں۔ اس بات پہ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو، تمہیں اسلام کی وسعت اور دوراندیشی کا اندازہ ہو جائے گا۔

تاسعاً آج کی لبرل حکومتیں اپنی ریاست کے غدار کو اور فوجیں اپنے فوجی غدار کو سزائے موت دے دیتی ہیں، الحاد کی زبان وہاں پر دراز کیوں نہیں ہوئی، محض اسلام پر ہی اعتراض کیوں؟

عاشراً تم نے قریشِ مکہ کی طرف سے مسلمانوں پرڈھائے گئے مظالم کوایک طرف رکھ دیا اور سیدھا قریشیوں کے قافلے کے لٹنے پر جا پہنچے۔ بتاؤ تم نے یہ بددیانتی کیوں کی؟ تمہیں مکہ میں مسلمانوں کی دکتی ہوئی جائیدادیں، سسکتی ہوئی خواتین، بلکتے ہوئے بچے اور جنت نظیر گھربار نظر کیوں نہ آئے جنہیں چھوڑ کر بیشمار مظلوم مسلمان مدینے کو سدھارے۔ مسلمان اپنا سب کچھ واپس لینے کا حق محفوظ رکھتے تھے، اور اس کے لیے ہر حکمتِ عملی اور پالیسی اختیار کرنے کے مجاز تھے۔

چند ظالم افراد کا ایک قافلہ جس میں نہ عورتیں تھیں نہ بچے، تمہیں کس جذبے کے تحت اس پر رحم آیا؟ مسلمانوں پر اعتراض کرتے وقت تم نے اکثر حالات کے تناظر اور تاریخی پسِ منظر سے آنکھ چرائی ہے مگر الحمدللہ ابھی غیرتِ مسلم بھی زندہ ہے اور لوگوں میں تمہاری خرافات کو سمجھنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔

سوال: اسلام کا معاشی نظام کیا ہے؟ کیا یہ درست نہیں کہ اسلام نے معاشیات کے حوالے سے صرف زکوٰۃ صدقات خیرات کے نام پر بھیک مانگنے والے پیدا کیے ہیں؟ سوشلزم میں کیا برائی ہے۔ کمیونسٹ کیوں کافر ہیں؟

جواب: پہلے تم بتاؤ تم نے اسلام کے معاشی نظام پر کون کون سی کتاب پڑھی ہے؟ کیا تم نے ابو عبید کی کتاب الاموال، قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج، جدید معاشیات پر امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی کتاب کفل الفقیہ، مفتی غلام سرور قادری علیہ الرحمہ کی کتاب معاشیاتِ اسلام، علامہ غلام رسول صاحب سعیدی علیہ الرحمہ کے مقالات اور شروح، فقیر غلام رسول قاسمی کی کتاب اسلام کا معاشی ضابطہ وغیرہ وغیرہ، اور حدیث کی کتابوں میں مثلاً بخاری شریف میں کتاب البیوع اور مسلم شریف میں بھی کتاب البیوع اور المستند میں کتاب المعیشۃ، فقہ کی کتابوں میں کتاب البیوع اور بینکاری وغیرہ پر مفصل بحث موجود ہے۔ کیا آپ نے ان تمام کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کرلیا ہے؟ اگر مطالعہ کیا ہے تو کیا تمہارے سارے سوالوں

کے جوابات ان کتابوں میں موجود ہیں کہ نہیں؟ ایک ہی سوال کو بار بار دہرانا شرارت ہے کہ نہیں؟ اگر آپ نے ان کتابوں کو نہیں پڑھا تو پھر پڑھے بغیر سوال داغ دینا جہالت ہے کہ نہیں؟

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خرچ میں میانہ روی آدھی معاشیات ہے (شعب الایمان:۶۵۶۸)۔ بتاؤ کیا اس حدیث کا تعلق زکوٰۃ صدقات خیرات اور منگتے بنانے سے ہے؟ یا آدھی معاشیات سے؟

پھر فرمایا: مزدور کی مزدوری اسکا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو (ابن ماجہ: ۲۴۴۳)۔ بتاؤ کیا اس کا تعلق منگتے بنانے سے ہے یا معاشی انصاف سے؟ پھر فرمایا: اللہ خرید و فروخت کی اجازت دیتا ہے اور سود کو حرام قرار دیتا ہے (البقرہ:۲۷۶)۔ بتاؤ اس آیت کا تعلق منگتے بنانے سے ہے یا معاشیات کو وسعت دینے سے؟

معاشیات کا نظام جب یورپ کے معاشی کیڑے بیان کرتے ہیں تو انہیں کئی کئی جلدیں لکھنا پڑتی ہیں، اسی لیے ہم نے کئی اسلامی کتابوں کے نام پہلے دیے ہیں۔ تاہم ہماری چند سطروں سے بھی تمہارے دماغ کی کھڑکیاں کھل گئی ہوں گی۔ اگر نہیں تو کم از کم وہ بھولے لوگ جنہیں تم بیوقوف بنانا چاہتے ہو ضرور سمجھ گئے ہوں گے۔

تم نے سوشلزم اور کمیونزم کی وکالت کی ہے۔ ان کا نظام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کی بجائے کیپیٹل ازم (capitalism) والوں کے سامنے رکھو تا کہ تمہیں ان دونوں طبقوں کی انتہاء پسندی سمجھ آ جائے اور ان کی بجائے اسلام کا اعتدال حلق میں اتر جائے۔

کمیونزم لوگوں کو بے دخل کر دیتا ہے اور ساری عوام کو محض حکومت کا معاشی غلام بنا دیتا ہے اور کیپیٹل ازم امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنا دیتا ہے جب کہ اسلامی معیشت اعتدال کی راہ پر قائم رکھتی ہے۔ کمیونزم کی نحوست سے ہی روس کے ٹکڑے ہوئے اور کیپیٹل ازم کے نتائج امریکہ بھگتنے لگ پڑا ہے، یورو اور ڈالر نے اس کی کمر توڑ دی ہے۔

یہ چند سطریں ذہین لوگوں کے لیے کافی ہیں۔ مگر جہالت کے ساتھ شرارت جب جمع ہو جائے اور بدعقیدگی کا خول مضبوط ہو جائے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

سوال: اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ یعنی اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے نہ کہ

مغلوب ہونے کے لیے۔اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس مقولے کی رو سے شدت پسندی اسلام کی بنیادوں میں موجود نہیں؟

جواب: اس حدیث کی وضاحت آپ نے اپنی عقل اور بری نیت کے ساتھ فرمائی ہے۔اس حدیث کا ترجمہ ہی آپ نے غلط کیا ہے۔صحیح ترجمہ اس طرح ہے: اسلام ترقی ہی کرے گا اور کوئی اسے روک نہیں سکے گا۔اس حدیث کی وضاحت دوسری حدیث میں اس طرح موجود ہے:

اَلْاِسْلَامُ یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ یعنی اسلام میں اضافہ ہوگا اور کمی نہ ہوگی (جامع صغیر: ۳۰۶۲)۔اسکے فوراً بعد یہ حدیث بیان ہوئی ہے جو آپ نے لکھی ہے (دیکھو جامع صغیر: ۳۰۶۳)۔

ان دونوں حدیثوں کی تشریح میں علماء نے ایک ہی بات لکھی ہے کہ جب ماں باپ مسلمان ہوں گے تو ان کی اولاد خود بخود مسلمان ہوگی اور یوں اسلام ترقی کرے گا (فیض القدیر جلد ۳ صفحہ ۶۹۸،۶۹۹)۔

اس وضاحت کے بعد ابھی آپ کی جان نہیں چھوٹے گی۔آپ کو بتانا ہوگا کہ آپ نے یہ حدیث اچھی طرح کیوں نہ سمجھی؟ سوال برائے سوال کیوں کیا؟ بدعقیدگی کا خول پہن کر سوال کیوں داغا؟ ہماری طرف سے وضاحت کے بعد شرم آئی کہ نہیں؟ اور اگر اسلام کا غلبہ ہی مراد لیا جائے تو دلیل سے غلبہ مراد ہوگا۔جس طرح ابھی تمہاری اس شرارت کے جواب میں اسلام تم پر غالب آ گیا اور حدیث کا اصل مفہوم اسلام نے واضح کر دیا۔

سوال: اسلام میں فرقے کیوں ہیں۔ ہر فرقہ قرآن اور حدیث کی گردان کر رہا ہے۔ یہ فیصلہ کیسے ہوگا کہ ان میں سچا کون ہے؟ کیا یہ درست نہیں کہ ان کے پیشواؤں نے اپنی جہالت، بے خبری، شدت پسندی اور دنیوی حقائق سے بے خبری کی وجہ سے غیر ضروری مسائل میں الجھا دیا ہے اور کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرنے دیا؟

جواب: یہ جو تمہیں نظر آ رہا ہے یہ آپس کے تحقیقی اختلافات ہیں جن کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی ہر سنت کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔یہی اختلاف رحمت ہے اور اسی سے اسلام کے دامن کی وسعت نظر آتی ہے۔تم نے خود قدرے بگاڑ کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ یہ غیر ضروری مسائل میں الجھے ہوئے ہیں، تو پھر مان لو کہ یہ معمولی مسائل ہیں اور ان سے اسلام کی صحت خراب نہیں ہوئی۔

جہاں تک اصل فرقوں کا تعلق ہے تو وہ فرقے بنیادی طور پر صرف تین ہیں۔ خوارج، روافض اور اہلِ سنت۔ ان میں سے کوئی بھی فرقہ مجموعی طور پر کافر نہیں جب تک کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں یا امہات المومنین کی شان میں گستاخی نہ کرے۔ جب تک ائمہ اہلِ بیت کو نبیوں سے افضل نہ کہے، جب تک قرآن کا انکار نہ کرے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا فرقہ ہو یا فرد ہر حال میں کافر اور بدترین کافر ہوگا۔

ثانیاً خود تمہارے اندر فرقے کیوں ہیں؟ تمہارے فرقوں کی تفصیل کتاب کے شروع میں گزر چکی ہے۔

ثالثاً تم نے کہا ہے کہ پیشواؤں نے کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرنے دیا۔ ڈھنگ کے کام سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا صرف بندوق اور بم بنانا ڈھنگ کے کام ہیں؟ تم بتاؤ تم نے کون سا ڈھنگ کا کام کیا ہے؟ تم نے کتنی قسم کے کمپیوٹر بنائے اور کونسا سیارہ ایجاد کیا ہے اور کتنی بار چاند پر گئے ہو؟

رابعاً یہ بھی بتانا پڑے گا کہ چاند پر جانیوالے اور ایٹم بم بنانے والے سب عیسائی ہیں اور عیسائیت ایک مذہب کا نام ہے۔ یہ لوگ مذہب کے منکر اور ملحد دہریہ نہیں ہیں۔ یہ مصیبت کس پر پڑی؟ آپ پر۔

خامساً یہ بھی بتاؤ کہ امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے ریاضی اور لوگارتھم (Logarithm) پر کتابیں لکھی ہیں۔ زمین کی حرکت اور گردش پر رسالہ لکھا ہے ''فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین'' جو فتاویٰ رضویہ کی جلد نمبر ۲۷ میں موجود ہے، کیا تم نے ان چیزوں کو پڑھا ہے؟

سادساً فقیر غلام رسول قاسمی نے طب کے موضوع پر دستور الطبیب نامی کتاب لکھی ہے جو حکیموں کے نصاب میں بعض جگہ پڑھائی جا رہی ہے کیا تم نے شکوے کا منہ کھولنے سے پہلے یہ سخت لگام دیکھی تھی؟

سابعاً اسی مصنف نے دنیا میں ایک نیا علم ایجاد کیا ہے جس کا نام ''علمِ ترجیحات ہے'' جسے انگریزی میں Preferology کا نام دیا گیا ہے۔ کیا یہ ڈھنگ کا کام نہیں؟ کیا ملحدین میں سے کسی کو ایسے کام کرنے کی توفیق ہوئی؟

ثامناً ایسے مذہبی لوگ بھی موجود ہیں جو سائنس میں مہارت رکھتے ہیں اور ایسے سائنسدان بھی موجود ہیں جو مذہب سے محبت کرتے ہیں۔تم درمیان میں کیا بیچنے آ گئے؟

فزکس کے بے شمار اساتذہ اور پروفیسر مذہبی ذہن کے ہیں اور ہر ایجاد پر سبحان اللہ کہتے ہیں اور ان میں سے کثیر نے اسلامی داڑھیاں رکھی ہوئی ہیں اور یہ ایک حیران کن انکشاف ہے۔

سوال: مسلمانوں کو سیکولرزم اور لبرلزم اور روشن خیالی میں کیا خرابی نظر آتی ہے۔کیا یہ درست نہیں کہ تمام انبیاء روشن خیال تھے جنھوں نے سماج کی غلط باتوں پر آواز اٹھائی؟ شعیب علیہ السلام ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے خلاف بولتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام نے تو عین فرعون کے دربار میں آواز اٹھائی؟ تو پھر آج کے دور میں جدت پسندوں سے نفرت کیوں؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہ باتیں تمہیں کون سے ذریعے سے معلوم ہوئیں؟ تم نے قرآن اور تاریخ وغیرہ کا منکر ہونے کے باوجود آج ان باتوں پر یقین کیسے کرلیا؟ اور اگر یقین کر ہی لیا ہے تو اِن انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا مکمل نقشہ کیوں نہیں دیا؟ ان سب کا اعلان عقیدۂ توحید، بت پرستی کی مخالفت اور ان کا اپنی اپنی نبوتوں کا اعلان کرنا، یہ سب کچھ ملحدین کے نظریات کی تباہی ہے کہ نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ سیکولرزم اور تعلیمِ نبوت میں کیا تعلق ہے۔ یہ ایک ہی چیز ہیں یا دو متضاد نظریات؟ آپ کے اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں نے شرارت کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ نبی اور سیکولر میں وہی فرق ہے جو اللہ کی تعلیم اور انسان کی اپنی مرضی میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دین لائے تھے جبکہ فرعون تم ملحدوں کی طرح سیکولر تھا۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ نے سیکولرزم اور لبرلزم کو روشن خیالی کہنے کی جرأت کیسے فرمائی؟ سیکولرزم اور لبرلزم تو اندھیروں کا دوسرا نام ہے۔ ماں، بہن، کتی اور گدھی سے جنسی تعلقات قائم کرلینا کہاں کی روشن خیالی ہے اور پھر نبیوں کو اس طرح کے روشن خیال سمجھنا تو کسی بد ترین انسان کا ہی کام ہوسکتا ہے۔قومِ لوط (علیہ السلام) تمہاری طرح لبرل تھی، مگر سیدنا لوط علیہ السلام ان کے مخالف تھے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر تمام نبی لبرل تھے تو پھر تم تمام ادیان کے خلاف کیوں ہو؟ انبیاء دین ہی تو لائے تھے، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف زبان درازی کیوں؟

پانچویں بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں رَبِّیَ اللہُ کا نعرہ لگایا تھا یعنی میرا رب اللہ ہے (غافر:۲۸) تم لوگ نہ اللہ کو مانتے ہو نہ رسولوں کو۔

چھٹی بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا اس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ یعنی (اے محبوب) کیا آپ نے اس شخص کو نہ دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا اس (غرور کی بنا) پر کہ اللہ نے اسے سلطنت دی جب ابراہیم نے فرمایا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے، اس نے کہا میں جِلا تا اور مارتا ہوں، ابراہیم نے فرمایا کہ: بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسکو مغرب سے لے آ تو کافر بدحواس ہو گیا۔ اور اللہ ہدایت نہیں فرماتا ظلم کرنے والے لوگوں کو (البقرہ:۲۵۸)۔

پھر تم لوگوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو لبرل کیوں کہا؟ اور وہ بھی اپنے جیسا لبرل (معاذ اللہ)۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب بت پرستوں نے کہا کہ: کیا آپ ہمارے بتوں کو ایسے ایسے کہتے ہو؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نَعَمْ اَنَا الَّذِیْ اَقُوْلُ ذٰلِكَ ہاں میں ہی ایسا کہتا ہوں (مجمع الزوائد:۹۸۱۲)۔

لبرل لوگ تو ہر کسی کو صحیح کہتے ہیں اور ہر کسی کو برداشت کرنے کا سبق دیتے ہیں، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفر اور بت پرستی کو برداشت نہیں کیا؟

ساتویں بات یہ ہے کہ اگر تم خود لبرل ہو تو لبرلزم کسی کو برا نہیں کہتا۔ کسی سے الجھتا نہیں۔ ہر کسی کو برداشت کرتا ہے۔ بتاؤ پھر تم مذاہبِ عالم کے خلاف اور اسلام کے خلاف زہر

کیوں اگلتے ہو۔تمہاری یہ حرکت تمہارے اپنے ہی اصول کے خلاف ہے۔

آٹھویں بات یہ ہے کہ کبھی تم نبیوں کے خلاف بولتے ہو اور کبھی تم نبیوں کو اپنا ہم خیال بتاتے ہو۔اب دو میں سے ایک بات ضرور ہے، یا تو تمہارا دماغ خراب ہے یا پھر تم نے سمجھا ہے کہ تمہیں لگام دینے والا کوئی نہیں۔

سوال: مسلمان ابھی تک ماضی کے مزاروں میں کیوں جی رہے ہیں۔اگر پرانے مسلمانوں نے سائنس کی بنیاد رکھی تو کیا ہوا؟ سوال یہ ہے کہ تم خود کیا ہو؟ دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں میں ایک بھی مسلمانوں کی نہیں اور مسلمانوں کا دنیا کی راہنمائی میں کوئی کردار نہیں۔ پھر کس بنیاد پر ہمیں اسلام کی دعوت دی جارہی ہے۔

جواب: تم نے تسلیم کرلیا کہ اگلے مسلمانوں نے سائنس کی بنیاد رکھی۔اب یہ بھی جان لو کہ آج بھی بے شمار مسلمان سائنس دان دنیا میں موجود ہیں۔

ثانیاً اس کے علاوہ دوسرے بے شمار سائنسدانوں کا تعلق بھی کسی نہ کسی مذہب سے ہے جبکہ تم مذہب کے سرے سے ہی منکر ہو۔اب تم بتاؤ تم غیروں کے مزاروں میں کیوں جی رہے ہو؟ ملحدین اور دہریہ نے کیا کیا ایجاد کیا ہے؟ تم لوگ کس بنیاد پر دوسروں کو الحاد کی دعوت دیتے ہو؟

ثالثاً ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ جب ہمارے ماضی کے بزرگوں نے سائنس کی بنیاد رکھی تو کیا اس وقت اسلام سچا مذہب تھا؟ آج اگر ہم سائنس میں کمزور ہیں تو اب کیا اسلام فوراً غلط ہو گیا؟ آپ سے تو ہمیں شرافت کی امید نہیں لیکن ہر شریف آدمی اس بات پر ضرور غور کرے گا کہ اس میں اسلام کا قصور نہیں بلکہ یہ تاریخ کی گردش ہے۔قرآن شریف میں ہے: وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ یعنی یہ دن لوگوں کے درمیان ہم ادلتے بدلتے رہتے ہیں (آل عمران: ۱۴۰)۔

اہم نکتہ

اسلام سے ہٹنے والا شخص جب دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرتا ہے اور دہریہ کا بھی تنقیدی جائزہ لیتا ہے تو اسے اسلام کے دامن میں ہی عافیت اور خیریت نظر آتی ہے۔چنانچہ تاریخ میں محققین کی ایک بڑی تعداد ایسی دکھائی دیتی ہے جو اپنے اپنے دور میں اسلام سے برگشتہ ہوئے اور نظریاتی تبدیلیوں کا ایک لمبا چکر کاٹنے کے بعد دوبارہ اسلام ہی کی طرف پلٹنے پر مجبور ہوئے۔

باب سوم:

نبوتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سوال: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا نبی ہونے کے کیا دلائل ہیں۔

جواب: (ا)۔تمہاری ہر بات کا جس طرح معقول اور علمی جواب ہم نے دے دیا ہے، یہ تمام جوابات ہمارے آقا و مولیٰ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچا نبی ہونے کا ثبوت ہیں۔ مزید دیکھو:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت دنیا میں تشریف لائے جب دنیا کو ایسی ہی ہستی کی ضرورت تھی۔ چھ سو سال سے فترت جاری تھی، علم اٹھ چکا تھا، فحاشی عروج پر تھی ، شاعری کا زور تھا اور انقلاب کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ زوال کے بعد ہی انقلاب کے دروازے کھلتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ گرامی محمد ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ محمد کا معنی ہے تعریف کیا گیا، دنیا میں ایسا خوبصورت نام کسی مذہبی پیشوا کا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب کا نام قرآن ہے، قرآن کا معنی ہے پڑھی جانے والی کتاب، دنیا میں کسی کتاب کا نام اتنا خوبصورت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کا نام اسلام ہے، اسلام کا معنی ہے سلامتی میں آنا، پوری دنیا میں اتنا خوبصورت اور وسیع نام کسی مذہب کا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر کا نام مکہ ہے، مکہ کا معنی ہے وسط اور مرکز، ایسا خوب صورت نام دنیا میں کسی شہر کا نہیں، مکہ واقعی حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے زمانے سے مرکزی شہر چلا آ رہا تھا جو تجارت کا مرکز تھا، اسی میں کعبہ تھا جو عبادت کا مرکز تھا۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔

بچپن کا دوست، چچازاد بھائی، اپنی بیوی اور گھر کا ملازم، یہ چاروں رشتے ایسے ہیں کہ ان سے کسی کے راز پوشیدہ نہیں ہوتے۔ اور نبوت کا دعویٰ کرنے والے پر سب سے زیادہ تنقید کا خطرہ انہی کی طرف سے ہوتا ہے لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہستی ہیں کہ ان پر سب سے پہلے ایمان لانے والے یہی چار افراد ہیں: سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا علی المرتضیٰ، سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم۔ ملحدین اور منکرینِ رسالتِ مصطفی میں اگر کچھ بھی شرافت اور انصاف ہو تو اسی ایک بات کے سامنے جھک جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی زوجۂ مطہرہ سیدہ خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا سے پہلی وحی کا ذکر فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مشکل کام کر دکھاتے ہیں، مہمان کا احترام کرتے ہیں، حق کے معاملے میں مدد کرتے ہیں (بخاری:۳)۔

یہ ایک زوجہ کے الفاظ ہیں اپنے مقدس شوہر کے بارے میں، جب کہ آج کا ملحد چودہ سو سال بعد اپنے عشرت کدے میں بیٹھا بے خبری میں ہر منہ آئی بات الاپ رہا ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ پہلی بار سابق یہودی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو کہہ اٹھے کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں اور مسلمان ہو گئے (ترمذی حدیث: ۲۴۸۵)۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چاند کے ساتھ موازنہ کیا گیا تو آپ کا حسن چاند پر غالب تھا (ترمذی حدیث: ۲۸۱۱)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک ریشم سے زیادہ نرم تھے (بخاری حدیث: ۳۵۶۱، مسلم حدیث: ۶۰۵۴)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینے کو لوگ عطر کی طرح استعمال کرتے تھے (مسلم حدیث: ۶۰۵۵)۔

آپ کی زبانی کبھی کوئی جھوٹ ثابت نہیں ہوا۔ کبھی کوئی کچی بات ثابت نہیں ہوئی، کبھی دشمن کے مقابلے سے فرار ثابت نہیں ہوا، کبھی اخلاق میں کمزوری ثابت نہیں ہوئی، کبھی فحش کلامی ثابت نہیں ہوئی۔

(۲)۔ اُس زمانے میں مکہ میں علم وتدریس کا رواج نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اُمی تھے، کسی سے نہیں پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ یعنی اور اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست آج ضرور شک میں پڑ جاتے (العنکبوت: ۴۸)۔ اور فرماتا ہے: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى یعنی اب ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہ بھولیں گے (الاعلیٰ: ۶)۔

اب ایسی ہستی پر نازل ہونے والا قرآن غیب کی خبروں سے لبریز ہے، ہر قسم کے علوم

سے آراستہ ہے اور فصاحت و بلاغت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔ ایسے حالات میں قرآن چیلنج دیتا ہے کہ: فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ یعنی لاسکتے ہو تو لے آؤ اس جیسی کوئی سورۃ (البقرہ:۲۳)۔

اس چیلنج کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ یہ چیلنج ایک اور لحاظ سے بہت قابلِ غور اور حیران کن دلیلِ نبوت ہے۔ اس طرح کہ اس سے پہلے ایسا چیلنج کسی کتاب کے بارے میں کسی نے نہیں دیا تھا۔ یکا یک چیلنج کی سوچ کسی انسان کی تجویز نہیں ہو سکتی۔ کسی کا اس چیلنج کو قبول نہ کرنا تو بعد کی بات ہے، خود یہ چیلنج ہی کسی جدا گانہ اور عظیم راہنمائی کے بغیر ممکن نہ تھا۔

قرآنی فصاحت و بلاغت، علمیت اور غیب کی خبریں سب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت و صداقت کا ثبوت ہیں۔ اس کی تفصیل قرآن پر اعتراضات کے جواب میں گزر چکی ہے۔ وہ پورے کا پورا مضمون نبوتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ثبوت کے طور پر یہاں بھی فٹ کر لو۔

(۳)۔ قرآن شریف میں بہت سی پیش گوئیاں موجود ہیں جو سو فیصد درست ثابت ہوئیں مثلاً قرآن میں یہودیوں کے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ یہ لوگ موت کی تمنا کبھی نہ کریں گے قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا یعنی فرما دیجئے اے یہودیو! اگر تمہیں یہ گھمنڈ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ اور وہ کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے (جمعہ:۶،۷)۔ چنانچہ واقعۃً اسی طرح ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ یعنی کیا ان بتوں کے پاؤں ہیں جن سے چلیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں؟ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں؟ کیا ان کے کان ہیں جن سے سنیں؟ اے محبوب آپ فرمائیں کہ تم اپنے شریکوں کو پکارو پھر، مجھ پر چلاؤ اپنا داؤ، اس کے بعد مجھے مہلت نہ دو (الاعراف:۱۹۵)۔

تو واقعی کفار اس پر قادر نہ ہو سکے اور ان کی کثرت سے مکاریوں کے باوجود اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان لوگوں سے خلاصی دی۔

منافقین اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے اندرونی پراپیگنڈے کے بارے میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کوئی آیت نہ نازل ہو جائے۔ اللہ نے ان کی یہ سوچ ظاہر کر دی: يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوا إِنَّ اللهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ یعنی منافق ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی سورت نازل کر دی جائے جو انہیں اس چیز سے خبردار کر دے جو منافقوں کے دلوں میں ہے۔ آپ فرمادیں مذاق اڑاتے رہو بے شک اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس کا تمہیں خوف ہے (التوبہ: ۶۴)۔

اگر کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کے بارے میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو جائے تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔ مومنوں پر نرم ہوں گے، کافروں پر سخت ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے (المائدہ: ۵۴)۔

چنانچہ اسی طرح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب لوگ مرتد ہوئے جن میں منکرینِ زکوٰۃ اور مدعیانِ نبوت شامل تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے کے لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو توفیق بخشی اور وہ اور ان کے تمام ساتھی يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اللہ کے محبوب اور اللہ کے محب ہونے کا مصداق بنے۔

(۴)۔ قرآن جیسے دائمی معجزے کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دکھائے گئے آپ کے معجزات جو متواتر اطلاعات سے ثابت ہیں اور جن کا انکار بدعقیدگی کے خول والوں کے سواء کوئی نہیں کر سکتا، سب نبوتِ محمدی کے مضبوط دلائل ہیں۔ مثلاً چاند کے دو ٹکڑے کرنا (بخاری: ۳۶۳۷، مسلم: ۷۰۷۶)۔ پہاڑوں اور درختوں کا سلام عرض کرنا (ترمذی: ۳۶۲۶)۔ بھیڑیے کا آپ کی نبوت کی گواہی دینا (مسند احمد: ۸۰۸۳)۔ ضرورت کے وقت آپ کی انگلیوں سے

پانی پھوٹنا (بخاری : ۱۶۹، مسلم : ۵۹۴۲)۔آپ کی دعا سے بارش کا فوراً برسنا (بخاری : ۳۵۸۲)۔تھوڑے طعام کا بہت زیادہ ہو جانا (مسلم : ۴۵۱۸)۔ایک جگ دودھ ستر آدمیوں میں پورا ہو گیا (بخاری : ۶۴۵۲)۔ بیماروں نے شفا پائی (بخاری حدیث : ۴۲۰۶)اور اس طرح کے بیشمار معجزات۔

(۵)۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابی کی خبریں قرآن میں دی گئی ہیں،فرمایا:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ یعنی وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے غالب کر دے ہر دین پر، خواہ مشرک ناپسند کریں (التوبہ:۳۳)۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر یہ کہ پورا کر دے اپنے نور کو، خواہ کافر ناپسند کریں (التوبہ:۳۲)۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ یعنی بے شک ہم نے آپ کی کفایت فرمائی مذاق اڑانے والوں کے شر سے (الحجر:۹۵)۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ یعنی ان سے لڑو اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو راحت پہنچائے گا (التوبہ:۱۴)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان آیات کے عین مطابق کامیابی عطا فرمائی اور ایک دن وہ بھی آیا کہ خود مکہ میں بھی اسلام کا جھنڈا الہرانے لگا۔

(۶)۔اللہ کریم جل شانہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیحت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے عار محسوس نہیں فرمائی بلکہ نہایت صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اسے بعینہٖ قرآن میں لکھوا دیا۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت،صداقت اور امانت کا زندہ ثبوت ہے،اس کی مثالیں ملاحظہ کریں:

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوْءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ یعنی اے محبوب تو کیا آپ کا دشمن جس کے لیے اس کا بُرا عمل اس طرح مزین کر دیا گیا کہ وہ اسے اچھا کام سمجھ بیٹھا، تو بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے، تو نہ چلی جائے آپ کی جان مبارک ان پر حسرتوں اور فرطِ غم میں بے شک اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں (فاطر:۸)۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو کفار کی گمراہی پر زیادہ غم کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، اسی طرح یہ اگلی آیت بھی ہے، فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ یعنی اے محبوب آپ ایسے غمگین ہیں کہ شاید آپ اپنی پیاری جان اس غم میں دے بیٹھیں گے کہ وہ ایمان نہیں لائے (الشعراء:۳)۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کفار کو تبلیغ فرما رہے تھے، اوپر سے ایک نابینا صحابی حاضر خدمت ہوئے اور نابینا ہونے کی وجہ سے حضور کریم ﷺ کی نہایت اہم مصروفیت کو نہ سمجھ سکے، آپ ﷺ نے ان کی مداخلت کو مناسب نہیں سمجھا، قرآن شریف نے اس واقعہ کا ذکر یوں کیا: عَبَسَ وَتَوَلّٰى یعنی محبوب چیں بجبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا (عبس:۱)۔

ڈاکٹر لیتھنز امریکی کا ایک مضمون مجلہ ''المقتطف'' میں شائع ہوا۔ یہ امریکی ڈاکٹر اِسی آیت کے بارے میں لکھتا ہے:

ایک مرتبہ محمد نے ایک نابینا صحابی سے منہ موڑ کر ایک غیر مسلم آدمی کو دین کی تبلیغ جاری رکھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس بات پر (پیار بھرا) عتاب فرمایا اور یہ بات قرآن میں شائع کر دی گئی۔ اب اگر محمد ایک صاف گو ہستی نہ ہوتے تو یہ واقعہ قرآن سے نکال دیا گیا ہوتا یا کم از کم بعد والے ہی اسے نکال دیتے (المقتطف المجلد ۱۵ الجزء ۴، کذا فی وامحمداہ جلد ۴ صفحہ ۷۰۳ مطبوعہ مصر)۔

(۷)۔ اللہ کریم نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی کہ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اللہ آپ کو لوگوں سے بچا لے گا (المائدہ:۶۷)، تو آپ ﷺ نے اپنے پہرے دار (باڈی گارڈ) گھر بھیج دیے (ترمذی:۳۰۴۶)۔

یہ کوئی معمولی اقدام نہیں تھا، بلکہ اللہ کریم پر کامل بھروسہ اور صدقِ نبوت کا منہ بولتا ثبوت ہے، منہ سے باتیں کرنا آسان ہے مگر کوئی مائی کا لال اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

آپ کے پاس جانے والے پر دور سے ہی آپ کا رعب طاری ہو جاتا تھا (مسلم حدیث: ۱۱۶۷)۔ آج بھی حاضر ہونے والے عاشقوں کے آنسو سینکڑوں میل پہلے برسات شروع کر دیتے ہیں۔

(۸)۔ پوری امت پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر ہمارے نبی کریم ﷺ بجائے اس کے کہ اپنے لیے کچھ رعایت لیتے، آپ ﷺ پر چھ نمازیں فرض تھیں، اور چھٹی نماز بھی تہجد کی تھی جو سب سے مشکل نماز ہی۔

آپ ﷺ کے نیچے ایک مرتبہ نرم بستر بچھا دیا گیا تو فرمایا: میں دنیا میں آرام کرنے نہیں آیا (شمائلِ ترمذی صفحہ ۲۲)۔ آپ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھی کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَذْکُرُ اللہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ (بخاری قبل حدیث: ۶۳۴، مسلم: ۸۲۶)۔

آپ ﷺ ایک دن میں دو مرتبہ کبھی بھی اپنے پیٹ کو نہیں بھرتے تھے (ترمذی حدیث: ۲۳۵۶)۔ کبھی دو دن مسلسل گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ وصال ہو گیا (مسلم حدیث: ۷۴۴۵)۔ کبھی آئندہ کے لیے ذخیرہ نہیں کیا (ترمذی حدیث: ۲۳۶۲)۔

اپنے گھر کے کام کاج خود کرتے تھے، اور اہلِ خانہ کا ہاتھ بٹاتے بٹاتے نماز کا وقت آ جاتا تو نماز کے لیے نکل جاتے (بخاری حدیث: ۶۷۶)۔

آپ ﷺ نے کبھی ناجائز کنبہ پروری نہیں کی۔ ایک مرتبہ آپ کی شہزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھریلو کام کاج اور محنت مشقت سے پریشان ہو کر ایک نوکر مانگا تو آپ نے فرمایا: اَلَا اَدُلُّکُمَا عَلٰی مَا ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمَا مِنْ خَادِمٍ؟ اِذَا اَوَیْتُمَا اِلٰی فِرَاشِکُمَا، اَوْ اَخَذْتُمَا مَضَاجِعَکُمَا، فَکَبِّرَا ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِیْنَ، وَ سَبِّحَا ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِیْنَ، وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِیْنَ یعنی میں تمہیں (دونوں زوج وزوجہ رضی اللہ عنہما کو) اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ آپ سوتے وقت تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھا کریں (بخاری: ۶۳۱۸، مسلم: ۶۹۱۵)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی صدقہ نہیں کھایا بلکہ اپنے خاندان والوں پر بھی صدقہ حرام قرار دیا۔ آپ کے نواسے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ چھوٹے تھے تو انہوں نے ایک دن صدقے کی کھجور اپنے منہ میں ڈال لی۔ آپ نے کخ کخ کر کے ان کے گلے سے وہ کھجور نکلوا دی۔ اور فرمایا تمہیں معلوم نہیں ہم صدقہ نہیں کھاتے اَخَذَ الحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِن تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَخ كَخ لِيَطرَحهَا، ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعُرتَ اَنَّا لَا نَأكُلُ الصَّدَقَةَ (بخاری حدیث: ۱۴۹۱، مسلم حدیث: ۲۴۷۳)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے مکمل طور پر بے رغبت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ كَفَافاً یعنی اے اللہ محمد کی آل کو رزقِ گزارا عطا فرما (بخاری حدیث: ۶۴۶۰، مسلم حدیث: ۲۴۲۷، ۷۴۴۱، ۷۴۴۲)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کی ذاتی دولت جمع نہیں فرمائی، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَنَّ نِسَآءَ النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَرَدْنَ اَن يَبْعَثْنَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ اِلٰى اَبِي بَكرٍ يَسْأَلْنَهُ مِيْرَاثَهُنَّ فَقَالَتْ لَهُنَّ عَائِشَةُ اَلَيْسَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے ارادہ کیا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس میراث مانگنے کیلیے بھیجیں۔ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ: ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے (بخاری: ۶۷۳۰، مسلم: ۴۵۷۹)۔

(۹)۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک نفسیاتی قاعدہ بیان فرمایا اور ماہرین نفسیات کو ہلا کر رکھ دیا۔ فرمایا:

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ یعنی فرما

دیجیئے میں تمہیں ایک خاص نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے علیحدہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر تم سوچو، تم پر واضح ہو جائے گا کہ تمہارے صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کسی قسم کا کوئی جنون نہیں وہ تو صرف سخت عذاب کے آنے سے پہلے بروقت تمہیں ڈرانے والے ہیں (سبا:۴۶)۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ یعنی فرما دیجیئے اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو برابر ہے ہمارے اور تمہارے درمیان کہ ہم اللہ کے سواء کسی کو نہ پوجیں اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے اللہ کو چھوڑ کر، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو لوگو! گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں (آلِ عمران: ۶۴)۔

اہل کتاب اگر اس آیت پر عمل کرتے تو اس کا مکمل فائدہ مسلمانوں کو ملتا، اس لیے کہ جن مشترکہ عقائد کی طرف دعوت دی گئی ہے وہ سراسر توحید ہے، اور یہی اسلام کی بنیاد ہے۔ اس سے قرآن کی نفسیاتی مہارت اور دور بینی ظاہر ہے۔

(۱۰)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام تبلیغی خط لکھا۔ اسی دوران مکہ سے حضرت ابوسفیان بھی تجارت کیلیے روم گئے ہوئے تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ہرقل نے حضرت ابوسفیان کو بلا بھیجا۔ حضرت ابوسفیان کا بیان ہے کہ: مجھے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بلایا گیا۔ ہرقل نے ہمیں اپنے سامنے بٹھایا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا پھر اس نے مترجم کو بلایا اور اس نے کہا ان سے کہو کہ میں اس پر کچھ سوال کروں گا، اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم لوگ پیچھے سے بتا دینا کہ یہ جھوٹا ہے۔ حضرت ابوسفیان کا بیان ہے کہ: بخدا اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ مجھ کو جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا، پھر اس نے اپنے مترجم سے کہا اس سے پوچھو کہ تم میں اس نبی کا خاندان کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ ہم میں اچھے نسب والے ہیں۔ اس نے پوچھا کیا ان کے آباء میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا کیا اس دعوے سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا ان کی پیروی امیر لوگ کرتے ہیں یا غریب لوگ؟ میں نے کہا

غریب لوگ۔ اس نے پوچھا ان کے پیروکار زیادہ ہورہے ہیں یا کم؟ میں نے کہا وہ دن بدن زیادہ ہورہے ہیں۔ اس نے پوچھا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کیا کوئی ان سے ناراض ہوکر ان کے دین سے پلٹ جاتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا کیا تم نے کبھی ان سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا ان کا تمہارے ساتھ جنگ میں کیا نتیجہ رہا؟ میں نے کہا کبھی وہ جیت جاتے ہیں اور کبھی ہم۔ اس نے پوچھا کبھی انہوں نے عہد شکنی کی؟ میں نے کہا نہیں، لیکن آج کل ہمارے اور ان کے درمیان ایک معاہدہ چل رہا ہے ہمیں معلوم نہیں وہ اس دوران کیا کریں گے۔ حضرت ابوسفیان کہتے ہیں بخدا! اس ایک جملہ کے سواء مجھے اور کسی بات کو اپنی گفتگو میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں ملی۔ اس نے پوچھا کیا ان سے پہلے کسی اور نے بھی یہ دعویٰ کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں۔

پھر اس نے اپنے مترجم سے کہا اس کو بتاؤ: میں نے تم سے انکے خاندان کے متعلق پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں اچھے حسب والے ہیں، اور قاعدہ یہی ہے کہ انبیاء اپنی قوم کے سب سے اچھے حسب سے مبعوث ہوتے ہیں۔ پھر میں نے تم سے پوچھا کیا انکے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تم نے کہا نہیں، میں نے سوچا کہ اگر انکے آباء میں کوئی بادشاہ ہوتا تو یہ گمان ہوسکتا تھا کہ انہوں نے اپنے آباء کی حکومت حاصل کرنے کیلئے یہ دعویٰ کیا ہو۔ پھر میں نے پوچھا کہ انکے پیروکار غریب لوگ ہیں یا حیثیت والے؟ تم نے کہا بلکہ وہ غریب لوگ ہیں، اور رسولوں کے پیروکاروں میں غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ پھر میں نے تم سے پوچھا اس دعویٰ سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تم نے کہا نہیں! سو میں نے جان لیا کہ جو بندوں پر جھوٹ نہیں باندھتا وہ اللہ پر کب جھوٹ باندھے گا! میں نے تم سے کہا کیا انکے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ان سے ناراض ہوکر انکے دین سے مرتد ہوجاتا ہے؟ تم نے کہا نہیں اور دل میں ایمان کے رچ جانے کے بعد یہی ہوتا ہے۔ میں نے تم سے سوال کیا انکے پیروکار زیادہ ہورہے ہیں یا کم؟ تم نے کہا وہ زیادہ ہورہے ہیں اور ایمان لانے کا یہی قاعدہ ہے حتیٰ کہ وہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کیا کبھی تم نے ان سے جنگ کی ہے؟ تم نے کہا ہاں جنگ کی ہے اور کبھی اسکو وہ جیت جاتے ہیں اور کبھی ہم اور یہی قاعدہ ہے، پہلے رسولوں کے ساتھ اسی طرح ہوتا

رہا ہے، پھر آخر فتح انہی کی ہوتی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کیا انہوں نے کبھی عہد شکنی کی ہے؟ تم نے کہا وہ عہد شکنی نہیں کرتے اور یہی قاعدہ ہے رسول عہد شکنی نہیں کرتے۔ میں نے تم سے پوچھا کیا ان سے پہلے بھی کسی نے یہ دعویٰ کیا تھا؟ تم نے کہا نہیں، میں نے سوچا کہ ان سے پہلے کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا تو میں یہ کہتا کہ اس شخص نے اس پہلے والے کی اتباع کی ہے۔ پھر ہرقل نے پوچھا وہ تم کو کن باتوں کا حکم دیتے ہیں؟ میں نے کہا وہ ہمیں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے، صلہ رحمی کرنے اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں۔ اس نے کہا اگر تم نے سچ بیان کیا ہے تو وہ واقعی نبی ہیں اور مجھے علم تھا کہ اس نبی کا ظہور ہونے والا ہے لیکن مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ اس کا ظہور تم میں ہوگا! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا تو میں ان سے ملاقات کو پسند کرتا، اور اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ان کے مبارک قدموں کو دھوتا، انکی حکومت یہاں تک ضرور پہنچے گی جہاں میں کھڑا ہوں (بخاری حدیث: ۷، مسلم حدیث: ۴۶۰۷)۔

(۱۱)۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنا مشہورِ عالم خطبہ دیا، جسکے سامنے ملحدین تو کیا شرق سے غرب تک کی دنیا ہتھیار ڈال چکی ہے، فرمایا:

”لوگو! شاید آئندہ سال میری تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔ تمہارے خون اور تمہارے مال آج کے دن کی عظمت کی طرح اس مہینے میں اور اس شہر میں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ آج جہالت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ زمانہِ جہالت کی دشمنیاں ختم کر دی گئی ہیں۔ سب سے پہلے میں ابنِ ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔ زمانہِ جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیے گئے ہیں۔ سب سے پہلے میں عباس ابن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، اللہ نے انہیں تمہاری پناہ میں دیا ہے اور اپنے کلام کے ذریعے ان کی شرم گاہیں تمہارے لیے حلال کی ہیں۔ عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی اور کو نہ سلائیں۔ اگر وہ ایسی حرکت کریں تو انہیں ضرورت کے مطابق محتاط سزا دو۔ عورتوں کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم انہیں اچھے طریقے سے کھانا اور لباس دو۔ خبردار! تمہارا رب ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر فضیلت ہے تو تقوے سے ہے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو

زیادہ متقی ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے ہے۔ لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ اپنے رب کی عبادت کرنا۔ پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال کی زکوٰۃ دینا، اپنے رب کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا، اگر ایسا کرو گے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے۔ اے لوگو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کی گردن مت مارنے لگنا۔ میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر اس پر عمل کرتے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ قیامت کے دن اللہ تم سے میرے بارے میں پوچھے گا تو کیا جواب دو گے؟ سب نے جواب دیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم تک احکام پہنچا دیے، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور بھلائی کی انتہا کر دی۔ آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی، اسی انگلی سے لوگوں کی طرف بھی اشارہ کیا اور فرمایا اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔ جو لوگ حاضر ہیں وہ ان تک میرا پیغام پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں۔ کتنے ہی سننے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ سنی ہوئی بات آگے بتاتے ہیں تو اگلا ان سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے'' (مسلم: ۲۹۵۰، ابوداؤد: ۱۹۰۵، ابن ماجۃ: ۳۰۷۴، سنن الدارمی: ۱۸۵۶)۔

جب آپ اس خطبہ سے فارغ ہوئے تو قرآن کی آیت نازل ہوئی: اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا آج ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے، تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے (المائدۃ: ۳)۔

اس خطبے کو غور سے پڑھیے۔ بار بار پڑھیے۔ ہم نے دنیا کی بڑی بڑی شخصیات کے کلام سے اس کا موازنہ کیا ہے۔ آج تک دنیا کا کوئی دوسرا انسان ایسا کلام نہیں کہہ سکا۔ نہ ہی کوئی ایسی تعلیم دے سکا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا عملی نمونہ پیش کر سکا ہے۔

فقیر راقم الحروف پشاور مال روڈ پر واقع ایک کیتھولک چرچ کے پادری (غالباً چارلس نامی) سے عیسائیت کے خلاف تیاری کرنے کے لیے ملتا رہتا تھا۔ ایک دن فقیر نے اس سے پوچھا: آخر آپ کو ہمارے نبی کریم ﷺ کی کسی بات نے متاثر بھی کیا؟ اس نے سوچ کر کہا

:خطبہ حجۃ الوداع۔

(۱۲)۔ایک غیر مسلم مفکر مائیکل ہارٹ لکھتا ہے کہ :

It is this unparalleled combination of secular and religious influence wich I feel entitles Muhammad to be considered the most influential single figure in human history.

ترجمہ:۔دین اور دنیا کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے کی یہ ایسی بلا مقابلہ کامیابی ہے جو میرے نزدیک محمد کو انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ کامیاب شخصیت قرار دیے جانے کا حقدار بناتی ہے۔

(The hundred page No:10)

آپ ﷺ کے خلفاءِ راشدین کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔مائیکل ہارٹ لکھتا ہے:

Abu Bakar was a Successful Leader (The 100 p.264)-

ترجمہ: ابوبکر ایک کامیاب راہنما تھے۔

Umar's Achievements are impressive in deed (The 100 .265)

ترجمہ: عمر کی کامیابیاں واقعی حیران کن ہیں۔

(۱۳)۔آپ ﷺ اگر چاہتے تو لوگوں سے سجدہ کروا سکتے تھے،مگر آپ نے کبھی خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ خود کو عَبْدُ اللہِ وَ رَسُولُہٗ بتایا اور فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو بیوی سے کہتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔نبی کریم ﷺ جیسی صادق اور امین ہستی کا خود کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہنا ہی آپ ﷺ کی نبوت کا کافی شافی ثبوت ہے۔

(۱۴)۔انسانی جسم کی صفائی،لباس کی صفائی،کھانے پینے کے برتنوں اور کچن وغیرہ کی صفائی،باتھ روم کی صفائی،پورے گھر کی صفائی،گلی کوچوں کی صفائی،پورے شہر اور ملک کی صفائی،پولوشن سے بچاؤ حتیٰ کہ ادویہ اور مصنوعات وغیرہ کی صفائی کی اہمیت کا انکار کوئی انسان کا بچہ نہیں کر سکتا۔ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس کائنات میں سب سے زیادہ صفائی پر زور دیا ہے۔اور دنیا تو صرف صفائی کو ہی جانتی ہے وہ بھی ایک حد تک جبکہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے صفائی سے بہت آگے کی چیز طہارت پر زور دیا ہے،اور معمولی زور نہیں دیا بلکہ فرمایا:

اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ یعنی طہارت ایمان کا حصہ ہے (مسلم: ۵۳۴)۔
طہارت اور صفائی میں فرق کی باریکیاں تم کیا سمجھو! تم تو ہمارے نبی کریم ﷺ کی ایک مسواک کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔

مزید حکمت سے لبریز ارشادات کی فہرست طویل ہے مگر یہاں صرف دس ارشادات پڑھ لو: (۱)۔مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ ڈنگ نہیں کھاتا (بخاری حدیث : ۶۱۳۳)۔ (۲)۔آہستگی اللہ کیطرف سے ہے اور جلدی شیطان کیطرف سے (ترمذی حدیث: ۲۰۱۲)۔ (۳)۔جب تم لوگوں کے بھید کی جستجو کرو گے تو انہیں متنفر کر دو گے (ابوداؤد حدیث: ۴۸۸۸)۔ (۴)۔خرچ میں میانہ روی آدھی معاشیات ہے، لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا آدھی عقل ہے اور سوال کا سلیقہ آدھا علم ہے (شعب الایمان حدیث: ۶۵۶۸)۔(۵)۔کسی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات آگے کرتا پھرے (مسلم حدیث: ۷)۔(۶)۔میٹھا بول بھی صدقہ ہے (بخاری حدیث: ۲۹۸۹)۔(۷)۔بعض علم بھی جہالت ہوتے ہیں (ابوداؤد حدیث: ۵۰۱۲)۔(۸)۔غنی دولت سے نہیں بنتا بلکہ غنی وہ ہے جسکا دل غنی ہو (بخاری: ۶۴۴۶)۔(۹)۔طاقتور وہ نہیں جو بچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے (مسلم حدیث: ۶۶۴۳)۔(۱۰)۔تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں، زبان پر قابو جیسا کوئی ورع نہیں، اچھے اخلاق جیسا کوئی حسب نہیں (شعب الایمان حدیث: ۴۶۴۶)۔

(۱۵)۔قرآن جیسی معجزانہ کتاب میں صاف طور پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے الفاظ، اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کے الفاظ اور خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ کے الفاظ موجود ہیں۔جس زاویے سے چاہو پرکھ لو اعتراض کا ہر دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

(۱۶)۔باقی رہا ملحدین کا انکار کرنا، تو یہ اسلام کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔جس چیز کو تم نہ مانو یہ ضروری نہیں کہ وہ غلط ہو۔ہم نے آپ ﷺ کی ہستی، تعلیمات، خطابات، قرآن، معجزات، اخلاقیات، معاشی تعلیمات، سیاسی تعلیمات، معاشرتی تعلیمات، تورات زبور میں بشارات، قرآن میں سچی پیش گوئیوں کا ثبوت حتیٰ کہ تم ملحدین کے بارے میں حدیث میں پیش گوئی کا مطالعہ کیا اور مطمئن ہوئے کہ ایسی ہستی کا اعلانِ نبوت کیوں نہ تسلیم کیا جائے۔

جاؤ! یورپ کے ان نوجوانوں کی حالتِ زار دیکھو جو تم جیسی حرکتیں کرتے کرتے نامرد ہو چکے ہیں، شادی کے قابل ہی نہیں رہے، ایڈز کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور آخر کار انہیں اسلام کے مقدس دامن اور محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریفانہ تعلیمات کے دامن میں ہی پناہ ملی۔

☆......☆......☆

باب چہارم:

ملحدین کی طرف سے پھکڑ اور ننگی گالیاں

ملحدین کو جب مسلمانوں کے علمی دلائل کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑے تو لاچار ہو کر گالیاں دینے پر اتر آئے اور ''سورۃ مولوی'' کے نام سے ایک طویل پیراگراف لکھا جس میں علماء کو حیاء سوز گالیاں دیں اور خوب دشنام طرازی کی۔ جواباً ملحدین سے گزارش ہے کہ:

(۱)۔ جب آپ تمام مذاہب کے خلاف ہیں تو پھر ظاہر ہے اسی قسم کی گالیاں آپ دنیا بھر میں ہر مذہب کے پیشواؤں کو بھی دیتے ہوں گے۔ لہٰذا آپ جیسے لوگوں کی گالیوں کا خاص نوٹس لینے کی صرف مسلمانوں کو ضرورت نہیں۔

(۲)۔ ہمیں خوشی ہوگی کہ پوری دنیا آپ کی یہ گالیاں پڑھے اور سنے۔ یقیناً ہر مہذب شخص مسلمانوں سے متنفر ہونے کی بجائے الٹا آپ سے ہی متنفر ہوگا۔

(۳)۔ آپ کی گالیوں کے جواب میں گالیاں نہ دینا اسلام کی جیت ہے۔ جس نبی ﷺ کو تم لوگ گالیاں دیتے ہو اسی نبی ﷺ نے ہمیں ہماری ذات کو دی جانے والی گالیوں کا جواب نہ دینے کا درس دیا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ گالیوں کے جواب میں خاموش رہتے تھے۔ پتھر مارنے والوں کو دعا دیتے تھے۔ اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے (مسلم:۶۰۵۰)۔

(۴)۔ جس قرآن پر ملحدین کو اعتراض ہے اسی قرآن میں یہ تعلیم ہے کہ جب جاہل تم سے مخاطب ہوں تو اسے دور سے ہی سلام کرو (الفرقان:۶۳)۔ اور فرمایا: نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو اور اس کے نتیجے میں جو مصیبت آئے اس پر صبر کرو، بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے (لقمان:۱۷)۔

(۵)۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی آدمی کے اچھا مسلمان ہونے کی نشانی یہ ہے کہ جس چیز سے واسطہ نہ ہو اسے ترک کر دیتا ہے (ترمذی حدیث:۲۳۱۷)۔ لہٰذا ہم گالیوں کا جواب دینے کی فکر نہیں کرتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا یارسول اللہ کافروں کے خلاف دعا کریں۔فرمایا: مجھے لعنتیں بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں (مسلم حدیث: ٦٦١٣)۔

اور فرمایا: میں تو بھیجا ہی اسی لیے گیا ہوں کہ اخلاق کو اس کی بلندیوں تک پہنچا دوں (شرح السنۃ حدیث: ٣٦٢٢)۔

(٦)۔آپ نے دیکھا ہوگا کہ مغرب نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جس قدر ہرزہ سرائی کی ہے مسلمانوں نے گالی کا جواب گالی سے کبھی نہیں دیا۔یہی تم سب لوگوں کی شکست اور اسلام کی جیت ہے۔

(٧)۔ملحدین کی گالیوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ دنیا میں ملحدین کی تعداد کوئی خاص نہیں ہے۔میڈیا پر ایک آدمی خود کو پوری فوج ظاہر کر سکتا ہے۔ورنہ ہم نہیں سمجھتے کہ اس قدر گندی زبان استعمال کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہو۔

ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ تم سب ملحدین کو آخری اور سب سے افضل نبی (The Greatest Prophet)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جانے کی توفیق دے ،آمین۔ہم گالیوں کا جواب اسی طرح دیا کرتے ہیں۔

الحمدللہ ہم سوچ سمجھ کر یہ نعرہ لگاتے ہیں:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ

اسلام زندہ باد

وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

☆......☆......☆

باب پنجم:

الحاد کے چور دروازے

(۱)۔الحاد کا سب سے پہلا چور دروازہ آزاد خیالی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سے انسان کو فضیلت دی ہے۔قرآن میں ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ یعنی یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی (بنی اسرائیل:۷۰)۔

انسانوں میں سے مسلمان کو فضیلت بخشی۔قرآن میں ہے: إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللهِ الْإِسْلَامُ یعنی بے شک اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہی ہے (آل عمران:۱۹)۔

مسلمانوں میں سے اہل سنت کو فضیلت بخشی ہے: وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ الآیۃ یعنی جو بھی مومنوں کی جماعت کی راہ سے ہٹے گا ہم اسے جہاں جاتا ہے جانے دیں گے اور اسے جہنم میں ڈالیں گے (النسآء:۱۱۵)۔

ان تینوں سطحوں پر آزاد خیالی گمراہی کی بنیاد ہے۔جو شخص اہل سنت میں سے آزاد خیال ہوگا وہ جمہور، اجماع اور تواتر کی پابندی چھوڑ کر گمراہ ہوگا اور بہانہ یہ بنائے گا کہ آخر یہ دوسرے بھی تو مسلمان ہیں؟ اسی طرح جو شخص اسلامی سطح پر آزاد خیال ہوگا۔وہ مسلم کافر بھائی بھائی کے نعرے لگائے گا اور کہتا پھرے گا کہ آخر یہ بھی تو انسان ہیں۔

اسی طرح جو شخص انسانی سطح پر آزاد خیال ہوگا وہ انسان اور حیوان میں فرق نہیں کرے گا اور کہتا پھرے گا کہ آخر یہ بھی تو مخلوق ہیں۔ایسے لوگ گدھی اور کتیا سے شادی کرنے لگتے ہیں۔لباس کو محض تکلف اور حقیقت کو چھپانا قرار دیتے ہیں۔نکاح کو ضروری نہیں سمجھتے۔اپنی ماں اور بہن کو بیوی بنا لیتے ہیں۔ان کی اولاد کسی بھی جانور سے کسی بھی شکل میں پیدا ہو سکتی ہے۔ایسے لوگ اپنے فرقے کو شیطانی مکتبۂ فکر Devil Church کہتے ہیں۔جو پوری دنیا کا ڈسپلن درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔آپ ساری تحریر پر دوبارہ غور کر لیں۔واضح ہو جائے گا کہ اصل، بنیادی اور پہلا فساد اجماع اور تواتر کا انکار ہے۔

سب سے بڑے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (The Greatest Prophet) نے سادہ سے چند لفظوں میں مذکورہ بالا ساری تحقیق کو بند کر دیا، فرمایا:

لَا تَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ یعنی میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی (ابن ماجہ حدیث: ۳۹۵۰)۔

واضح ہو گیا کہ اجماع اور تواتر کا اعتبار کر لینا ضروری ہے۔ منکرین اپنی اندھیر نگری سے واپس گھر چلے آئیں، عافیت میں رہیں گے۔

(۲)۔ الحاد کا دوسرا چور دروازہ ایسا طبقہ ہے جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کو گالیاں دیتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی براہِ راست مخالفت کرنے کی بجائے صحابہ کرام کی مخالفت کرتا ہے جس کا نتیجہ پھر وہی مخالفتِ اسلام اور مخالفتِ رسول ہے۔ قرآن پر اس طبقے کے اعتراضات بالکل وہی ہیں جو ملحدین کے ہیں۔ چنانچہ قاضی باقلانی (م ۴۰۳ھ) علیہ الرحمہ نے ایسے لوگوں کی طرف سے قرآن پر وارد ہونے والے اعتراضات کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

اِعْلَمُوْا رَحِمَکُمُ اللّٰہُ قَبْلَ الْکَلَامِ عَلَیْھِمْ اَنَّ ھٰذِہِ الْمَطَاعِنَ بِاَسْرِھَا مَطَاعِنُ الْمُلْحِدِیْنَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنی ان کی تردید کرنے سے پہلے جان لو اللہ تم پر رحم کرے کہ ان لوگوں کی طرف سے قرآن پر سارے کے سارے اعتراضات وہی ہیں جو ملحدین کی طرف سے کیے جاتے ہیں (الانتصار للقرآن صفحہ ۴۵۹)۔

یہی طبقہ جس دلیل سے متعہ ثابت کرتا ہے ملحدین اسی دلیل سے نکاح کی مخالفت کرتے ہیں۔ علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَالْمَلَاحِدَۃُ قَوْمٌ مِنَ الْعَجَمِ ظَاھِرُھُمُ الرِّفْضُ وَبَاطِنُھُمُ الْکُفْرُ وَمَقْصُوْدُھُمْ اِبْطَالُ الْاِسْلَامِ (نبراس صفحہ ۶۴)۔

(۳)۔ الحاد کا تیسرا چور دروازہ جاہل صوفی ہیں جو علم کی مخالفت کرتے ہیں اور ظاہر ہے علم کی مخالفت سے علم کے ذرائع کی مخالفت خود بخود ہو جاتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ قرآن کی ضرورت، نہ حدیث کی احتیاج اور نہ ہی اجماعِ امت کا پاس۔ بس انکے لیے آستانے کا پراپیگنڈا کافی ہے اور شاعری کافی ہے۔ آپ آزما کر دیکھ لیں جس طرح ملحدین اپنا پورا زور لگا کر علمائے کرام کی مخالفت کرتے ہیں اسی طرح جاہل صوفی بھی علمائے کرام کو مولوی اور ملاں کہہ کر ان

کی توہین کرتے ہیں۔اوران کے نزدیک کافراورمومن سب برابر ہیں۔

صحیح صوفی وہی ہے جو اجماع کا پابند ہواورقرآن وسنت کے سامنے تھم جائے۔حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب کا آغاز علم کے باب سے کیا ہے اور جابجا ملحدین کا نام لے کران کی تردید فرمائی ہے۔

حضور سیدنا غوثِ اعظم قدس سرہ العزیز نے صوفی کہلانے والے بارہ فرقے بیان فرمائے ہیں۔ان میں سے صرف اہلِ سنت و جماعت کو ناجی قرار دیا ہے اورفرمایا ہے کہ ان کے احوال اور افعال شریعت اور طریقت کے عین موافق ہوتے ہیں۔باقی سب فرقے اہلِ بدعت کے ہیں۔ان میں سے ایک فرقے کا نام ہامیہ ہے جو قرآن کو حجاب سمجھتا ہے اور اپنے شعروں کو طریقت کا قرآن کہتا ہے اور اپنا نام حیدری اور قلندری رکھ لیا ہے(سرالاسرار صفحہ ۵۸)۔

☆......☆......☆

اَحْسَنُ الْبَیَانِ فِیْ
عُلُوْمِ الْقُرْآنِ

پہلا باب:

وحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ضرورتِ وحی

انسان کے پاس علم حاصل کرنے کے بظاہر صرف دو ذرائع ہیں۔

(۱)۔حواسِ خمسہ

یعنی آنکھ، کان، ناک، زبان اور ہاتھ پاؤں۔جن کے ذریعے سے انسان دیکھتا، سنتا سونگھتا، چکھتا اور چھوتا ہے۔انکی قوتیں بالترتیب باصرہ، سامعہ، شامّہ، ذائقہ اور لامسہ کہلاتی ہیں۔

(۲)۔عقل

حواسِ خمسہ کے ذریعے سے جو اطلاعات ملتی ہیں انسانی عقل ان سے فائدہ اٹھاتی ہے۔اور کسی چیز کے فائدہ مند یا نقصان دہ ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔مثلاً حواس نے بتایا کہ یہ سانپ ہے۔اس پر عقل نے کہا کہ اسے ماردو یا بھاگ جاؤ۔

حواس اور عقل کی بے بسی

اگر عقل پر یہ سوال کردیا جائے کہ سانپ کو مارنے کے بعد اس کا گوشت کھالینا چاہیے یانہیں؟ تو یہاں عقل لاجواب ہوجائے گی یا کم ازکم پریشان ضرور ہوجائے گی۔اور اگر مختلف عقل مندوں پر یہ سوال کردیا جائے تو ان کے جوابات مختلف ہوں گے۔اس کے علاوہ انسانی زندگی میں بے شمار سوالات ایسے اٹھتے ہیں جن کا جواب حواس یا عقل نہیں دے سکتے۔مثلاً انسان کہاں سے آیا؟ کیوں آیا؟ اس نے کدھر جانا ہے؟ موت کیا ہے؟ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ ان سب باتوں کا جواب وہی دے سکتا ہے۔جسے ان سب باتوں کا سو فیصد علم ہو۔جو انسان سے بڑا ہو۔یا اس کا خالق ہو اور اس نے انسان کو دنیا میں کسی مقصد کے لیے بھیجا ہو۔

اسی بڑے اور خالق و مالک کو اللہ کہتے ہیں اور اسی کی طرف سے ملنے والی معلومات کو وحی کہتے ہیں۔ اور اگر وحی نہ ہوتو انسان اپنی ذات کے بارے میں اٹھنے والے بے شمار سوالات کے سامنے بے بس اور جاہل ہوکر رہ جائے گا۔

خدائی احکام کی اہمیت

کسی بھی مشن کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے لیے منصوبہ بندی اور لائحہ عمل تیار کرتے وقت نتائج اور عواقب پر نظر رکھی جائے۔

اگر تیز رفتاری کا انجام حادثہ ہوتو اس سے وہ سست رفتاری بہتر ہے جس کا انجام بخیر وعافیت منزلِ مقصود تک پہنچنا ہو۔

موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسکا انکار دنیا کا کوئی انسان نہیں کرسکتا۔ دین، مذہب اور خدا کے منکر تو دنیا میں موجود ہیں لیکن موت سے کسی ایک شخص کو بھی انکار نہیں۔ لہٰذا انسان کیلیے زندگی گزارنے کا وہی لائحہ عمل اور ضابطہ کامیاب رہے گا جو اسکی موت اور آخرت کو مدّنظر رکھتے ہوئے مرتب کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس جو قانون انسان کے انجام اور عاقبت کو ملحوظ رکھے بغیر تیار کردیا گیا ہو وہ بالآخر انسان کو تباہی اور حادثے سے دوچار کردے گا خواہ وہ بظاہر کتنا ہی جدید اور تیز رفتار محسوس ہوتا ہو۔

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: يَا نَبِيَّ اللهِ، مَنْ أَكْيَسُ النَّاسِ وَأَحْزَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: أَكْثَرُهُمْ ذِكْراً لِلْمَوْتِ، وَأَشَدُّهُمْ اِسْتِعْدَاداً لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُولِ الْمَوْتِ، أُولَئِكَ هُمُ الْأَكْيَاسُ، ذَهَبُوا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ یعنی یارسول اللہ لوگوں میں کونسا شخص سب سے زیادہ سمجھدار اور محتاط ہے۔ فرمایا جو موت کو سب سے زیادہ یاد رکھے اور ہروقت موت کے لیے تیار رہے موت آنے سے پہلے، ایسے ہی لوگ دانشمند ہیں، دنیا میں شرف اور آخرت میں عزت وآبرو اُن کا مقدر ہے (المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۴۸۸)۔

موت کی یاد سے دانشمندی میں اضافے کی بھی یہی وجہ ہے کہ موت کو یاد رکھنے والا شخص ہر کام کیلیے لائحہ عمل تیار کرتے وقت اپنی موت اور انجام پر نظر رکھتا ہے اور کوئی ایسا فیصلہ

نہیں کرتا جو اس کی عاقبت کو خراب کرنے کا سبب بنے۔ تجربہ کار شخص اس کو کہا جاتا ہے جو مختلف منصوبوں کے انجام دیکھ چکا ہو۔ بوڑھے شخص کا مشورہ اسی لیے اہم ہوتا ہے کہ وہ تجربہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ قریب المرگ ہونے کی وجہ سے موت پر نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب ہے اور اس نے انسان کی موت، انجام اور آخرت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے احکام نازل فرمائے ہیں لہٰذا کوئی بھی انسانی قانون اللہ کے دیے ہوئے قانون کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ دنیا کے فیصلے کرتے وقت آخرت پر نظر رکھنے کا حکم ان الفاظ سے دیتا ہے: وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا یعنی جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں آخرت کے فوائد تلاش کر اور دنیا میں بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر (القصص:۷۷)۔

دوسری جگہ فرمایا: فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى یعنی جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو اپنے رب کے سامنے جواب دہی سے ڈرا اور اپنے نفس کو بری خواہش سے روکا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے (النّٰزعٰت:۳۷تا۴۱)۔

اللہ نے انسان کو ہر اس کام کا حکم دیا ہے جو اسکے حق میں بہتر ہے اور ہر اس کام سے منع کیا ہے جو اس کیلیے نقصان دہ ہے۔ اللہ جانتا ہے اور انسان نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی جس چیز کا رسول تمہیں حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس سے روکیں اس سے رُک جاؤ (الحشر:۷)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے: وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز سے نفرت کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے نقصان دہ ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (البقرۃ:۲۱۶)۔

نزولِ وحی کا طریقہ

نصاریٰ کے نزدیک جب کسی نبی کے شاگرد اپنے نبی کے حالاتِ زندگی قلمبند کرتے ہیں تو یہی آسمانی کتاب کہلاتی ہے۔ چنانچہ موجودہ انجیل بالکل اسی ڈھب پر لکھی گئی ہے اور ہر شاگرد کی کتاب اسی شاگرد کے نام سے مشہور ہے۔ ہمارے ہاں ایسی کتاب کو سیرت کی کتاب کہا جاتا ہے۔ آسمانی کتاب وہی کہلا سکتی ہے جسے با قاعدہ طور پر اللہ کریم نے خود اپنے رسول پر وحی کے ذریعے نازل کیا ہو۔ وحی کے تین طریقے قرآنِ پاک میں بیان ہوئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ یعنی کسی بشر سے اللہ کے ہم کلام ہونے کا یہی عمومی طریقہ ہے کہ اس پر وحی کرے یا پردے کے پیچھے سے بات کرے یا فرشتہ بھیجے جو اللہ کی مرضی کے مطابق وحی پہنچا دے (الشوریٰ:۵۱)۔

اس آیت میں وحی کے تین طریقے بیان ہوئے ہیں۔ (۱) صدائے مطلق۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے گھنٹیوں جیسی آواز سنائی دیتی ہے اور یہ وحی مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ وَهُوَ أَشَدُّهٗ عَلَيَّ (بخاری: ۲، مسلم: ۲۰۵۹، ترمذی: ۳۶۳۴)۔ (۲) اللہ تعالیٰ پردے کے پیچھے سے کلام فرمائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر ہر بات ہوتی تھی۔ (۳) فرشتہ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے وحی کا آنا۔ خواہ حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں نظر آئیں (ایسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ صرف تین مرتبہ ہوا) خواہ کسی انسانی صورت میں نظر آئیں (حضرت جبریل علیہ اسلام اکثر حضرت دِحیہ کلبی کی صورت میں نظر آتے تھے) اور خواہ سامنے آئے بغیر نبی کے قلب پر القاء کر دیں۔

ان تین طریقوں کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاصّہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیساتھ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات براہِ راست اور بلا حجاب کلام فرمایا جسکی کیفیت کا بیان کرنا انسان کے بس میں نہیں۔ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى یعنی تو وحی فرمائی اپنے عبدِ مقدس کو جو وحی فرمائی (النجم:۱۰)۔

☆......☆......☆

دوسرا باب:

قرآن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کا ذاتی نام قرآن ہے جبکہ ھدیٰ، نور، الکتاب، حکیم، روح، تنزیل اور بیان وغیرہ اس کے صفاتی نام ہیں۔کوئی دوسری آسمانی کتاب اپنا نام خود بیان نہیں کرتی۔جبکہ قرآن نہ صرف اپنا نام خود بیان کرتا ہے بلکہ اپنے مکمل کوائف وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡآن یعنی ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا (گویا اس کتاب کا نام قرآن ہے)(طٰہٰ:۲)۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاهُ قُرۡآناً عَرَبِیاًّ یعنی ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا(یوسف:۲)۔

نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ یعنی یہ (حضرت سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا (محمد:۲)۔

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرآنُ یعنی رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا(البقرۃ:۱۸۵)۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ یعنی ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا(القدر:۱)۔

اِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلۡبِكَ یعنی اسے جبریل (علیہ السلام) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قلب پر نازل کیا(البقرہ:۹۷)۔

بَلۡ هُوَ قُرۡآنٌ مَّجِیۡدٌ فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ یعنی یہ قرآن مجید لوحِ محفوظ میں درج ہے(البروج:۲۱،۲۲)۔

قرآن کی ترتیب،الفاظ اور معنی کی حفاظت کا ذمہ دار خود اللہ تعالیٰ ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ یعنی بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں(الحجر:۹)۔

اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَ قُرۡآنَهٗ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡآنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا

بَیَانَہٗ (القیامۃ:۱۸،۱۹)۔

ترجمہ: بے شک اسے جمع کرنا اوراسے پڑھانا ہمارے ذمے ہے،تو جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اسکے پڑھے جانے کی طرف متوجہ رہیں، پھر بعد میں اس کی وضاحت ہمارے ذمے رہی۔

اس کے برعکس تورات، زبور اور انجیل نہ تو اپنا نام خود بتا سکتی ہیں اور نہ ہی دیگر کوائف۔اورجن زبانوں میں یہ نازل ہوئی تھیں انکے اصل نسخے دنیا سے ناپید ہو چکے ہیں اور اب تراجم اورتراجم کے تراجم پر گزارا ہے۔بلکہ انکی اصل زبانیں مثلاً آرامی وغیرہ آج دنیا میں کسی جگہ بھی بولی تک نہیں جاتیں۔

بعض عیسائی کہتے ہیں کہ تورات کا معنی ہے قانون کی کتاب، زبور کا معنی ہے نغموں کی کتاب اورانجیل کا معنی ہے خوشخبری۔ بائیبل میں قانون کی کتاب، نغموں کی کتاب اور خوشخبری کے الفاظ موجود ہیں۔ یہ بالترتیب تورات، زبوراورانجیل ہی کا ترجمہ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ معنی انہی الفاظ کے ہیں جو آپ نے بیان کیے ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ نام (Proper noun) کا ترجمہ کر دینا بہت بڑی غلطی ہے۔ اسی سے تحریف اورتبدیلی کے دروازے کھلتے ہیں۔اگر پادریوں نے کتابوں کے ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا ہے تو پھر مان لیجیے کہ محمد، مکہ اور مدینہ کا بھی انہوں نے ضرور ترجمہ ہی کر دیا ہوگا اور حقیقت ترجمے کے پردوں میں چھپ گئی ہوگی۔

القرآن کے لفظی معنی

قرآن کا لفظ کفران اور رجحان کی طرح مصدر ہے۔ پڑھنے اور جمع کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (مفرداتِ راغب: صفحہ ۴۱۴)۔حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن بمعنی قراءۃ ہے۔اَلْقُرْآنُ وَالْقِرَآءَۃُ وَاحِدٌ کَالْخُسْرَانِ وَالْخَسَارَۃِ وَاحِدٌ یعنی قرآن اورقرأت ایک ہی چیز ہے جیسے خسران اورخسارہ ایک ہی چیز ہوتے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ قَرَءَ سے مصدر ہے مِنْ قَوْلِ الْقَائِلِ قَرَءْتُ الْمَآءَ فِی الْحَوْضِ اِذَا جَمَعْتُہٗ (تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۲۶۰ تحت ذلک الکتاب)۔

(ا)۔اگر یہ لفظ قِرَءَۃٌ کا ہم معنی ہوتو اس کا مطلب ہے ”پڑھی جانی والی کتاب“۔ بلاشبہ قرآن دنیا بھر میں واحد ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔اس کے حفاظ کی تعداد کا شمار تقریباً ناممکن ہے۔اس کے ناظرہ خوان تقریباً تمام مسلمان ہیں۔عجیب بات یہ ہے کہ آج تک اس کی اصل زبان محفوظ ہے۔

عربی زبان آج بھی عرب ممالک میں بولی، سمجھی، لکھی اور پڑھی جارہی ہے۔قرآنی زبان کی مزید حفاظت کے لیے صرف اور نحو کا علم رائج کر دیا گیا ہے۔اس کے صحیح تلفظ کے لیے تجوید کا فن قائم کر دیا گیا ہے اور اعراب لگا کر اس کتاب کی اصلی حالت کو قیامت تک کے عجمیوں کے لیے بھی برقرار کر دیا گیا ہے۔دنیا کی کسی دوسری کتاب کو یہ اعزازات حاصل نہیں۔

صرف رمضان شریف میں ہی اس کتاب کے پڑھنے، سننے اور دہرانے کا عمل اس قدر کثیر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ اس کتاب کو کئی کئی مرتبہ دُہرا دیتا ہے۔

قرآن کی تفاسیر اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی صحیح تعداد کا آج تک کسی کو علم نہیں۔

(۲)۔اگر یہ لفظ قَرْءٌ سے بنا ہو تو اسکا معنی ہے جمع کی گئی کتاب یا جس کتاب میں سب کچھ جمع کر دیا گیا ہو۔

یہ کتاب جمع اس طرح کی گئی ہے کہ ایک بار ہی نازل نہیں ہوئی بلکہ ۲۳ سال کے عرصہ میں حسبِ موقع نازل ہوتی رہی۔آہستہ آہستہ نازل ہونے کے فوائد یہ ہوئے کہ

(ا)۔قرآن کو اچھی طرح سمجھنا اور زبانی یاد کرنا آسان ہو گیا۔

(ب)۔امت پر اچانک احکام کا بوجھ نہ پڑا۔بلکہ حسبِ برداشت آہستہ آہستہ احکام ملتے رہے۔

(ج)۔ہر آیت کا الگ شانِ نزول دیکھ کر اس کا صحیح مفہوم جاننے میں مدد ملی۔

(د)۔قرآن کے بار بار نزول کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے بار بار رابطہ ہوتا رہا اور حضرت جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری سے برکت حاصل ہوتی رہی اور قرآنی اعجاز کی تجدید جاری رہی۔اس سے نبی کریم ﷺ اور اہلِ اسلام علیہم رضوان کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔

(ھ)۔قرآن کی بہت سی آیات لوگوں کے سوالات کے جواب میں نازل ہوئی ہیں۔

ازخود تقریر کردینے کی بجائے طالب علم کی تشنگی کا بہتر حل یہ ہوتا ہے کہ اسکے سوالات کا جواب دیا جائے۔ چنانچہ یہ سوال کہ قرآن ایک ہی بار نازل کیوں نہ ہوا؟ اسکا جواب بھی ذیل کی آیتوں میں دے دیا گیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا یعنی کافروں نے کہا کہ اس پر قرآن ایک ہی بار نازل کیوں نہیں کیا گیا۔ درست ہے کہ ہم نے اسے آہستہ آہستہ اتارا ہے، اسکی وجہ یہ ہے تاکہ ہم اس سے آپ کا دل ثابت رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا ہے اور یوں یہ لوگ آپ کے پاس جو بھی سوال لے کر آئیں گے ہم اس کا حقیقی اور مفصل جواب دیں گے (الفرقان: ۳۲، ۳۳)۔ اس آیت میں تنزیل قرآن کی تمام حکمتیں اشارۃً بتادی گئی ہیں۔

اس کتاب میں سب کچھ اس طرح جمع کر دیا گیا ہے کہ عقائد، عبادات، سیاست، معیشت، طب، سائنس، جغرافیہ، ریاضی، نفسیات، اخلاقیات، معاشرت، تصوف الغرض تمام علوم اس کتاب میں موجود ہیں۔ خود قرآن اپنے بارے میں فرماتا ہے کہ:

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز کو بیان کرنے والا (یوسف: ۱۱۱)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ یعنی ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا کھلا بیان ہے (النحل: ۸۹)۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے اونٹ کی رسّی بھی گم ہوجائے تو میں قرآن سے اس کا پتہ چلاسکتا ہوں۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِن تَقَاصَرَ مِنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

تمام علوم قرآن میں موجود ہیں مگر لوگوں کی سمجھ وہاں تک نہیں پہنچ سکی۔

حضرت امام شافعی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر لوگ صرف سورۃ العصر کو ہی غور سے سمجھ لیں تو دین و دنیا کی اصلاح کے لیے کافی ہوجائے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا یَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَآءُ وَلَا یُخْلَقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَلَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ یعنی قرآن سے علماء کبھی سیر نہیں ہوں گے۔ اور نہ ہی بار بار پڑھنے سے کسی کا دل بھرے گا اور اس کے عجائب قیامت تک سامنے آتے رہیں گے (ترمذی:۲۹۰۶)۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جُمِعَ فِیْہِ عُلُوْمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ یعنی قرآن میں تمام اولین و آخرین کے علوم جمع کر دیے گئے ہیں (تفسیر کبیر جلد ا صفحہ ۲۶۰)۔

امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: تَسْمِیَۃُ ھٰذَا الْکِتَابِ قُرْآناً مِنْ بَیْنِ کُتُبِ اللّٰہِ لِکَوْنِہٖ جَامِعاً لِثَمَرَۃِ کُتُبِہٖ بَلْ لِجَمْعِہٖ ثَمَرَۃَ جَمِیْعِ الْعُلُوْمِ کَمَا اَشَارَ تَعَالٰی اِلَیْہِ بِقَوْلِہٖ: وَ تَفْصِیْلُ کُلِّ شَیْءٍ وَ قَوْلِہٖ: تِبْیَاناً لِّکُلِّ شَیْءٍ یعنی تمام آسمانی کتابوں میں سے اس کتاب کو قرآن کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب دوسری تمام کتابوں کی جامع اور ان کا نچوڑ ہے بلکہ تمام علوم کے نچوڑ کا مجموعہ ہے جیسا کہ اللہ کریم نے ان آیات میں اشارہ فرمایا ہے کہ: قرآن میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اور فرمایا کہ اس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے (مفرداتِ راغب صفحہ ۴۱۴)۔

(۳)۔ اگر یہ لفظ قرن سے بنا ہو تو اس کا معنی ہے "جڑا ہوا"۔

قرآن اپنی تعلیمات کے لحاظ سے سابقہ آسمانی کتابوں کی تعلیم سے جڑا ہوا ہے۔ اور اس کی تعلیمات اصولی طور پر اگلے صحائف میں بھی موجود ہیں۔

اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی یعنی یہ بات پہلے صحائف میں بھی موجود ہے صحفِ ابراہیم و موسیٰ میں (الاعلیٰ:۱۹)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: کَذٰلِکَ یُوْحِیْ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ اللّٰہُ یعنی اسی طرح اللہ آپ کی طرف وحی کرتا ہے اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف بھی وحی کی تھی (الشوریٰ:۳)۔

ایک اور جگہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی میں نے آپ سے پہلے جتنے انبیاء بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سواء کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا میری ہی عبادت کرو (الانبیاء:۲۵)۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے: قُلۡ مَا كُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی اے نبی فرمادیجیے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں (الاحقاف:۹)۔

مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سلسلۂ انبیاء علیہم السلام ہی کی آخری کڑی ہیں اور قرآن آسمانی سلسلۂ ہدایت ہی کی تکمیل کرتا ہے۔

قرآن اس معنی میں بھی سابقہ آسمانی کتب سے جڑا ہوا ہے کہ ان کتابوں میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے جو تذکرے اور پیش گوئیاں موجود تھیں قرآن نے ان سب باتوں کی تصدیق کردی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ یعنی ایمان لاؤ اس پر جو میں نے نازل کیا ہے اور یہ اسکی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے (البقرۃ:۴۱)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے: یَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ یعنی وہ اسے اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (الاعراف:۱۵۷)۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ساتھی کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ اللہ کے فضل و رضا کی خاطر رکوع اور سجود میں رہتے ہیں۔ انکے چہروں میں سجدے کے نشان انکی علامت ہے۔ ان کی یہی مثال تورات اور انجیل میں بھی ہے (الفتح:۲۹)۔

قرآن اپنے بعد کے زمانے کے لحاظ سے قیامت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ یعنی اور یہ لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل ہوا اور جو آپ سے پہلے نازل ہوا اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں (البقرۃ:۴)۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی چیز (یعنی قرآن) کا بھی ذکر ہے

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نازل ہونے والی چیز کا بھی ذکر ہے۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نازل ہونے والی کسی چیز کا ذکر کرنے کی بجائے آخرت کا ذکر موجود ہے۔ مراد یہ ہے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی وحیِ نبوّت کی بجائے قیامت کا انتظار کرنا ہوگا۔ پورا قرآن پڑھ کر دیکھ لیجیے آخرت کا لفظ قیامت کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔قرآن میں کہیں صرف آخرت اور کہیں یومِ آخر کے الفاظ آئے ہیں۔معلوم ہوا کہ قرآن قیامت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو جوڑ کر دکھایا اور ارشاد فرمایا کہ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ یعنی میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں (بخاری: ۶۵۰۴، مسلم: ۷۴۰۴)۔ گویا قرآن کے لفظ میں ہی ختمِ نبوت کا مفہوم پایا جا رہا ہے۔

نزولِ قرآن

قرآن نزول سے قبل لوحِ محفوظ میں محفوظ چلا آیا ہے اللہ کریم فرماتا ہے: بَلْ ھُوَ قُرْآنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوحِ محفوظ میں (البروج: ۲۱، ۲۲)۔

قرآن مجید کو لوحِ محفوظ سے بیت المعمور پر لیلۃ القدر میں یک بارگی اتارا گیا۔ بیت المعمور آسمانِ دنیا (پہلے آسمان) پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے جو کعبہ شریف کی سیدھ میں ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ میں اسی نزول کا ذکر ہے اور اسکے بعد ۲۳ سال کے عرصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ (الفرقان: ۳۲) میں اسی نزول کی بات ہو رہی ہے۔ اور اسی کے پیشِ نظر اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ (القیامۃ: ۱۷) کا وعدہ کیا گیا ہے۔

احادیث میں اسی طرح ہے کہ قرآن کا پہلا نزول آسمانِ دنیا پر یکبارگی ہوا اور دوسرا نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تدریجاً ہوا (بغوی جلد ۴ صفحہ ۶۵۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۶۸۹)۔

پہلی وحی کے نزول کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چالیس برس تھی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِاَرْبَعِیْنَ سَنَۃً (بخاری: ۳۹۰۲)۔

پہلی وحی

نبی کریم ﷺ پر سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ روزِ روشن کی طرح سچا ثابت ہوتا تھا۔ پھر آپ ﷺ کو تنہائی پسند کرادی گئی۔ آپ ﷺ غارِ حرا میں کئی کئی راتیں تنہا گزارتے اور عبادت کرتے۔ کھانے پینے کا سامان ختم ہوجاتا تو دوبارہ گھر تشریف لاکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے لے جاتے حتیٰ کہ اسی غارِ حرا میں اللہ کریم کی طرف سے فرشتہ آیا اور اُس نے کہا اِقۡرَاۡ یعنی پڑھ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ یعنی میں پڑھنے والا نہیں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے اپنے الفاظ میں حدیث شریف اس طرح ہے کہ میرے اِس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اتنے زور سے بھینچا کہ میں نے بڑی ہمت سے برداشت کیا پھر اُس نے چھوڑا اور کہا: اِقۡرَاۡ میں نے پھر کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں اُس نے تیسری بار مجھے پکڑا اور اِسی طرح بھینچا اور چھوڑ کر کہا:

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ اِقۡرَاۡ وَرَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ یعنی اے محبوب پڑھیئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، خونِ بستہ سے انسان کو بنایا، آپ پڑھیں ور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے، جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، انسان کو سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا (العلق: ۱ تا ۵)۔ اس کے بعد وحی کا سلسلہ عارضی طور پر بند ہوگیا (بخاری: ۳، مسلم: ۴۰۵)۔

تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا۔ اسے زمانہ فَترت کہا جاتا ہے۔ یعنی انقطاع کا زمانہ۔ فترتِ وحی کے بعد کا واقعہ نبی کریم ﷺ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ میں ایک مرتبہ چل رہا تھا کہ میں نے اچانک آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو زمین و آسمان کے درمیان وہی فرشتہ دیکھا جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ مدثر کی آیات نازل فرمائیں اور اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا (بخاری: ۴، مسلم: ۴۰۶)۔

حفاظتِ قرآن

۲۳ سال کے طویل عرصے میں قرآن مجید آہستہ آہستہ نازل ہوتا رہا۔ اسکا زبردست فائدہ یہ ہوا کہ قرآن نہ صرف نبی کریم ﷺ کو آسانی سے یاد ہو گیا بلکہ بے شمار صحابہِ کرام علیہم الرضوان بلکہ خواتین نے بھی اِسے حفظ کرلیا۔ آج کے دور میں قرآن شریف صرف تین سال میں بڑی آسانی سے حفظ کرلیا جاتا ہے۔ تو پھر اس عظیم دور کے عظیم لوگوں کیلیے تین سال کی بجائے تیئس ۲۳ سال کے عرصے میں قرآن کو حفظ کرنا کس قدر آسان رہا ہوگا۔ اس بات سے کوئی شخص بقائمی ہوش و حواس انکار نہیں کرسکتا۔

مزید کمال یہ کہ خود اللہ کریم نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اور نبی کریم ﷺ کو قرآن کی حفاظت کے بارے میں زیادہ فکرمند ہونے سے منع فرمایا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ یعنی قرآن جلدی جلدی یاد کرنے کی غرض سے اپنی زبان مبارک کو حرکت نہ دیں۔ بلاشبہ قرآن کو جمع کرنا اور اسے ٹھیک ٹھیک پڑھانا ہماری ذمہ داری ہے۔ جب ہم قرآن نازل کررہے ہوں تو آپ صرف سنتے رہا کریں۔ پھر اسکا مکمل بیان ہمارے ذمہ ہے (القیامۃ: ۱۶ تا ۱۹)۔

اس آیت سے ایک بات تو یہ واضح ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کو قرآن کی حفاظت کی سخت فکر تھی۔ دوسری بات یہ واضح ہوگئی کہ قرآن کو جمع کرنا، اس کی ترتیب کا بندوبست کرنا اور اس کے معانی و مفاہیم تک کو محفوظ کردینا یہ سب کام نبی کریم ﷺ کی مرضی کے مطابق اللہ کریم نے اپنے ذمے لیے ہیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ظاہریہ میں ہی قرآن مکمل ہوا۔ اسے نبی کریم ﷺ نے خود یاد کیا۔

ہر سال نبی کریم ﷺ رمضان شریف کے مہینہ میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ

قرآن شریف کا دور کرتے تھے اور آخری سال میں دومرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ قرآن شریف کا دَور ہوا (بخاری قبل حدیث:۴۹۹۷)۔ بخاری کے اسی صفحے پر ایک باب ہے جسکا نام ہے کَانَ جِبْرِيْلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ یعنی جبریل علیہ السلام کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دَور کرنا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی بھاری اکثریت کو قرآن یاد تھا جن میں خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، عبادلہ اور امہات المومنین وغیرہ زیادہ اہم اور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

قرآن کی حفاظت کے لیے ایک زبردست سسٹم نماز اور تراویح کا ہے۔ روزانہ ہر مسجد میں پانچ مرتبہ ہر نمازی کو کچھ نہ کچھ قرآن پڑھنا یا سننا پڑتا ہے۔ رمضان شریف کے مہینے میں نمازِ تراویح میں مکمل قرآن ہر مسجد میں ختم کیا جاتا ہے جسے ہر اہلِ محلہ دل جمعی کے ساتھ سنتے ہیں اور کم ازکم ایک حافظ امام کے پیچھے کھڑا ہو کر پورے قرآن کی سماعت کرتا ہے اور اگر امام کہیں غلطی کرے تو اس کی اصلاح کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے قرآن کو سیکھنے اور سکھانے کے لیے مسلمانوں کے دلوں میں زبردست رغبت پیدا فرمائی ہے اس موضوع پر چند احادیث ملاحظہ کریں۔

(ا)۔ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن مجید کو سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں (بخاری:۵۰۲۷)۔

(ب)۔ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ حافظِ قرآن سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ قرآن پڑھ جس طرح تو دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا اور جنت کی منازل چڑھتا جا، آخری آیت جہاں ختم ہوگی وہاں تیری منزل ہوگی (ابوداؤد:۱۴۶۴، ترمذی:۲۹۱۴)۔

(ج)۔ اِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهٖ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ جس کے سینے میں تھوڑا سا قرآن بھی نہیں ہے اسکا سینہ اجڑے ہوئے مکان کی طرح ہے (ترمذی:۲۹۱۳)۔

(د)۔ قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْآنَ فِيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهٗ فِي الْمُصْحَفِ تُضَعَّفُ عَلٰى ذٰلِكَ اِلٰى اَلْفَيْ دَرَجَةٍ آدمی کا زبانی قرآن پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے جب کہ مصحف میں دیکھ کر قرآن پڑھنا اس سے دوگنا ثواب رکھتا ہے (شعب الایمان

للبیہقی: ۲۲۱۸، مشکوٰۃ: ۲۱۶۷)۔

اس آخری حدیث میں حافظِ قرآن کو زبانی پڑھنے کے ساتھ ساتھ صحیفہ تیار رکھنے اور اسے دیکھ کر تلاوت کرنے کی تحریص دی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس قسم کے ارشادات کی تفصیل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ کتبِ حدیث میں ''فضائل القرآن'' کے نام سے مستقل ابواب موجود ہیں۔ ان ابواب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن کو مکمل یاد کرانے اور اسے صحائف میں لکھ لینے پر بہت زور دیا ہے۔ سورتوں کے فضائل الگ الگ بھی بیان فرمائے ہیں اور جس شخص کو تھوڑا سا قرآن بھی یاد نہ ہو اس کے سینے کو ویرانہ قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شروع سے آج تک پوری امت کا سینہ قرآن کا خزینہ ہے۔

قرآن کے حفظ و تعلیم پر اس قدر زور دیا جاتا تھا کہ جو آدمی بھی مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ شریف میں آتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُسے کسی نہ کسی انصاری کے سُپرد کر دیتے تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے۔ مسجد نبوی میں قرآن سیکھنے والوں کا اتنا شور ہوتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خلجان سے بچاؤ کے پیشِ نظر انہیں اپنی آوازیں پست رکھنے کا حکم دیا۔ خواتین کو قرآن سیکھنے کا اس قدر شوق تھا کہ بعض خواتین نے اپنے شوہروں سے مہر کے طور پر قرآن سکھانے کی درخواست کی (مناہل العرفان جلد ا صفحہ ۲۳۴)۔

تدوینِ قرآن

گزشتہ سطور میں واضح ہو چکا ہے کہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان، صحابیات رضوان اللہ علیہن کو زبانی یاد تھا۔ آج تک اس کے بے شمار حافظ چلے آ رہے ہیں اور انشاء اللہ العزیز یہی سلسلہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ بلاشبہ اس سلسلے میں قرآن دیگر آسمانی کتابوں پر واضح سبقت (Lead) حاصل کر چکا ہے۔

اس عظمت، شان اور سبقت کے ساتھ ساتھ قرآن نے تحریری اور کتابی حفاظت کا اعزاز بھی جیت لیا ہے۔ قرآن کی کتابت و تدوین کے مندرجہ ذیل تین مراحل ہیں۔

(ا)۔عہدِ رسالت میں تدوین و کتابت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کاتبِ وحی کو فرماتے کہ اسے فلاں سورۃ میں تحریر کرو۔ اِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ الْآيَةُ فَيَقُوْلُ : ضَعُوْا هٰذِهِ الآيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَ كَذَا (ابوداؤد:۷۸۶،ترمذی:۳۰۸۶)۔

قرآن کو پتھر کی سِلوں، چمڑے کے ٹکڑوں، کھجوروں کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درختوں کے پتوں، جانوروں کی ہڈیوں اور کاغذوں پر لکھا جاتا تھا(فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۱)۔

اہم کاتبین وحی میں خلفاءِ راشدین،حضرت زید بن ثابت،حضرت اُبی بن کعب انصاری،حضرت زبیر بن عوام،حضرت امیر معاویہ،حضرت مغیرہ بن شُعبہ،حضرت خالد بن ولید، حضرت ثابت بن قیس،حضرت اَبان بن سعید،حضرت طلحہ بن عبداللہ،حضرت سعید بن عاص، حضرت سعد بن ابی وقاص،حضرت عبداللہ بن ارقم ،حضرت عامر بن مغیرہ،حضرت حذیفہ بن یمان وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کا نسخہ خود اپنی نگرانی میں مرتب کرایا تھا۔جو مختلف پارچوں پر درج تھا۔اس کے علاوہ مختلف صحابہ کرام علیہم الرضوان ذاتی طور پر بھی آیاتِ قرآنی اپنے پاس لکھ لیتے تھے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہن اور بہنوئی نے آیاتِ قرآنی ایک صحیفہ پر لکھی ہوئی تھیں (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۱۷)۔

(ب)۔عہدِ صدیقی میں تدوینِ قرآن

جنگِ یمامہ میں جب بہت سے حفاظ شہید ہو گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآن کا ایک مکمل نسخہ تیار کرنے پر آمادہ کیا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی۔انہوں نے (تسلی کی غرض سے) کھجور کے پتوں ، پتھر کے ٹکڑوں اور حفاظِ کرام کے سینوں سے اسے جمع کیا فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ اَجْمَعُهٗ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ (بخاری:۴۹۸۶)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت زید کی امداد پر مامور ہوئے۔واضح رہے کہ یہ

دونوں بزرگ خود بھی حافظ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمیت بے شمار صحابہ و صحابیات علیہم الرضوان بھی حافظ تھے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے کے نسخے اور صحائف بھی موجود تھے۔ قرآن کی حفاظت و بقا کے لیے یہی سامان کافی شافی تھا۔ اس کے باوجود قرآن کو جمع کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ایک ایسا کامل نسخہ تیار کر دیا جائے جس کی طرف بوقتِ ضرورت رجوع کرنا آسان ہو، بس۔ ورنہ قرآن پہلے ہی حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔

مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے کاتبِ وحی حضرت شرحبیل بن حسنہ کندی رضی اللہ عنہ تھے اور مدینہ منورہ میں سب سے پہلے کاتبِ وحی حضرت اُبی بن کعب بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

صرف اتنے سے کام کے لیے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس قدر احتیاط فرمائی کہ اس بات کا اعلان کر دیا کہ جس کسی کے پاس قرآن کا کوئی حصہ لکھا ہوا موجود ہو وہ زید بن ثابت کے پاس لے آئے۔

جب کوئی صحابی ان کے پاس لکھی ہوئی آیت لے کر آتے تو وہ اسے اس وقت تک قبول نہ کرتے جب تک کوئی دوسرا صحابی اس بات کی تصدیق نہ کرتا کہ یہ آیت اسکے سامنے نبی کریم ﷺ نے خود لکھوائی تھی۔ اسکے بعد اس کا موازنہ دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے پاس موجود نسخوں سے بھی کیا جاتا۔ اور حضرت زید اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے حافظے سے بھی اسکی تصدیق کرتے۔

اتنے مراحل سے گزرنے کے بعد کسی آیت کو قبول کر کے اسے اِس نسخے میں درج کیا جاتا۔ اس طرح مرتب ہونے والے اس نسخے کو "اُمّ" کا نام دیا گیا۔ جو سات قرأتوں پر مشتمل تھا (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۱)۔

(ج)۔ عہدِ عثمانی میں جمعِ قرآن

قرآن سات قرأتوں پر نازل ہوا تھا۔ مختلف صحابہ کرام نے اسے نبی کریم ﷺ سے مختلف قرأتوں میں ہی سیکھا تھا۔ اب ہر صحابی اپنے شاگردوں کو اس لہجے میں پڑھاتے تھے جس لہجے میں انہوں نے خود سیکھا تھا۔ جاننے والے جانتے تھے کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں

ہے۔لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا۔صحابہ کرام کے شاگردوں میں یہ اختلاف جان پکڑنے لگا خصوصاً مدینہ شریف سے دور دراز علاقوں میں جھگڑے پیش آنے لگے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف میں اس بات کا مشاہدہ کرلیا تھا۔

اُدھر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مصروفیت کے دنوں میں لوگوں میں یہ اختلاف دیکھا تو واپس آکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔انہوں نے بتایا کہ آرمینیا میں شام سے آئے ہوئے لوگ اُبی بن کعب کی قرأت پڑھ رہے تھے جس سے اہلِ عراق بے خبر تھے اور اہلِ عراق عبداللہ بن مسعود کی قرأت پڑھ رہے تھے جس سے شامی بے خبر تھے اور دونوں ایک دوسرے پر تنقید کر رہے تھے۔لہٰذا اس مسئلے کا مناسب حل نکالیے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُم المومنین حضرت حفصہ سے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے صحیفے نکلوائے کہ نقل کرنے کے بعد انہیں واپس دے دیا جائے گا۔پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہِ کرام علیہم الرضوان کی ایک کمیٹی تشکیل دی وہ چار صحابی یہ تھے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضی اللہ عنہم۔ان چار صحابہ میں حضرت زید، انصاری تھے جبکہ باقی تینوں قریشی تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جب تمہارا زید سے کسی لفظ کے بارے اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھ دینا۔اِس لیے کہ قرآن قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور نقل کرنے کے بعد صدیقی صحائف کو واپس حضرت حفصہ کے پاس بھیج دیا گیا۔اس کمیٹی نے مکمل قرآن کے کئی نسخے تیار کیے اور تمام بڑے بڑے شہروں میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا گیا اب اس قدر تسلی کر لینے کے بعد چھوٹے صحائف کو نذرِ آتش کر دیا گیا (بخاری:۴۹۸۷)۔

اس کمیٹی نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی صحیفے میں لکھا تھا۔الفاظ پر نقطے اور اعراب نہ لگائے تا کہ اسے ہر اعراب اور قرأت کے مطابق پڑھا جاسکے۔ان نسخوں کی تعداد سات تھی۔جن میں سے ایک مکہ شریف، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا جبکہ ساتواں نسخہ مدینہ شریف میں رکھ لیا گیا (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۷)۔

قرآن مجید کے حروف اور سات قرائتیں

لسانیات کی معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہر زبان کے بولنے والے لوگوں میں ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے الفاظ اور لہجوں کا اختلاف ہوا کرتا ہے۔بعض اوقات ہر گاؤں، ہر قبیلے، ہر قوم، بلکہ ہر کنبے کے لوگوں میں بھی یہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ہی گھرانے میں دو سگے بھائیوں کا لہجہ اور بعض الفاظ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ خصوصاً عرب شریف کے لوگوں کا تمدّن ہی قبائلی تھا۔ان میں اس اختلاف کا پایا جانا ایک قدرتی امر تھا۔لہٰذا ان لوگوں کی سہولت کے لیے قرآن شریف کو سات قسم کے اختلاف کی گنجائش دے کر نازل کیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنْهُ بلاشبہ یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے جو طریقہ آسان لگے اسطرح پڑھ لو (بخاری: ۴۹۹۲،۶۹۳۶)۔

ایک اور حدیثِ مرفوع میں ہے کہ : اُنْزِلَ ھٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ یعنی یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے (رواہ البغوی فی شرح السنہ، مشکوٰۃ: ۲۳۸)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ میرے پاس جبریل آئے اور قرآن کو ایک حرف پر پڑھا۔ میں نے انہیں واپس بھیج دیا کہ اس میں قرأت کی سہولت لے کر آئیں۔ میں انہیں بار بار واپس بھیجتا رہا حتیٰ کہ سات حروف تک کی رعایت مل گئی (بخاری: ۴۹۹۱، مسلم: ۱۹۰۲)۔

اس قسم کی بہت سی احادیث بخاری اور مسلم میں موجود ہیں۔اور مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۱۹۲ پر درج ہیں اور صحیح بخاری میں کتاب فضائل القرآن میں ایک باب موجود ہے جسکا نام ہے "اُنْزِلَ ھٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ" سات حروف سے مراد قرأتیں یا لغات یا انواعِ احکام ہیں۔اور لغتِ عرب کی اطراف واقسام بھی مراد ہیں گویا عرب کی بے شمار لغات میں سے صرف سات لغات مراد ہیں۔ جو یہ ہیں:

۱۔قریش ۲۔طی ۳۔ہوازن ۴۔اہل یمن

۵۔ثقیف ۶۔ہذیل ۷۔بنی تمیم (مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۵)۔

لیکن کسی طریقے سے بھی نفسِ مضمون اور اصلی مفہوم ایک ہی رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو ایک آیت پڑھتے سنا جب کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسرے طریقے سے پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر ناراضگی کے آثار نمایاں ہو گئے اور فرمایا تم دونوں ٹھیک ہو، جھگڑا مت کرو۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ آيَةً وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ وَقَالَ كِلَا كُمَا مُحْسِنٌ وَلَا تَخْتَلِفُوا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا (بخاری:۳۴۷۶)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود قریشی تھے اور قرآن کا بنیادی نزول اور ورود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاک خاندان کے درمیان ہوا۔ اور اس نور کی کرنیں قریش ہی کے ذریعے بقیہ قبائل، اقوام اور علاقوں میں پھیلنا تھیں۔ لہٰذا قرآن کی عربی کا محور قریش ہی کی زبان رہی۔ چنانچہ صحیح بخاری صفحہ ۱۰۵۱ (طبع بیروت) پر ایک باب ہے جس کا نام ہے "بَابُ نُزِّلَ الْقُرْآنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ" اس باب میں جمع قرآن کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص، حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم ان چار صحابہ کو قرآن ایک نسخے میں لکھنے کی ذمہ داری سونپی۔ اور فرمایا زید کے علاوہ تم تینوں قریشی ہو۔ جب کسی لفظ کے بارے میں تمہارا زید سے اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان میں لکھنا اس لیے کہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوا ذٰلِكَ (بخاری:۴۹۸۷)۔

☆......☆......☆

تیسرا باب:

جمالِ قرآن

نظم القرآن

نقطے اور حرکات

عجمیوں کی سہولت اور صحیح تلفظ کے لیے نقطے اور حرکات یعنی زبر، زیر اور پیش وغیرہ لگائے گئے۔ صحیح معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کارنامہ کس نے انجام دیا۔ عام طور پر حضرت ابوالاسود دَولی رحمت اللہ علیہ، حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حجاج بن یوسف، حضرت حسن بصری، حضرت یحییٰ بن یعمر اور حضرت نصر بن عاصم لَیثی علیہم الرحمہ کے نام کتب میں ملتے ہیں (قرطبی جلد ا صفحہ ۶۳)۔

یہ بات اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ یہ کام صرف عجمی لوگوں کی سہولت کے لیے کیا گیا ہے ورنہ قرآن کی صحت اور اصلیت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عرب لوگ اور حفاظ کرام اِن چیزوں کے بغیر بھی قرآن اسی طرح پڑھ سکتے ہیں۔

احزاب یا منزلیں

صحابہ کرام اور تابعین علیہم الرضوان کا طریقہ یہ تھا کہ ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ قرآنِ پاک ختم کرتے تھے۔ اپنی سہولت کے لیے انہوں نے قرآن شریف کو سات احزاب یا منازل میں تقسیم کرلیا تھا (البرہان جلد ا صفحہ ۲۵۰)۔

پارے

بچوں کو آسانی سے تعلیم دینے کے لیے قرآن شریف کو تقریباً برابر برابر تیس (30) حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس تقسیم کا سورتوں یا مضامین سے کوئی تعلق نہیں۔

رکوع

مضامین کے اعتبار سے حاشیہ پر ع کی علامت لگا کر پورے قرآن کو ۵۴۰ رکوعات میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس طرح قرآن کو پڑھ کر سمجھنے والوں کے لیے آسانی ہو گئی۔ اور نماز تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو ستائیس رمضان کو پورا قرآن ختم ہو جائے۔

منازل، پاروں اور رکوعات کا بھی قرآن کی صحت اور متن سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ بھی نقاط اور اعراب کی طرح محض سہولیات ہیں۔

رموزِ اوقاف

جہاں ٹھہرنا ضروری ہے

(۱)۔ م — وقف لازم کا مخفف ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنے سے معنی بدل جاتے ہیں۔

(۲)۔ ط — وقف مطلق کا مخفف ہے۔ یہاں تک بات پوری ہو چکی ہوتی ہے لہٰذا ٹھہرنا مناسب ہے۔

(۳)۔ سکتہ — مراد یہ ہے کہ اس طرح رُکو کہ سانس نہ ٹوٹے۔ پورے قرآن میں سکتہ صرف چار مقامات پر ہے۔

(۴)۔ وقفہ — یہاں سکتہ سے قدرے زیادہ رکو مگر یہاں بھی سانس نہ ٹوٹے۔

(۵)۔ O — آیت کے ختم ہونے کی علامت ہے۔ اگر اس دائرے پر کوئی علامت نہ ہو تو رُک جاؤ ورنہ اس علامت پر عمل کرو۔

(٦)۔ ۵ — کوفہ کی قرأت کے مطابق یہاں آیت ختم ہو رہی ہے۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرے کا ہے۔

جہاں ملا کر پڑھنا ضروری ہے

(۱)۔ لا جب o اور ۵ کے بغیر لا ہو تو یہاں ملا کر پڑھنا ضروری ہے ورنہ معنی بدل جائیں گے۔

جہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے

(۱)۔ ز وقف مجوز کا مخفف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز تو ہے مگر بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کریں۔

(۲)۔ ج ز وقف جائز و مجوز۔

(۳)۔ ق قیل علیہ الوقف کا مخفف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کا قول مستند نہیں۔

(۴)۔ صلے الوصل اولیٰ کا مخفف ہے۔ یعنی ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

(۵)۔ صل قد یوصل کا مخفف ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہاں بعض نے ملا کر پڑھا اور بعض نے نہیں۔

جہاں وقف کرنا بہتر ہے

(۱)۔ وقف ٹھہر جاؤ (۲)۔ وقف النبیا

(۳)۔ وقف غفران (۴)۔ وقف جبریل

(۵)۔ وقف منزل (یہ الفاظ حاشیہ پر لکھے ہوتے ہیں)

جہاں رُکنا یا نہ رکنا برابر ہیں

(۱)۔ ۵لا ۵ اور لا ملا کر آیت لا کہلاتے ہیں۔

(۲)۔ oلا یہاں بھی وہی صورتِ حال ہے۔ آیت کی وجہ سے ملا لو یا لا کی وجہ سے نہ ملاؤ دونوں کام برابر ہیں۔

(۳)۔ ج وقف جائز کا مخفف ہے۔

(۴)۔ ص وقفِ مرخص کا مخفف ہے۔ مُراد یہ ہے کہ چونکہ آیت لمبی ہو گئی ہے لہٰذا کہیں غلط جگہ پر سانس لینے کی بجائے یہاں وقف کر لیں تو بہتر ہے۔

متفرق علامات

(۱)۔ك كَذٰلِكَ کا مخفف ہے۔ یعنی اُسی طرح جس طرح اس سے پہلے علامت گزر چکی ہے۔

(۲)۔مع تعانُق الوقت کا مخفف ہے۔ بعض جگہ مکمل لفظ معانقہ ہی لکھا ہوتا ہے۔ اس کی علامت کے طور پر تین نقطے لگے ہوتے ہیں، دو نیچے اور ایک اوپر۔ حاشیہ پر مع یا معانقہ لکھا ہوتا ہے جبکہ آیت کے درمیان دو جگہوں پر تین نقطوں کا نشان بنا ہوتا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر ان دو مقامات میں سے کسی ایک پر رُک گئے تو دوسرے پر نہ رکیں۔ مثلاً قرآن شریف کے بالکل شروع میں ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ لکھا ہوتا ہے۔ یہاں اگر رَيْبَ پر رُکیں تو فِيْهِ پر نہ رکیں اور فِيْهِ پر رُکیں تو رَيْبَ پر نہ رکیں۔ دونوں صورتوں میں دو الگ الگ تفسیریں ہوں گی۔

مکی اور مدنی سورتیں اور آیات

مکی سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں خواہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں بھی تشریف لے گئے ہوں۔ مثلاً غارِ حرا وغیرہ۔ اور مدنی سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ قرآن شریف کی کل ۱۱۴ سورتوں میں سے ۸۵ سورتیں مکی ہیں جبکہ ۲۹ سورتیں مدنی ہیں۔

مکی سورتوں میں مدنی آیات ۱۵۱ ہیں۔

مدنی سورتوں میں مکی آیات ۹ ہیں۔

کل مکی آیات ۴۵۳۸ ہیں۔

کل مدنی آیات ۱۶۹۸ ہیں۔

قرآن شریف کی کل آیات ۶۲۳۶ ہیں۔

مکی اور مدنی آیات کی خصوصیات

قواعد کلیہ

(۱)۔جن سورتوں میں کلّا کا لفظ آیا ہے وہ سب مکّی ہیں۔

(۲)۔سجدے کی آیات والی تمام سورتیں (احناف کے مطابق) مکی ہیں۔

(۳)۔سورۃ بقرہ کے سواء جن سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ آیا ہے وہ مکی ہیں۔

(۴)۔جہاد کی اجازت یا احکام والی تمام سورتیں مدنی ہیں۔

(۵)۔جن سورتوں میں منافقین کا ذکر آیا ہے وہ سب مدنی ہیں۔

قواعد اکثریہ وعمومیہ

(۱)۔مکی سورتوں میں عموماً یَا اَیُّہَا النَّاسُ کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔جبکہ مدنی سورتوں میں یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کے الفاظ سے۔

(۲)۔مکی آیات اور سورتیں زیادہ تر چھوٹی اور مختصر ہیں جبکہ مدنی آیات اور سورتیں طویل ہیں۔

(۳)۔مکی سورتوں میں زیادہ تر عقائد اور قصص بیان ہوئے ہیں جبکہ مدنی سورتوں میں زیادہ تر احکام اور قوانین بیان ہوئے ہیں۔

(۴)۔مکی سورتوں میں زیادہ تر بُت پرستی اور شرک کا رد ہے جبکہ مدنی سورتوں میں یہود ونصاریٰ اور منافقین کا ذکر ہے۔

(۵)۔مکی سورتوں میں عموماً استعارات، تشبیہات، تمثیلات اور مشکل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔اس کے برعکس مدنی سورتوں کا انداز سادہ اور آسان ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمت اللہ علیہ نے اس موضوع پر الاتقان جلد ا صفحہ ۱۷ پر ضوابط کی سرخی قائم کر کے تفصیل سے بحث کی ہے۔

واضح رہے کہ کسی آیت کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ

بھی منقول نہیں ہوا۔ اس موضوع پر صرف صحابہ کرام اور تابعین علیہم الرضوان ہی کے اقوال دستیاب ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مکی اور مدنی آیات کی شناخت کو اللہ کریم جل شانہٗ نے فرض نہیں ٹھہرایا۔ اور نہ ہی شریعت کے فرائض وواجبات کا اس چیز پر انحصار ہے۔

اسلوبُ القرآن

قرآن کے اسلوب کو سمجھنے کے لیے سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن کے موضوع کا تعین کرلیا جائے۔ چنانچہ خود قرآن اپنا موضوع ان الفاظ سے بیان کرتا ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ قرآن سب لوگوں کے لیے اللہ کا پیغام ہے اور اس لیے ہے کہ وہ اس کے ذریعے ڈرائے جائیں اور تا کہ وہ جان لیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور تا کہ عقل والے نصیحت قبول کریں (ابراہیم: ۵۲)۔

اس آیت میں قرآن کے نزول کا مقصد اور اس کا موضوع توحید بیان ہوا ہے۔ ہر نبی کی دعوت، توحید تھی۔ آیاتِ قرآنی کے تمام مضامین دعوت الی التوحید کے محور کے گرد گھومتے ہیں۔ چلتے چلتے ہر بات اور ہر مضمون اچانک اللہ کی توحید کی طرف پلٹتا ہے جو بظاہر جملۂ معترضہ معلوم ہوتا ہے حالانکہ قرآن اپنے موضوع کی طرف پلٹ رہا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن سالک کی روحانی تربیت کا مکمل سامان فراہم کرتا ہے۔ روحانی تربیت کا انداز ابواب کی تقسیم اور موضوعات کی علیحدگی سے نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کا انداز ملفوظی اور تقریری ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملفوظات کی کتب اسی ڈھب پر ہوتی ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اسلام میں عقائد، احکام، اخلاق، معیشت، سیاست اور دین ودنیا باہم مربوط ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو لے کر اور باقیوں کو چھوڑ کر اسلام کے جزوی نفاذ کا دروازہ بند ہے۔ لہٰذا قرآن ان تمام مضامین کو ساتھ لے کر چلتا ہے، کبھی عقائد کا بیان اور کبھی احکام کی تفصیل، کبھی سالک کی راہنمائی کے لیے قصص، کبھی مجاہد کیلیے جہاد کی ترغیب کی طرف لوٹ لوٹ کر آتا ہے۔ اسے تصریف الآیات کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات یا واقعہ کا

حسبِ موقع بار بار بیان ہونا بھی تصریف الآیات ہی ہے۔اس کے باوجود ترتیبِ قرآنی کا اپنا حسن و جمال قائم ہے۔شروع میں سورۃ فاتحہ بطورِ مقدمہ، اسکے بعد قرآن کی سب سے لمبی سورۃ، آخر میں چھوٹی سورتیں اور سب سے آخر میں معوّذتین ترتیب کا خوبصورت گلدستہ ہے۔قرآن کا الحمدللہ سے شروع کرنا اور تعوذ باللہ پر ختم کرنا بھی ایک زبردست خوبی ہے۔گویا جس کی حمد سے ابتداء کی ہے اسی کی پناہ مانگتے ہوئے بات کو ختم کر دیا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن خصوصی نزول کے لحاظ سے کبھی صرف کفار کو خطاب کرتا ہے (یَآ اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ) کبھی اہل ایمان کو خطاب کرتا ہے (یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا) اور کبھی پوری دنیا کو خطاب کرتا ہے (یَآ اَیُّھَا النَّاس)۔کبھی خصوصی نزول کسی ایک فرد یا ایک واقعہ کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن اسکا بیان سب کے لیے عام اور اس کا اطلاق پوری دنیا کے لیے وسیع ہوتا ہے۔اسمیں اشارہ اس طرف ہے کہ جب قرآن کے احکام عرب کے ریگستان میں قابلِ عمل ہیں تو پوری دنیا کے صحراؤں اور قیامت تک کے ارتقائی ادوار میں کیوں نہ قابل عمل ہوں گے۔

قرآن کے مخاطب کفار کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) مشرکین:۔ یہ سب سے زیادہ تعداد میں تھے اور قرآن کی سب سے زیادہ آیات انہی کے بارے میں ہیں۔

(۲) نصاریٰ:۔ یہ تعداد میں دوسرے نمبر پر تھے اور قرآن کی ان کے بارے میں آیات کی تعداد بھی دوسرے نمبر پر ہے۔

(۳) یہودی: یہ تعداد میں تیسرے نمبر پر تھے۔اور قرآن میں ان سے متعلق آیات کی تعداد بھی تیسرے نمبر پر ہے۔

(۴) منافقین:۔ یہ تعداد میں سب سے کم تھے اور قرآن میں ان سے متعلق آیات کی تعداد بھی دوسرے کفار کے مقابلے پر سب سے کم ہے۔جس کا جی چاہے تحقیق کر لے۔

☆......☆......☆

مضامینِ قرآن

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الفوزالکبیر میں قرآن شریف کے مضامین کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱)۔عقائد:۔(یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، کتبِ سماویہ، قیامت اور تقدیر وغیرہ)

(۲)۔احکام:۔(یعنی نماز، روزہ، زکوۃ، حج، نکاح، طلاق، خرید وفروخت وغیرہ) اس میں سیاسیات، معاشیات، اخلاقیات، معاشرت اور تعلیم وغیرہ سب داخل ہیں۔

(۳)۔تذکیر بایّامِ اللہ (یعنی انبیاء علیہم السلام اور صالحین علیہم الرضوان کے حالات، واقعات اور قصص)

(۴)۔تذکیر بآلاءِ اللہ (یعنی اللہ کی نعمتوں کا ذکر جیسے سورۃ الرحمن وغیرہ میں ہے)

(۵)۔تذکیر بالموت (یعنی موت، قبر، قیامت اور جنت، دوزخ کے متعلقات)

بلاشبہ یہ بڑی زبردست تحقیقی بات ہے اور قرآن کے مضامین انہی پانچ اقسام سے باہر نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان، ختمِ نبوت اور قرآن کے روحانی فیوض تک ان پانچ اقسام میں سے کسی نہ کسی کے تحت ضرور آتے ہیں۔

قرآن کی روحانیت

قرآن اپنے ظاہری احکام کے لحاظ سے بالکل آسان کتاب ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے۔ پھر کوئی ہے جو نصیحت کو قبول کرے (القمر:۱۷)۔

جب کہ امثال، استعارات اور کنایہ جات وغیرہ کے لحاظ سے قرآن کو صرف اہلِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ارشادِ خداوندی ہے: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ اور یہ مثالیں ہیں ہم انہیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انہیں علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں (العنکبوت:۴۳)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لِكُلِّ آيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَ بَطْنٌ وَّلِكُلِّ حَدٍّ مُّطَّلِعٌ یعنی قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور ہر شخص اپنی حد تک علم رکھتا ہے (شرح السنۃ للبغوی، مشکوٰۃ حدیث: ۲۳۸)۔

اللہ کریم فرماتا ہے: فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ یعنی ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے (یوسف: ۷۶)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وِعَاءَيْنِ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ یعنی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو علم سیکھے ہیں، ایک وہ ہے جسے میں بیان کرتا ہوں۔ دوسرا وہ ہے جسے اگر میں بیان کردوں تو لوگ مجھے مار ڈالیں (بخاری: ۱۲۰)۔

حضرت حسن بصری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذٰلِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذٰلِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَى ابْنِ آدَمَ یعنی علم دو قسم کا ہے۔ ایک علم قلب میں ہوتا ہے یہ علم نافع ہے۔ اور ایک علم زبان پر ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی اولادِ آدم (علیہ السلام) پر حجت ہے (دارمی: ۳۶۸)۔

قرآن کے اس باطنی علم کے اصل وارث صوفیاءِ کرام علیہم الرضوان ہیں۔ قرآن کی روحانی تاثیر کی ایک معمولی سی جھلک یہ ہے کہ قرآن کی آیات میں بیماروں کی شفاء موجود ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی ہم قرآن نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے (بنی اسرائیل: ۸۲)۔

سورۂ فاتحہ کا ایک نام سورۃ شفاء ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فِيْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ یعنی سورۃ فاتحہ میں ہر مرض کی شفا ہے (دارمی: ۳۳۷۱، شعب الایمان للبیہقی حدیث نمبر: ۲۳۷۰)۔

سورۃ بقرہ جنات کا علاج ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِيْ تُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ یعنی

شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے (مسلم: ۱۸۲۴)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَنۡ قَرَأَ سُوۡرَةَ الۡوَاقِعَةِ فِيۡ كُلِّ لَيۡلَةٍ لَمۡ تُصِبۡهُ فَاقَةٌ اَبَدًا یعنی جس نے ہر رات سورۃ واقعہ پڑھی اسے کبھی فاقہ نہیں ہوگا (شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۲۴۹۸، مشکوٰۃ حدیث: ۲۱۸۱)۔

نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ہر رات سوتے وقت سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کرتے اور سر مبارک اور چہرۂ اقدس سے شروع کر کے جہاں تک آسانی سے ہاتھ پہنچتا اپنے پورے جسم پر تین مرتبہ پھیرتے تھے (بخاری حدیث: ۵۰۱۷، ابوداؤد حدیث: ۵۰۵۶)۔

الغرض قرآن کے بے شمار فیوض اور روحانی فوائد ہیں جو کتبِ حدیث میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ اس موضوع پر علماء نے مستقل کتب بھی لکھی ہیں۔ "اَلدُّرُّ النَّظِیۡم" اس موضوع پر ایک بہترین کتاب ہے۔

اعجاز القرآن

قرآن بے شمار معجزات کا مجموعہ ہے۔ قرآن بے شمار وجوہ کی بنا پر پوری دنیا پر اور دیگر آسمانی کتب پر اپنی فوقیت ثابت کر چکا ہے۔ قرآن کا نام، اس کے نزول کے لیے عرب کے علاقے کا انتخاب، قرآن کی فصاحت، قرآن کے ہر دور میں سامنے آنے والے عجائب، حفاظ وغیرہ کے ذریعے قرآن کی حفاظت، بے شمار علوم پر قرآن کا اشتمال اور جامعیت اور قرآن کی معنوی وسعت اور تنوع یہ سب قرآن کے واضح امتیازات اور اعجازات ہیں۔ ان باتوں کی تفصیل مقالات کے شروع میں "اسلام زندہ باد" میں گزر چکی ہے۔

☆......☆......☆

چوتھا باب:

اصولِ تفسیر

اصولِ تفسیر کی ضرورت واہمیت

قرآن کو سمجھنے اور اس کی تفسیر کرنے کے لیے قرآن وسنت میں زبردست قواعد وضوابط بیان ہوئے ہیں۔ جنہیں علماءِ کرام نے ایک خاص ترتیب کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور انہیں اصولِ تفسیر کا نام دیا ہے۔

کسی بھی قانون کی وضاحت کرنے کے لیے اگر کچھ قاعدے اور پابندیاں موجود نہ ہوں تو ہر شخص اپنی عقل اور خواہش کے مطابق من مانی تشریح کرتا پھرے گا۔ ہر حکومت نے اپنے قانون کی وضاحت اور تشریح کے اصول مرتب کر رکھے ہیں اور اس تشریح کا حق ہر کس و ناکس کو نہیں دیا بلکہ صرف فاضل وکلاء اور جج صاحبان کو ہی یہ اختیار حاصل ہے۔ اس مسئلے کی اہمیت اور نزاکت کے پیشِ نظر قرآن وسنت میں مفسر کے لیے عالم ہونا شرط قرار دیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ یعنی اس چیز میں بحث نہ کر جس کے بارے میں تجھے علم نہیں (بنی اسرائیل: ۳۶)۔

دوسری جگہ فرمایا: فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ یعنی اُس چیز کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں (آل عمران: ٦٦)۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: من قَالَ فِي الْقُرآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ یعنی جس نے قرآن کے بارے میں علم کے بغیر کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھے (ترمذی: ۲۹۵۰)۔

نیز فرمایا: مَن قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ یعنی جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ بات کہی اگر اس کا تُکّا ٹھیک بھی نکلا تو وہ خطا کار ہے (ابوداؤد: ۳۶۵۲، ترمذی: ۲۹۵۲)۔

واضح رہے کہ جن تفسیری امور کا تعلق مقدرات اور روایات سے ہے ان میں اپنی رائے کا دخل دینا تفسیر بالرائے ہے جو سخت منع ہے۔ جبکہ قیاس و اجتہاد اور اصولِ تفسیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ضروریاتِ زمانہ کے مطابق اخذِ مسائل اور نکتہ آفرینی قیامت تک کیلیے جائز اور درست ہے (لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُہٗ ترمذی:۲۹۰۶)۔ لیکن اس کیلیے اہلیت کا ہونا نہایت ضروری شرط ہے۔ ہر کس و ناکس کو اس کی اجازت نہیں۔ مفسر کیلیے ضروری ہے کہ وہ عربی ادب، قرآن و سنت و آثار، اُصولِ تفسیر، اصولِ حدیث، اصولِ فقہ، ناسخ و منسوخ اور اہم اصطلاحات سے اچھی طرح باخبر ہو۔

اسبابُ النزول

قرآن کی بعض آیات کا نزول از خود اللہ کریم کی طرف سے ہوا ہے جبکہ بعض آیات کسی خاص واقعہ یا سبب کے تحت ضرورۃً نازل ہوئی ہیں یا کسی سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہیں۔ ایسے واقعہ یا سوال کو اس آیت کا سببِ نزول یا شانِ نزول کہا جاتا ہے۔

مثلاً جب کفار نے نبی کریم ﷺ کو بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا تو اس موقع پر سورۃ الکوثر نازل ہوئی۔ جب کفار نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سچے خدا اور بتوں کی مشترکہ عبادت پر صلح کرنے کی بات کی تو سورۃ الکافرون نازل ہوئی۔

جب نبی کریم ﷺ پر جادو ہوا تو اس کے توڑ کے لیے معوذتین نازل ہوئیں۔

جب منافقین نے نبی کریم ﷺ کے علم میں شک کیا تو مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ (آل عمران:۱۷۹) نازل ہوئی۔

جب نبی کریم ﷺ سے روح کے بارے میں پوچھا گیا تو يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل:۸۵) نازل ہوئی۔

شانِ نزول کے معاملے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ بلاشبہ شانِ نزول کی مدد سے آیت یا سورۃ کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آیت صرف اسی واقعہ یا صرف اسی قسم کے واقعات سے متعلق ہو کر رہ گئی ہو۔ بلکہ اس کے عموم کا دائرہ تفسیر کے مسلّمہ اصولوں کی پابندی کے ساتھ وسیع ہوتا ہے۔

علماءِ کرام نے اپنی تفاسیر میں اسبابِ نزول بھی بیان فرمائے ہیں۔ خصوصاً حضرت سیّد

نعیم الدین مرادآبادی رحمت اللہ علیہ نے اپنی تفسیر خزائن العرفان میں اس کا خوب اہتمام فرمایا ہے۔بعض علماء کرام نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔مثلاً علامہ واحدی علیہ الرحمہ نے اَسۡبَابُ نُزُوۡلِ الۡقُرۡآنِ لکھی ہے۔اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمت اللہ علیہ نے لُبَابُ النُّقُوۡلِ فِیۡ اَسۡبَابِ النُّزُوۡلِ لکھی جو جلالین کے حاشیے پر چھپی ہوئی ہے۔اس کے علاوہ علوم القرآن کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں مثلاً اَلۡبُرۡهَانُ لِلزَّرۡکَشِی اور اَلاِتۡقَانُ فِیۡ عُلُوۡمِ الۡقُرۡآنِ لِلسُّیُوۡطِی (علیہماالرحمہ) میں ضمناً اس موضوع پر مفصل بحث موجود ہے۔

تفسیر کے ماخذ

(ا)۔ قرآن

قرآن فہمی کے لیے پہلی ضروری چیز عربی ادب اور زبان پر عبور ہے۔قرآن اپنی تفسیر خود بھی بیان کرتا ہے۔(اَلۡقُرۡآنُ یُفَسِّرُ بَعۡضُهٗ بَعۡضاً)۔اس چیز کو سمجھنے کے لیے عربی زبان پر مکمل عبور کے علاوہ نزولِ قرآن کے زمانے کے محاوروں اور لسانی باریکیوں کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ قرآن کے علاوہ کسی دوسری آسمانی کتاب کو یہ شرف حاصل نہیں ہے کہ اس کی اصل زبان، محاورے اور ادب محفوظ ہوں۔یہی وجہ ہے کہ دیگر کتب اپنی اصلی زبان کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے لفظی اور معنوی تحریف کا شکار ہو چکی ہیں۔جبکہ قرآن کی اصل زبان، اُس زمانے کے محاورات اور قدیم عربی ادب کو علماءِ اسلام نے کتابوں میں محفوظ کر کے اسلامی نصاب میں شامل کر دیا ہے۔دیوانِ حسان، حماسہ، دیوانِ متنبی اور مقاماتِ حریری وغیرہ کو اسی غرض سے شاملِ نصاب کیا گیا ہے اور یہ کتب آج بھی دینی مدارس میں پڑھائی جا رہی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی سیکولر حکومت دینی مدارس کے نصاب کو تبدیل کرنے کی بات کرتی ہے تو علماءِ وقت حکومت سے دست و گریباں ہو جاتے ہیں۔

قرآن فہمی کے لیے دوسری ضروری چیز کلام کے سیاق وسباق پر نظر رکھنا ہے۔ہر زبان میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں اور سیاق وسباق ہی اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ یہاں کون سا لفظ کس معنی میں استعمال ہوا ہے۔مثلاً قرآن میں ہر جگہ مصباح سے مراد ستارا ہے مگر

سورۃ نور کی آیت مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ میں مصباح سے مراد چراغ ہے۔اس لیے کہ اس سے پہلے مشکوٰۃ (فانوس) کا لفظ موجود ہے جو مصباح سے مراد چراغ لینے کا قرینہ فراہم کررہا ہے۔اسی طرح قرآن میں اکثر جگہ توفی بمعنی موت ہے مگر سورۃ المائدہ کی آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (المائدہ:۱۱۷) میں توفی سے مراد پکڑنا ہے(اَخْذُ الشَّيْءِ وَافِياً) اس لیے کہ یہاں یہ لفظ مَا دُمْتُ فِيْهِمْ کے مقابلے پر استعمال ہوا ہے۔

قرآن فہمی کیلیے تیسری ضروری چیز اسبابِ نزول کا علم ہے۔ جو آیات کسی موقع پر کسی خاص سبب کے تحت نازل ہوئی ہیں انکے نزول کا سبب جان لینے سے اللہ کریم کے منشاء کو سمجھنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔ یہ بھی قرآن کا ایک امتیازی اعزاز ہے کہ اسکے معنی کو محفوظ رکھنے کے لیے اُس حکیم وخبیر جل شانہ نے قرآنی آیات کے پسِ منظر میں مختلف حالات اور واقعات کو جگہ دی تا کہ قرآن کا اصل مفہوم اور صحیح منشاء متعین کیا جاسکے اور تفسیر کا رخ کسی غلط جانب نہ مُڑ سکے۔

قرآن فہمی کے لیے چوتھی ضروری چیز قرآن کے ناسخ ومنسوخ کو سمجھنا ہے۔اللہ کریم نے اپنے بندوں پر یکبارگی احکام کا بوجھ نہیں ڈالا۔ بلکہ شروع میں آسان احکام نازل فرمائے اور بعد میں سخت احکام نازل فرمائے اور بعض دفعہ سخت احکام کو ازراہِ شفقت واحسان نرم احکام سے بدل دیا۔اللہ کریم کا ارشاد ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا یعنی جو آیت ہم منسوخ کردیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں (البقرۃ:۱۰۶)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كَلَامِي لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللهِ وَكَلَامُ اللهِ يَنْسَخُ كَلَامِي وَكَلَامُ اللهِ يَنْسَخُ بَعْضُهٗ بَعْضاً میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور اللہ کا کلام خود اللہ کے کلام کو بھی منسوخ کرتا ہے(دارقطنی: ۴۲۳۳ من کتاب النوادر)۔

جو شخص ناسخ ومنسوخ سے بے خبر ہے وہ قرآن کی تفسیر کرتے وقت منسوخ آیات سے احکام اخذ کرتا رہے گا۔لہٰذا اس علم کو جاننا بھی مفسر کیلیے ضروری ہوا۔قرآن شریف میں بیس آیات منسوخ ہیں اور ان کی جگہ پر بیس آیات ناسخ ہیں۔اس طرح ناسخ اور منسوخ مل کر کُل چالیس آیات ہوئیں۔ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

ناسخ ومنسوخ آیات

(۱)۔كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۨالْوَصِيَّةُ (البقرۃ:۱۸۰)اسکی ناسخ یہ آیت ہے۔

يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (النساء:۱۱)۔

(۲)۔وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ(البقرۃ:۱۸۴) کی ناسخ یہ آیت ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ(البقرۃ:۱۸۵)۔

(۳)۔ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرۃ:۱۸۳) کی ناسخ آیت یہ ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ (البقرۃ:۱۸۷)۔

(۴)۔يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ (البقرۃ:۲۱۷) کی ناسخ آیت یہ ہے۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً (التوبہ:۳۶)۔

(۵)۔وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ (البقرۃ:۲۴۰) کی ناسخ آیت یہ ہے۔

أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (البقرۃ:۲۳۴)۔

(۶)۔وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ(البقرۃ:۲۸۴)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ:۲۸۶)۔

(۷)۔اِتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ(آل عمران:۱۰۲)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن:۱۶)۔

(۸)۔وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ(النساء:۳۳)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ (الانفال:۷۵)۔

(۹)۔وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ(النساء:۱۵)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

اَلزَّانِيَۃُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا (النور:۲)۔

(۱۰)۔وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ (المائدہ:۲)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (البقرہ:۲۱۶)۔

(۱۱)۔فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ (المائدہ:۴۲) کی ناسخ آیت یہ ہے۔

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ (المائدہ:۴۹)۔

(۱۲)۔أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ (المائدہ:۱۰۶)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ (الطلاق:۲)۔

(۱۳)۔إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ (الانفال:۶۵)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

اَلْآنَ خَفَّفَ اللهُ عَنْكُمْ (الانفال:۶۶)۔

(۱۴)۔انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا (التوبہ:۴۱)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ (النور:۶۱) اور لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ (التوبہ:۹۱)۔

(۱۵)۔الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً (النور:۳)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ (النور:۳۲)۔

(۱۶)۔لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ (الاحزاب:۵۲)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ (الاحزاب:۵۰)۔

(۱۷)۔إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا (المجادلہ:۱۲)۔کی ناسخ آیت یہ ہے۔

فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللهُ عَلَيْكُمْ (المجادلہ:۱۳)۔

(۱۸)۔فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا (الممتحنہ:۱۱) کی ناسخ آیت یہ ہے۔

أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ (الانفال:۴۱)۔

(۱۹)۔قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۙ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (المزمل:۲۔۴) کی ناسخ آیت یہ ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنٰى الی قولہٖ تعالیٰ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ الخ (المزمل:۲۰)۔

(۲۰)۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرۃ:۱۱۵) کی ناسخ آیت یہ ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرۃ:۱۴۴)۔

مختلف علماء نے ناسخ اور منسوخ کی کل تعداد مختلف لکھی ہے۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں صرف بیس آیات کو منسوخ قرار دیا ہے اور باقی آیات میں مطابقت ثابت کر دی ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی علیہ الرحمہ نے ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں صرف پانچ آیات کو منسوخ ٹھہرایا ہے لیکن علامہ سیوطی رحمت اللہ علیہ کی تحقیق زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔فقیر نے حضرت علامہ سیوطی رحمت اللہ علیہ کی کتاب الاتقان سے ہی ناسخ و منسوخ نقل کیے ہیں۔ساری بحث الاتقان جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۲، ۲۳ اور الفوز الکبیر صفحہ نمبر ۴۱ تا ۴۵ پر تفصیل سے درج ہے۔

قرآن فہمی کے لیے پانچویں ضروری چیز اصولِ فقہ ہیں۔جن کی روشنی میں عام اور خاص، مطلق اور مقید، حقیقت اور مجاز، مجمل اور مفسر، مشترک اور ماوّل وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔علماء کرام نے یہ اصول پورے قرآن پر اوّل تا آخر نظر رکھتے ہوئے وضع کیے ہیں۔

قرآن خود اپنی تفسیر اس طرح کرتا ہے کہ ایک مقام کی تشریح اور وضاحت دوسرے مقام پر کرتا ہے۔مثلاً سورۃ فاتحہ میں ہے مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ اور سورۃ انفطار میں يَوْمُ الدِّينِ کے معنی خود بیان فرما دیئے۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ، ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ، يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ کہ تمہیں کیا معلوم کہ يَوْمُ الدِّينِ کیا ہے۔پھر بھی تمہیں کیا معلوم کہ يَوْمُ الدِّينِ کیا ہے۔یہ وہ دن ہے کہ جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کی کسی چیز کی مالک نہ ہوگی اور اس دن حکومت صرف اللہ کی ہوگی (الانفطار:۱۷ تا ۱۹)۔

اسی طرح سورۃ فاتحہ میں فرمایا: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور سورۃ النساء میں انعام یافتہ بندوں کی وضاحت اس طرح فرمادی۔

فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ جن لوگوں پر اللہ نے انعام کیا وہ انبیاء ہیں اور صدیقین ہیں اور شہداء ہیں اور صالحین ہیں (النساء:۶۹)۔

(۲)۔حدیث

تفسیر کا دوسرا ماخذ حدیث ہے۔حدیث شریف کے بغیر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا محض گمراہی ہے۔لوگوں کو قرآن سمجھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ہم نے قرآن آپ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو اسکی وضاحت کریں جو اِنکی طرف نازل ہوا ہے(النحل:۴۴)۔

قرآن کی وضاحت کرتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وضاحتی الفاظ استعمال فرمائے انہیں حدیث کہا جاتا ہے۔سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیث کو جاننے والے قرآن کو دوسروں سے زیادہ سمجھتے ہیں۔اِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِالْقُرْآنِ(الشفا جلد ۲ صفحہ ۱۱)۔

(۳)۔آثارِ صحابہ (علیہم الرضوان)

قرآن وحدیث کے بعد تفسیر کا تیسرا ماخذ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اقوال ہیں۔صحابہ کرام علیہم الرضوان وہ لوگ ہیں جنکے سامنے قرآن نازل ہوا۔آیات کا شانِ نزول احادیثِ مرفوعہ کی نسبت صحابہ کرام ہی کے بیان میں زیادہ ملتا ہے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مِنْ كِتَابِ اللهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ أَيْنَ أُنْزِلَتْ وَلَا أُنْزِلَتْ آيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ فِيمَ أُنْزِلَتْ وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنِّي بِكِتَابِ اللهِ تُبَلِّغُهُ الْإِبِلُ لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ یعنی اللہ کی قسم جس کے سواء کوئی معبود نہیں۔اللہ کی کتاب میں سے کوئی ایسی سورۃ نازل نہیں ہوئی جس کے بارے مجھے معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کس کے بارے میں نازل ہوئی اور آج بھی اگر مجھے پتا چلے کہ فلاں شخص قرآن کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو اسکے پیچھے وہاں تک جاؤں گا

جہاں تک میرا اونٹ پہنچ سکتا ہو (بخاری: ۵۰۰۲، مسلم: ۶۳۳۳)۔

ان لوگوں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی مدد سے اس پر عمل پیرا ہوئے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

لَقَدْ رَأَیْتُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَمَا اَرٰی اَحَداً مِّنْکُمْ یُشْبِهُهُمْ لَقَدْ کَانُوْا یُصْبِحُوْنَ شُعْثاً غُبْراً وَقَدْ بَاتُوْا سُجَّداً وَّ قِیَاماً ، یُرَاوِحُوْنَ بَیْنَ جِبَاهِهِمْ وَخُدُوْدِهِمْ وَیَقِفُوْنَ عَلٰی مِثْلِ الْجَمْرِ مِنْ ذِکْرِ مَعَادِهِمْ ، کَاَنَّ بَیْنَ اَعْیُنِهِمْ رُکَبَ الْمِعْزٰی مِنْ طُوْلِ سُجُوْدِهِمْ ، اِذَا ذُکِرَ اللهُ هَمَلَتْ اَعْیُنُهُمْ حَتّٰی تَبُلَّ جُیُوْبُهُمْ ، وَمَادُوْا کَمَا یَمِیْدُ الشَّجَرُ یَوْمَ الرِّیْحِ الْعَاصِفِ خَوْفاً مِنَ الْعِقَابِ وَ رَجَاءً لِّلثَّوَابِ (نہج البلاغہ خطبہ ۹۷ صفحہ ۱۲۸)۔

ترجمہ: میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص ان کی برابری نہیں کرسکتا وہ صبح کے وقت بکھرے بال اور غبار آلود لباس کے ساتھ ہوتے تھے جب کہ انہوں نے رات سجدے اور قیام میں گزاری ہوتی تھی۔ اپنے ماتھے اور گالوں کو زمین پر باری باری گھساتے تھے۔ قیامت کے تذکرے سن سن کر سوکھ چکے تھے اور ان کی آنکھوں کے درمیان لمبے سجدوں کی وجہ سے نشان پڑ چکے تھے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھیں بھر آتی تھیں، عذابِ آخرت کے خوف اور بخشش کی امید میں اس طرح جھک چکے تھے جس طرح سخت طوفان کے دن درخت جھک جاتا ہے۔

اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا واسطہ درمیان میں نہ ہو تو قرآن کا تواتر منقطع ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُم اهْتَدَيْتُمْ یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جسکی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے (رواہ رزین مشکوٰۃ: ۶۰۱۸)۔

(۴)۔ اقوالِ تابعین

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے شاگردوں کو تابعین کہا جاتا ہے۔ اگر قرآن وحدیث اور قولِ صحابہ سے قرآن کی تفسیر نہ ملے تو تابعین میں سے کسی کے قول کو لے لینا چاہیے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو

اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا کرتے تھے۔روایت میں احتیاط اور تفسیر بالرائے سے اجتناب کے انکے ہاں چرچے ہوا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انکے اقوال کو بھی احادیث ہی کی ایک قسم سمجھا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول، فعل اور تقریر حدیث مرفوع کہلاتا ہے۔صحابی کا قول، فعل اور تقریر حدیث موقوف کہلاتا ہے اور تابعی کا قول، فعل اور تقریر حدیث مقطوع کہلاتا ہے۔معروف تابعین یہ ہیں۔حضرت مجاہد، حضرت حسن بصری، حضرت مسروق، حضرت سعید بن مسیّب، حضرت ابوالعالیہ، حضرت ربیع، حضرت ابن انس، حضرت قتادہ، حضرت ضحاک علیہم الرحمۃ والرضوان۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمت اللہ علیہ بھی تابعی ہیں۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سے زیادہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زیارت کی ہے۔آپ خود فرماتے ہیں کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور میں نے اپنے والد ماجد کے ہمراہ ۹۶ھ میں حج کیا۔اس وقت میری عمر سولہ (۱۶) سال تھی جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک بہت بڑا حلقہ دیکھا۔میں نے اپنے والد ماجد سے پوچھا یہ کون سے استاد اپنے شاگردوں کے حلقے میں تعلیم دے رہے ہیں۔انہوں نے فرمایا یہ حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔میں فوراً آگے بڑھا۔میں نے خود سنا، فرما رہے تھے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ تَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللهِ كَفَاهُ اللهُ مُهِمَّهٗ وَ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

یعنی جس نے دین کی سمجھ حاصل کی اللہ اسکی تمام مشکلات حل کردے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتا (مسند امام اعظم صفحہ ۲۰)۔

(۵)۔لغت

قرآن، حدیث اور آثارِ صحابہ میں اگر تفسیر نہ ملے تو صرف ایسی صورت میں لغت کو دیکھ لینا چاہیے اور اگر لغت میں کسی لفظ کے متعدد معانی پائے جاتے ہوں تو صرف وہی معنی اختیار کرنے چاہییں جو قرآن وسنت کے قریب تر ہوں اور اسلامی اصولوں سے ٹکرا نہ رہے ہوں۔خصوصاً حدیث کی موجودگی میں لغت کو ترجیح دینا گمراہی کی بہت بڑی بنیاد اور فساد کی جڑھ ہے۔منکرینِ ختم نبوت نے احادیث کا انکار کرکے صرف لغت کی روشنی میں لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

واضح رہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد اور ضروری احکام لغت کی روشنی میں بیان نہیں ہو سکتے۔

(۶)۔تاریخ

تاریخ کی باتیں اگر قرآن وسنت کے خلاف نہ ہوں تو ان کی روشنی میں بھی قرآن کے کسی بیان کو سمجھا جاسکتا ہے۔مگر تاریخ کی روشنی میں اسلام کے بنیادی عقائد اور ضروری احکام اخذ نہیں کیے جاسکتے۔

(۷)۔اسرائیلیات

اسرائیلیات سے مراد موجودہ تورات، زبور، انجیل اور اسرائیلی روایات ہیں۔ ان کتابوں میں چونکہ تحریف کردی گئی ہے لہٰذا اگر ان کی کوئی بات قرآن وسنت واقوالِ صحابہ سے ٹکرائے گی تو اسے رد کردیا جائے گا اور اگر ان سے معارض نہ ہو بلکہ موافق ہو یا محض اضافی ہو تو اسے لے لینے میں حرج نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ (الْآيَةَ اہل کتاب کی تصدیق بھی نہ کرو اور تکذیب بھی نہ کرو بلکہ یوں کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہم پر نازل ہوا الخ (بخاری: ۲۵۴۲)۔

دوبارہ واضح رہے کہ لغت، تاریخ اور اسرائیلیات سے اسلام کی کوئی اصولی بات ثابت نہیں ہوتی۔ نہ ہی عقائد اور نہ ہی احکام۔ بلکہ ان تین چیزوں کو صرف اسلامی اصولوں سے عدمِ تصادم کی صورت میں ہی اختیار کیا جاتا ہے۔

تفسیر اور تاویل

تفسیر وہ ہے جو قرآن، حدیث، آثار وغیرہ منظور شدہ ماخذوں کی روشنی میں کی جائے اور اسکا تعلق صرف محکم آیات سے ہو اور اس میں اجمال کی تفصیل بھی بیان کردی جاتی ہے۔اس لیے اصول فقہ میں مجمل کے مقابلے پر مفسر بولا جاتا ہے۔ایسی نکتہ آفرینی جو آج سے پہلے کسی

نے نہ کی ہولیکن وہ تفسیر کے اصولوں کے منافی نہ ہو، بالکل جائز اور درست ہے، یہ تفسیر ہی کے زمرہ میں آئے گی۔قرآنی الفاظ کے عموم سے اس قسم کے نکات قیامت تک پھوٹتے رہیں گے۔ وَلَا یَنۡقَضِی عَجَائِبُہٗ میں اس امر کی تصریح موجود ہے اسکے علاوہ قیاس واجتہاد بھی تفسیر ہی کے زمرے میں آتا ہے۔

تاویل کی اقسام

تاویل تین قسم کی ہے۔

(۱)۔متشابہات کی تاویل

اس تاویل کا علم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہے اور یہ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے اخص الخواص کو بھی حاصل ہوتا ہے۔مثلاً وَمَا یَعۡلَمُ تَأۡوِیلَہٗۤ إِلَّا اللہُ وَالرَّاسِخُونَ فِی الۡعِلۡمِ (آلِ عمران :۷) اور تَأۡوِیلُ رُؤۡیَایَ (یوسف: ۱۰۰) اور تَأۡوِیلِ الۡأَحَادِیثِ (یوسف:۶) اور ذٰلِکَ تَأۡوِیلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعۡ عَلَیۡہِ صَبۡرًا (الکہف:۸۲) ان سب تاویلات کا تعلق ظاہری علوم کے ساتھ نہیں بلکہ باطنی اور روحانی علوم کے ساتھ ہے۔تمام متشابہ آیات مثلاً اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی اور حروف مقطعات مثلاً آلٓمٓ وغیرہ اسی میں داخل ہیں۔

(۲)۔اشتراک کے مقابلہ پر تاویل

اس سے مراد یہ ہے کہ جب ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معانی ہوں تو ان میں سے مناسب ترین معنی کا انتخاب کرلیا جائے۔اب ہم نے چونکہ اس لفظ کو کئی معنوں میں سے صرف ایک معنی کی طرف پھیرا ہے لہٰذا یہ تاویل کہلائے گی۔یہ تاویلِ متشابہات میں سے نہیں ہے بلکہ سیاق وسباق اور دیگر شواہد وقرائن کی روشنی میں اسے اختیار کرنا ایک مفسر کے لیے جائز ہوتا ہے۔اصولِ فقہ میں مشترک کے مقابلے پر مُاَوَّل کا لفظ بولا جاتا ہے۔مثلاً قرآنی لفظ قُرُوۡٓءٌ کا معنی حیض بھی آتا ہے اور طہارت بھی ہے۔احناف نے جب اس سے مراد حیض لیا تو اب یہ دو مشترک معنوں سے ایک کی طرف مُاَوَّل ہوگیا۔یہ تاویل ہر مفسر اپنے علم کی روشنی میں منصفانہ

ترجیحات کی بنا پر کرتا ہے اور یہاں مفسرین کا باہمی اختلاف عین رحمت ہے ایسا اختلاف جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۳)۔تاویل الغالین

تاویل الغالین کو تاویل مستکرہ بھی کہتے ہیں۔تاویل کے نام پر آیت پر زبردستی کرنا اور سینہ زوری سے کام لینا ''تاویل مستکرہ'' کہلاتا ہے۔مستکرہ کا معنی ہے جبر واکراہ یعنی زبردستی۔ یہ تاویل جائز نہیں ہوتی۔اس قسم کی تاویلیں کرنے والے لوگوں کے ذہن میں پہلے سے ایک خیال (IDEA) جاگزیں ہو چکا ہوتا ہے۔اب اس کو ثابت کرنے کیلیے وہ قرآنی آیات کو اپنے مافی الذہن کی طرف پھیر دیتے ہیں جسے تاویل مستکرہ کہا جاتا ہے (یعنی زبردستی کی تاویل)۔ ایسے لوگ آیات پر ظلم کریں یا اپنی جان پر۔انہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔مثلاً یہ کہنا کہ تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ سے مراد معاذاللہ ابوبکر اور عمر ہیں۔ اور وَكُلَّ شَيۡءٍ أَحۡصَيۡنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ (یٰسین:۱۲) میں امام مبین سے مراد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔

مَرَجَ الۡبَحۡرَيۡنِ سے مراد سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما ہیں اور اَللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَان سے مراد حسنین کریمین علیہما الرضوان ہیں۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ: فَإِنَّهٗ مِنۡ تَاوِيۡلِ الۡجَهَلَةِ وَالۡحُمَقَاءِ كَالرَّوَافِضِ یعنی یہ تاویل جاہل اور احمق لوگوں کا کام ہے (مرقاۃ جلد ا صفحہ ۲۹۲)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: يَحۡمِلُ هٰذَا الۡعِلۡمَ مِنۡ كُلِّ خَلۡفٍ عُدُولُهٗ، يَنۡفُونَ عَنۡهُ تَحۡرِيفَ الۡغَالِينَ وَاِنۡتِحَالَ الۡمُبۡطِلِينَ وَتَاۡوِيۡلَ الۡجَاهِلِينَ یعنی ہر آنے والے دور میں اس وقت کے ذمہ دار افراد علم کی پاسبانی کرتے رہیں گے۔ غالیوں کی تاویل، جھوٹوں کی علمی چوری اور جاہلوں کی تحریف کی نفی کرتے رہیں گے (اخرجہ البیہقی فی السنن الکبریٰ ۲۰۹/۱۰، مشکوٰۃ:۲۴۸)۔

☆......☆......☆

پانچواں باب:

کتبِ تفاسیر

اقسامِ تفاسیر

مختلف علماء کرام نے وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر یا اپنے ذوق اور مہارت کی بنا پر اپنے اپنے انداز سے قرآن کی تفاسیر لکھی ہیں۔محدثین نے احادیث اور آثار کی روشنی میں تفاسیر لکھیں۔ متکلمین نے باطل ادیان اور مذاہب کے رد پر زور دیتے ہوئے تفاسیر لکھیں۔فقہاء نے صرف احکام سے متعلق آیات کی تفسیر کی۔قاریوں نے قرأت کے فن میں تفاسیر لکھیں۔نحویوں اور ماہرینِ لغت نے قرآنی الفاظ اور غرائب پر تفاسیر لکھیں۔ادیب حضرات نے معانی اور بیان پر نکتہ آفرینیاں کیں اور اسی ڈھب پر تفاسیر لکھیں۔صوفیاءِ کرام نے سلوک اور علم الحقائق کی رو سے تفاسیر لکھیں۔یہ ساری بحث الفوز الکبیر کے صفحہ ۷۲ پر بھی موجود ہے۔

اس کے علاوہ بعض مختصر تفاسیر کی شروح بھی لکھی گئی ہیں۔پھر مختلف زبانوں میں قرآن شریف کے ترجمے،حواشی اور تفاسیر بھی لکھی جا چکی ہیں۔

تفاسیر کے اہم گروپ حسبِ ذیل ہیں۔

(۱)۔تفسیر بالماثور

یہ وہ تفاسیر ہیں جو احادیث شریفہ،اقوالِ صحابہ علیہم الرضوان،اقوالِ تابعین علیہم الرضوان اور اسرائیلیات کی روشنی میں لکھی گئی ہیں یعنی ان کا اعتماد ہر منقولات پر ہے۔اس گروپ کی اہم تفاسیر یہ ہیں ۔تفسیر ابن جریر طبری (اس تفسیر کا نام جامع البیان ہے)،تفسیر ابن کثیر،تفسیر در منثور وغیرہ۔ان تفاسیر کے بارے میں ایک نہایت اہم بات یہ ہے کہ ان میں کسی بھی آیت کی تفسیر میں دستیاب ہونے والے تمام اقوال کو یکجا کر دیا جاتا ہے۔مفسر کو کسی قول کے راجح،مرجوح یا مردود ہونے سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔البتہ ابن کثیر نے اس ڈگر سے ہٹ کر لکھا ہے اور روایات پر محدثانہ بحث بھی کی ہے۔

(۲)۔احکام القرآن

یہ وہ تفاسیر ہیں جو صرف ان آیات پر لکھی گئیں جن کا تعلق احکام سے ہے۔ان میں تقریباً پانچ سو آیات کی تفسیر ہوتی ہے مثلاً الجامع لاحکام القرآن (از امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ) احکام القرآن (از حضرت ابو بکر محمد بن عبداللہ بن احمد المعروف بہ ابن عربی) اور تفسیرات احمدیہ (از علامہ احمد جیون دہلوی رحمت اللہ علیہ) یہ تینوں تفسیریں اپنی مثال آپ ہیں البتہ قرطبی کا پایہ سب سے بلند ہے اور یہ ان سب سے مفصل بھی ہے۔

(۳)۔مختصرات

ان تفاسیر میں قرآنی الفاظ کو واضح کیا گیا ہے۔یہ تفسیرات زیادہ تفصیلی نہیں ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ عربی سے عربی ترجمہ ہے یا ساتھ تھوڑی بہت وضاحت ہے۔اس فن میں مندرجہ ذیل چار تفاسیر زبردست اہمیت کی حامل ہیں اور تفسیری متون کی حیثیت رکھتی ہیں۔تفسیر جلالین تفسیر مدارک، تفسیر کشّاف، تفسیر بیضاوی۔واضح رہے کہ ان تفاسیر میں کشاف کے مصنف علامہ زمخشری معتزلہ ہیں۔علماء اس سے لغت کی حد تک استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

(۴)۔تراجم وحواشی

عجمی عوام کو سمجھانے کے لیے قرآن کے دیگر زبانوں میں ترجمے ہوئے اور بعض علماء نے اپنے ترجمے پر مختصر حواشی بھی لکھے۔مثلاً فارسی میں حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمت اللہ علیہ کا ترجمہ، فارسی ہی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ کا ترجمہ، اردو میں حضرت شاہ عبدالقادر رحمت اللہ علیہ کا ترجمہ (موضح القرآن) اور اس پر مختصر سی تفسیر، یہ اردو زبان کا پہلا ترجمہ ہے اور نہایت محققانہ ہے۔

اردو زبان میں اعلیٰ حضرت علامہ شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمت اللہ علیہ کا ترجمہ ہے جس کا نام کنز الایمان ہے۔اس پر بہترین حاشیہ صدر الافاضل حضرت سید نعیم الدین مراد آبادی رحمت اللہ علیہ کا ہے جس کا نام خزائن العرفان ہے۔

اردو زبان میں حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ترجمہ لکھا

ہےاورنورالعرفان کے نام سے قرآن شریف پرایک حاشیہ بھی لکھا ہے۔

اردو زبان میں غزالیِ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمت اللہ علیہ نے بھی ترجمہ کیا ہے۔جس کا نام البیان ہے۔جو نہایت محققانہ ترجمہ ہےاور موجودہ محاورے کے مطابق بھی ہے۔

اردو زبان میں ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمت اللہ علیہ نے بھی ترجمہ کیا ہے جسکا نام جمال القرآن ہے۔ترجمہ آسان ہےاور لفظی ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عجیب روانی رکھتا ہے۔

(۵)۔مفصل تفاسیر

یہ وہ تفاسیر ہیں جو کسی ایک موضوع اور ایک انداز کی نہیں کہی جاسکتیں بلکہ ان مفسرین نے سامنے آنے والے ہر مسئلے کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔اور مفصل تفاسیر لکھی ہیں۔البتہ بعض دفعہ ان کا جھکاؤ کسی خاص کوشش کی عکاسی بھی کرتا ہے۔

مثلاً تفسیر کبیر از حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ(اس تفسیر میں متکلمانہ رنگ غالب ہے)،تفسیر مظہری از حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ،تفسیر روح المعانی از حضرت علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمۃ،تفسیر روح البیان از حضرت علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ(روح البیان کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔پاکستان میں دستیاب ہے)۔

ان تفاسیر میں سے ہر مفسر پر اپنا الگ انداز اور رنگ غالب ہے۔لیکن مجموعی طور پر انہیں مفصلات کہنا ہی مناسب ہے۔

(۶)۔صوفیانہ تفاسیر

بعض صوفیاء کرام علیہم الرضوان نے صرف صوفیانہ انداز میں قرآن کے ''ظاہر'' کی بجائے صرف ''باطن'' کی تفسیر کرتے ہوئے تفاسیر لکھی ہیں۔مثلاً تفسیر عرائس البیان از عارف باللہ ابو محمد صدر الدین روبہان بقلی رحمۃ اللہ علیہ،تفسیر ابن عربی از شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمت اللہ علیہ،تفسیر قشیری از امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۷)۔شروح التفاسیر

بعض تفاسیر کی مزید شروح لکھی گئی ہیں مثلاً جلالین کی شرح جمالین (از حضرت ملا علی قاری رحمت اللہ علیہ)، جمل (از حضرت سید سلیمان جمل رحمت اللہ علیہ)، تفسیر صاوی (از احمد بن محمد صاوی مالکی رحمت اللہ علیہ، متوفی ۱۲۴۱ھ)۔ تفسیر مدارک کی شرح اکلیل ہے جو مولٰینا عبدالحق مہاجر مدنی (متوفی ۱۳۳۳ھ) کی تصنیف ہے۔ تفسیر بیضاوی کی شرح حضرت شیخ زادہ رحمت اللہ علیہ نے لکھی ہے جو چار بڑی بڑی جلدوں میں ہے۔ شیخ زادہ ہی کے نام سے مشہور ہے۔ بیضاوی کی ایک شرح علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمت اللہ علیہ نے لکھی ہے اور اسکی ایک اور شرح علامہ شہاب الدین خفاجی رحمت اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ ان کے علاوہ بھی اسکی کئی شروح ہیں۔

(۸)۔اردو تفاسیر

چودھویں صدی میں اردو زبان میں عوامی تفاسیر کا رواج ہوا ہے۔ بے شمار علماء نے عوام الناس کے لیے قرآن کو آسان بنانے کی کوشش میں تفاسیر لکھی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔ تفسیر الحسنات سات جلدوں میں، تفسیر ضیاء القرآن پانچ جلدوں میں، تفسیر نعیمی (ہر پارے کی ایک جلد ہے اب تک صرف ۱۷ پارے کی ۱۷ جلدیں تیار ہوئی ہیں) اور تفسیر التبیان (۱۲ جلدوں میں)۔

اہم بات

آج کے دور میں تفسیر کے تمام ماخذوں میں سے کسی ایک کو لے کر صرف اسی کی روشنی میں تفسیر لکھ دینا بہت بڑا فساد ہے۔ تفسیرِ قرآن کے تمام ماخذوں کو بیک وقت مدّنظر رکھ کر ہی قرآن کے صحیح منشاء کو سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام اقسامِ تفاسیر میں مفسرین نے خواہ عقائد پر زور دیا ہو یا احکام پر، معانی پر بحث کی ہو یا تصوف پر، ہر مفسر نے تفسیر کے تمام ماخذوں کی روشنی میں ہی اپنی ضرورت اور دلچسپی کے مسائل کو حل کیا ہے۔

اس کے برعکس چودھویں صدی میں آ کر بعض منکرینِ حدیث نے قرآن کی تفسیر صرف ایک ماخذ کی روشنی میں لکھی ہے، یعنی قرآن کی تفسیر قرآن کی روشنی میں جیسے مسٹر غلام احمد پرویز کی تفسیر مطالب القرآن۔ مصنف کا اصل مقصد دیگر ماخذوں کا انکار تھا۔

خوب سمجھ لیجیے کہ صحیح تفاسیر کے ماخذ مختلف نہیں ہوتے بلکہ ان کے فنون اور موضوعات مختلف ہوتے ہیں۔ اقسامِ تفاسیر سے یہی مراد ہے۔

بعض اہم تفاسیر کا تفصیلی تعارف

(۱)۔تفسیر طبری

علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۳۱۰ھ کی تفسیر ہے۔ قرآنی آیات کی تفسیر میں احادیث اور آثار کا مجموعہ ہے۔ بیروت سے پندرہ جلدوں میں چھپی ہے۔ بعد والی تفاسیر کا بنیادی ماخذ سمجھی جاتی ہے۔

(۲)۔احکام القرآن

یہ تفسیر امام ابوبکر جصاص رحمت اللہ علیہ حنفی (متوفی ۳۷۰ھ) نے لکھی ہے۔ اس کی تین ضخیم جلدیں ہیں۔ صرف احکام پر مبنی پانچ سو آیات کی تفسیر ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمت اللہ علیہ کے اقوال اور فقہ حنفی کے مطابق لکھی گئی ہے۔ دیگر دلائل کے علاوہ مجمع علیہ مسائل کا اجماعی ہونا خوب واضح فرماتے ہیں۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور پاکستان میں دستیاب ہے۔

(۳)۔معالم التنزیل (تفسیر بغوی)

امام محی السنہ ابومحمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی تفسیر ہے۔ اس کی چار جلدیں ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ لغت بھی کھولتے ہیں، احادیث اور آثار کو اہتمام کے ساتھ لاتے ہیں اور فوائد بھی خوب بیان فرماتے ہیں، قرآن کا مقصود اور اصل مفہوم سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، قولِ مختار کو واضح لکھتے ہیں اور قولِ مرجوح کو اکثر قیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، دنیائے اسلام کی چوٹی کی تفسیر ہے۔

(۴)۔مفاتیح الغیب

امام فخرالدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کی تصنیف ہے۔ تفسیر کبیر کے نام سے مشہور

ہے۔ اس کی تیس جلدیں ہیں، پاکستان سے گیارہ جلدوں میں چھپی ہے۔عربی زبان میں ہے۔اس میں ہر موضوع پر بحث کی گئی ہے البتہ سائنس، عقلیات اور مذاہبِ باطلہ کے رد پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔جب کشاف پر اعتماد کرتے ہیں تو اسکی روایت کردہ موضوع روایات نقل کر ڈالتے ہیں۔ویسے حضرت امام رازی رحمت اللہ علیہ استدلال کے بادشاہ ہیں۔وفیہ مافیہ

(۵)۔انوار التنزیل واسرار التاویل

تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے ۔ اس کے مصنف حضرت علامہ قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی (متوفی ۶۷۵ھ) ہیں۔مختصر مگر نہایت علمی اور دقیق تفسیر ہے۔ کشاف، کبیر اور راغب سے استفادہ کرتے ہیں مگر معتزلہ کا مکمل رد کرتے ہیں۔اس کے ابتدائی اڑھائی پارے مدارس کے نصاب میں شامل ہیں۔نکتہ آفرینی میں بڑے ماہر ہیں۔اس کتاب کی بے شمار شروح لکھی جا چکی ہیں۔جن میں سے بعض کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

(۶)۔تفسیر القرآن العظیم

تفسیر ابنِ کثیر کے نام سے مشہور ہے۔علامہ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابنِ کثیر رحمت اللہ علیہ (متوفی ۷۷۴ھ) کی تصنیف ہے۔مسلکاً شافعی ہیں۔قرآن کی تفسیر احادیث و آثار کی روشنی میں لکھی ہے۔ان احادیث کی سند پر محدثانہ بحث بھی کرتے ہیں، مجموعہ روایات کے لحاظ سے بھی اچھی کتاب ہے جبکہ بعض مقامات پر نہایت علمی اور منفرد بحث بھی کرتے ہیں۔ چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور اسکا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ پاکستان میں عربی اور اردو ترجمہ دونوں دستیاب ہیں۔

(۷)۔تفسیر مظہری

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمت اللہ علیہ (متوفی ۱۲۲۵ھ) کی تصنیف ہے۔عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔پاکستان سے دس جلدوں میں چھپی ہے جبکہ مصر سے سات جلدوں میں تخریج کے ساتھ چھپی ہے۔آسان تفسیر ہے۔آیات کے تمام متعلقات اور ہر موضوع

پر بحث فرماتے ہیں۔ کسی بھی آیت کی تفسیر میں تمام روایات واقوال کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بہترین نتیجہ فراہم کرنے کے عادی ہیں۔ تصوف پر نہایت دلنشین اور مضبوط گفتگو فرماتے ہیں۔ صوفیانہ مسائل میں بڑی اہم اور منفرد کتاب ہے۔ حضرت قاضی صاحب رحمت اللہ علیہ نے اپنے مرشد کریم حضرت مظہر جان جاناں رحمت اللہ علیہ کے نام پر اس تفسیر کا نام رکھا ہے۔ اسکا اردو ترجمہ حضرت مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ نے کیا ہے۔ اصل عربی کتاب اور اسکا اردو ترجمہ دونوں پاکستان میں دستیاب ہیں۔

(۸)۔ روح المعانی

حضرت علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی رحمت اللہ علیہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) کی تصنیف ہے۔ عربی میں لکھی گئی ہے۔ اس کی تیس جلدیں ہیں۔ ہر موضوع پر دل کھول کر بحث کرتے ہیں۔ یہ کتاب بے شمار دوسری تفاسیر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ حنفی ہیں۔ اسکا اردو ترجمہ نہیں ہوا۔ عربی کتاب پاکستان میں دستیاب ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ کے بیٹے نعمان نے خوارج سے متاثر ہونے کے بعد اس کتاب کے بعض مقامات میں تغیر کر دیا ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمت اللہ علیہ نے اپنی کتاب شواہد الحق میں کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شواہد الحق صفحہ ۴۶۹، اردو ترجمہ از شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی)۔

(۹)۔ مجمع البیان

یہ شیعہ مکتبہ فکر کی تفسیر ہے۔ اسکی زبان عربی ہے۔ پانچ جلدوں میں ہے۔ اسکے مصنف ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی ہیں چھٹی صدی میں گزرے ہیں۔ ہر موضوع پر بحث کرتے ہیں۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وَقِیْلَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اَبُوْبَکْرٍ مِنِ ابْنِ الْعَالِیَةِ وَالْکَلْبِیِ (مجمع البیان جلد ۴ صفحہ ۴۹۸) یعنی وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ابو بکر صدیق ہیں۔ اسی طرح یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (المائدہ: ۵۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ان اوصاف والوں میں کئی اقوال ہیں۔سب سے پہلا قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور انکے ساتھی مراد ہیں جو مرتدوں کے خلاف لڑے (مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۲۱۰)۔

(۱۰)۔تفسیر فتح المنّان

حضرت مولٰینا عبدالحق حقانی (متوفی ۱۳۳۵ھ) کی تصنیف ہے۔اردو زبان میں لکھی گئی ہے مگر منطقی اور فلسفیانہ اصطلاحات سے لبریز ہونے کی وجہ سے بڑی دقیق کتاب ہے۔آیات کی نحوی ترکیب اور عیسائیت اور ادیانِ باطلہ کے رد پر خوب توجہ دیتے ہیں ۔اسکا مقدمہ ادیانِ عالم کے نام سے الگ بھی چھپ چکا ہے۔اسکی آٹھ جلدیں ہیں، چار جلدوں میں بھی چھپی ہے۔بڑی علمی تفسیر ہے۔تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔

(۱۱)۔تفسیر ثنائی

ثناء اللہ صاحب امرتسری (متوفی ۱۳۶۷ھ) غیر مقلد کا حاشیہ ہے ۔عیسائیت اور قادیانیت وغیرہ کا رد کرتے ہیں اور غیر مقلدین کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔سرسری اور سطحی تفسیر ہے۔نہایت مختصر ہے۔کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں۔

(۱۲)۔فی ظلال القرآن

سید قطب شہید مصری (متوفی ۱۳۸۵ھ) کی تصنیف ہے۔عربی زبان میں ہے۔اس کی چھ جلدیں ہیں۔اس کا نام فی ظلال القرآن ہے (یعنی قرآن کے سائے میں)۔مگر احادیث بھی جابجا نقل کرتے ہیں۔تفسیر غیر مقلدانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔

مصنف مصر میں اپنی تحریکی سرگرمیوں کے مطابق سیاست اور سیاسی انقلاب، تحریک اور دعوت پر زیادہ بحث کرتے ہیں اور تفسیر پر یہی رنگ غالب ہے۔اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۱۳)۔تفسیر حسنات

حضرت مولینا ابوالحسنات قادری علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے۔اردو زبان میں ہے اسکی سات بڑی بڑی جلدیں ہیں۔ترجمہ کرنے کے بعد عوام کے فائدے کے لیے ہر لفظ کا معنی ''الفاظ معنی'' کی شکل میں الگ بھی لکھتے ہیں اور پھر اس کے بعد تفسیر لکھتے ہیں۔ہر موضوع پر بحث کرتے ہیں۔عوام کے لیے بڑی کارآمد چیز ہے۔

(۱۴)۔معارف القرآن

مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (متوفی ۱۳۹۶ھ) کی تصنیف ہے۔اردو زبان میں ہے۔اسکی آٹھ جلدیں ہیں۔اس میں ترجمہ محمود الحسن صاحب دیوبندی کا لیا گیا ہے۔یہ لفظی ترجمہ ہے اور اسکی اردو نہایت پرانی اور غیر واضح ہے۔خلاصہ تفسیر اشرف علی صاحب تھانوی کی تفسیر بیان القرآن سے لیا گیا ہے اور معارف و مسائل کے نام سے مصنف نے اپنی تحقیقات بیان کی ہیں۔جدید مسائل پر خوب بحث کرتے ہیں مگر بعض اوقات تھوڑی بات کو لمبا کر دیتے ہیں۔نہایت زبردست سرخی قائم کر کے اسکے تحت نہایت سرسری،غیر ضروری اور سطحی بات لکھ کر چلے جاتے ہیں۔کسی کا ترجمہ،کسی کا خلاصہ اور کسی کے معارف نے تکرار پیدا کر کے کتاب کو خواہ مخواہ لمبا کر دیا ہے۔نیز آخری دس پاروں کی تفسیر پہلے بیس پاروں کے مقابلے پر نہایت مختصر ہے حالانکہ آخری پارے کافی اہم ہوا کرتے ہیں۔

اس تفسیر میں بعض نہایت غیر تحقیقی باتیں بھی لکھ دی گئی ہیں۔مثلاً جلد ۴ صفحہ ۳۲۱ پر شامی اور مراغی کے حوالے سے لکھا ہے کہ غیر مسلموں سے چندہ لے کر مسجد تعمیر کرنا جائز ہے۔مصنف نے یہ بات بلا تحقیق نقل کر دی ہے۔

ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ ''افسوس ہے کہ اب مسلمانوں میں بھی بعض لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کے منکر پائے جاتے ہیں۔انہیں سوچنا چاہیے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں'' (صفحہ ۴۶۵،جلد ۸)۔

مفتی صاحب نے یہ بات بھی محض مطالعہ کیے بغیر سن سنا کر لکھ دی ہے۔جس مکتبہ فکر کی

طرف ان کا اشارہ ہے اس مکتبہ فکر کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کا انکار کفر ہے۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بار بار بشر کہنے کو بے ادبی سمجھتے ہیں اور بشریت کی بجائے نورانیت کے وصف سے یاد کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۱۵)۔تدبرِ قرآن

امین احسن اصلاحی کی تصنیف ہے۔اسکی نو جلدیں ہیں۔اردو زبان میں ہے۔قرآن کی تفسیر حدیث کی روشنی میں کرتے ہیں۔غیر مقلدانہ تفسیر ہے۔مسلمانوں کی اکثریت کے لیے کوئی خاص فائدہ مند چیز نہیں۔مصنف نے اپنے طور پر بڑی محنت سے تفسیر لکھی ہے۔

(۱۶)۔تفہیم القرآن

سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب (متوفی ۱۳۹۹ھ) کی تصنیف ہے۔اردو زبان میں ہے۔اسکی چھ جلدیں ہیں۔سیاسی اور اصلاحی موضوعات پر زیادہ بحث کرتے ہیں۔ویسے تقریباً ہر موضوع پر آسان انداز سے بحث کرتے ہیں۔پہلی جلد نسبتاً مختصر ہے۔اگلی جلدیں اور خصوصاً آخری دو جلدیں زیادہ تفصیلی ہیں۔قرآن کا ترجمہ بین السطور لکھنے کی بجائے آیات مکمل لکھنے کے بعد الگ لکھتے ہیں۔اور پھر اس کے نیچے حواشی کی صورت میں تفسیر لکھتے ہیں۔

غیر مقلدانہ رنگ غالب ہے۔ان کی بعض تحقیقات ایسی ہوتی ہیں جو دیگر اسلامی اصولوں اور واضح دلائل سے ٹکرا رہی ہوتی ہیں۔تفسیر کرتے وقت تمام آیات واحادیث کو ذہن میں حاضر نہیں رکھتے۔اپنے محدود مطالعہ کے مطابق بڑی زبردست بات بنا لیتے ہیں لیکن اہلِ علم ان کی تفسیر کو پڑھ کر سر پکڑ کے بیٹھ جاتے ہیں مثلاً غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''جو معتوب نہیں ہوئے''

یہاں مصنف نے غضب کا ترجمہ عتاب کردیا ہے۔حالانکہ عتاب اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں پر بھی فرماتا ہے۔حدیث شریف میں ہے فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عتاب فرمایا(بخاری:۱۲۲،مسلم:۶۱۶۳)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بارے میں فرمایا: عَاتَبَنِیْ فِیْہِ رَبِّیْ یعنی میرے رب نے مجھے عبداللہ بن مکتوم کے بارے میں عتاب فرمایا (تقریباً ہر معروف تفسیر میں یہ حدیث درج ہے)۔

مصنف اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے تحت لکھتے ہیں کہ عبادت کا معنی پوجا، غلامی اور اطاعت ہے اور یہاں یہ تینوں معانی مراد ہیں ۔ حالانکہ اگر یہاں عبادت کا معنی اطاعت لیا جائے تو پھر یہ قرآنی حکم اَطِیْعُوا الرَّسُوْل (یعنی رسول کی اطاعت کرو) سے ٹکرا جائے گا اور رسول کی عبادت لازم آئے گی۔

آپ نے دیکھ لیا کہ مصنف پوری صورتِ حال (TRUE PICTURE) نہیں دکھایا کرتے اور انہیں فیصلہ دیتے وقت تمام دلائل کا استحضار نہیں ہوتا۔ مصنف کا طرزِ تحریر مصر کے سید قطب شہید کی تحریروں سے ملتا جلتا ہے۔ اس تفسیر پر برصغیر کے بے شمار علماء نے تنقید کی ہے اور اسے ناپسند کیا ہے اور اسے تفسیر بالرائے قرار دیا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

(۱۷)۔ضیاءالقرآن

حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمت اللہ علیہ (متوفی ۱۴۱۹ھ) کی تصنیف ہے۔ اردو زبان میں ہے۔ اسکی پانچ جلدیں ہیں۔ اس میں ادب اور سنجیدگی کو سختی سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔ پہلے ہر سورۃ کا خلاصہ لکھتے ہیں اور بعد میں اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ بعض مقامات پر تفسیر سرسری اور مختصر محسوس ہوتی ہے اور پیاس نہیں بجھاتی جبکہ بعض مقامات پر نہایت تفصیلی اور بصیرت افروز بحث فرماتے ہیں۔ اسکی پہلی جلد ساڑھے سات پاروں پر مشتمل ہے۔ اور آخری جلدیں نسبتاً مفصل ہیں۔ ہر پیش آنے والے موضوع پر بحث کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے عوام الناس کی ضرورت کو زیادہ ملحوظ رکھا ہے اور اپنی تحریر پر کسی قسم کا خبط سوار نہیں ہونے دیا۔ تصوف پر بھی حسبِ موقع بحث کرتے ہیں۔ صوفیانہ مسائل میں تفسیر مظہری پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں اور باریک اور پیچیدہ مسائل میں قرطبی اور بیضاوی سے استفادہ کرتے ہیں۔ معتدل المزاج ہونے کی وجہ سے بعض اوقات اپنے مخالفین کے حوالے نہایت مؤدبانہ اور مثبت انداز میں دیتے ہیں، جسکی وجہ سے بعض ہم خیالوں نے اس تفسیر پر اس بات کا اعتراض بھی کیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمہ چونکہ انگریزی بھی سمجھتے تھے ۔اس لیے مستشرقین کی انگریزی کتب کے حوالہ جات سے بھی اسلام کا خوب دفاع کرتے ہیں۔اردو زبان کی دستیاب تفاسیر میں ایک مناسب تفسیر ہے۔وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

(۱۸)۔تبیان القرآن

شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اس کی گیارہ جلدیں ہیں۔نہایت مفصل، علمی اور آسان تفسیر ہے۔مصنف نے صحیح مسلم کی شرح بھی لکھی ہے جس کا نام شرح صحیح مسلم ہے۔ یہ دونوں کتابیں اپنی نظیر آپ ہیں۔مصنف نے شروع شروع میں اپنے بعض تفردات بھی ان کتابوں میں لکھ دیے تھے جن کی وجہ سے علمی حلقوں میں ہل چل مچ گئی لیکن بعض فقراء اور حضرت علامہ شیخ الحدیث محمد اشرف سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف پر حقائق واضح کیے جنہیں مصنف نے نہایت فراخ دلی سے قبول کیا۔اللہ تعالیٰ مصنف کو ان کی فراخ دلی اور دین سے سچی ہمدردی اور وابستگی پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہماری معلومات کے مطابق اب ان کی تمام کتابیں صاف شفاف اور اہلِ حق کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔تفسیر تبیان القرآن اردو زبان کی دستیاب تفاسیر میں سب سے بلند پایہ تفسیر ہے۔

علوم القرآن پر کتب

اس موضوع پر بے شمار کتب لکھی جا چکی ہیں۔جن میں سے چند کتب حسبِ ذیل ہیں۔

(۱)۔مناہل العرفان

یہ عصرِ حاضر کے ایک عالم علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی کی تصنیف ہے۔اس کی دو جلدیں عربی زبان میں ہیں۔پاکستان کے کسی کتب خانے پر نہیں ملتی۔اب یہ بزرگ فوت ہو گئے ہیں۔

(۲)۔البرہان فی علوم القرآن

علامہ محمد بن عبداللہ زرکشی علیہ الرحمہ (متوفی ۷۹۴ھ) کی تصنیف ہے۔اپنے دور تک

سب سے اچھی کتاب سمجھی جاتی تھی۔اسکی بھی چار جلدیں ہیں۔عربی زبان میں ہے۔ پاکستان میں مشکل سے ملتی ہے۔

(۳)۔الاتقان فی علوم القرآن

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) کی تصنیف ہے۔اس کی دو چھوٹی چھوٹی جلدیں ہیں۔عربی زبان میں ہے۔اس موضوع پر آج تک اس سے اچھی کتاب نہیں لکھی گئی۔

علوم القرآن کے تمام موضوعات پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور قاری کو حیران کر کے رکھ دیتے ہیں۔صحیح معنی میں قرآنی معلومات کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔پاکستان میں عام دستیاب ہے۔اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

(۴)۔مقدمہ ابن تیمیہ

علامہ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کا تقریباً ساٹھ صفحات کا کتابچہ ہے۔عربی زبان میں ہے۔ پاکستان میں دستیاب ہے۔اس میں تفسیر کے ماخذوں پر بحث کی گئی ہے اور وجوہِ اختلاف کو واضح کیا گیا ہے۔بعض جاہلانہ تفاسیر پر تنقید کرتے ہیں اور مختلف تفاسیر کا مختصر سا تعارف کراتے ہیں۔محدود معلومات پر مبنی ہے۔اس کے مقابلے میں الفوز الکبیر اور الاتقان وغیرہ کا پایہ بہت بلند ہے۔

(۵)۔الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کی نہایت علمی تصنیف ہے۔فارسی زبان میں تقریباً سو صفحات کا رسالہ ہے۔اس میں اصولِ تفسیر، تفسیر کے ماخذ، مضامینِ قرآن اور ناسخ و منسوخ پر نہایت دقیق اور علمی بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب کے پانچ ابواب ہیں۔پہلا باب قرآن کے علومِ خمسہ اور چار قسم کے کفار (یہود، نصاریٰ، مشرکین، منافقین) کے بارے میں ہے۔ دوسرا باب عذاب اور مشکلات، ناسخ

ومنسوخ، اسبابِ نزول اور اصول (محکم ومتشابہ، کنایہ وتعریض وغیرہ) پر مشتمل ہے۔تیسرا باب اسلوب القرآن، چوتھا باب تفسیر کے ماخذ، اقسامِ تفسیر اور حروفِ مقطعات وغیرہ کے بارے میں اور پانچواں باب فتح الخبیر کے نام سے موسوم ہے جس میں تمام سورتوں کے مشکل مقامات کو حل کر دیا گیا ہے۔گویا یہ مختصر سی تفسیر ہے۔اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔پاکستان میں عام دستیاب ہے۔

(۶)۔علم القرآن

حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمت اللہ علیہ(متوفی ۱۳۹۱ھ) کی تصنیف ہے۔دو سو سے زائد صفحات ہیں۔اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔اس میں تفسیر کے اصول بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔خصوصاً عصرِ حاضر میں جب اخباری صحافیوں اور ناول نگاروں نے تفسیر نویسی شروع کر دی تو حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے ان پر نہایت معقول اور دردمندانہ گرفت فرمائی ہے۔بڑے بڑے اہم اختلافی مسائل کو تفسیر کے اصولوں کی روشنی میں حل کر دیا ہے۔

☆......☆......☆

ابواب القرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

مختلف علماء نے اپنے ذوق کے مطابق قرآن شریف کی ابواب بندی پر کام کیا ہے۔ان میں حضرت قبلہ مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کی تیار کردہ فہرست بڑی قیمتی چیز ہے جو ان کی تفسیر نور العرفان کے آخر میں فہرستِ قرآن مجید کے نام سے چھپی ہوئی ہے۔اس کے علاوہ تبویب القرآن اور مضامینِ قرآن کے نام سے بھی کتابیں مارکیٹ میں موجود ہیں۔ ہماری طرف سے بھی جدید دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن مجید کے مضامین کی فہرست ''ابواب القرآن'' کے نام سے پیش خدمت ہے۔

یہ فہرست قرآن شریف کے طالبِ علموں کے لیے آسانی کا سبب ہے۔قرآن شریف میں سے متعلقہ آیت کھول کر دیکھ لیجیے اور تفسیر کی مختلف کتابوں میں اس کی تشریح پڑھ لیجیے۔ یہ حصولِ علم کا آسان طریقہ ہوگا۔

ثانیاً سادہ لوح مسلمان جو قرآن اور اسلام کی تعلیمات سے بے خبری کے باعث یورپی نظریات کے ویرانوں میں بھٹک رہے ہیں اگر وہ قرآن کی جدید تعلیمات پر نظر ڈالیں گے تو امیدِ واثق ہے کہ ان کے ایمان کے بجھتے ہوئے چراغ کو روشنی ملے گی۔

ثالثاً حق کی جستجو کرنے والے غیر مسلم صاحبان جب اپنی آسمانی کتابوں سے قرآنی مضامین کا موازنہ کریں گے تو انشاءاللہ العزیز قرآن اور اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیے بغیر ان کے پاس کوئی چارہ نہ ہوگا۔

قرآن مجید چیلنج فرماتا ہے کہ: قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِہٖ وَلَوۡ کَانَ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ ظَہِیۡرًا یعنی اے محبوب فرما دو۔اگر تمام انسان اور جنات مل کر بھی اس قرآن کی مثال لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں (بنی اسرائیل ۱۷:۸۸)۔

یہ بھی واضح رہے کہ ہم اس فہرست میں قرآن کے تمام تر مضامین اور اس کی وسعتوں کا احاطہ نہیں کر سکے۔اور اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں۔ {فقیر غلام رسول قاسمی}

☆......☆......☆

اسلام کا تعلیمی نظام

(۱)۔اپنے رب کے نام سے پڑھ۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ (العلق:۱)۔

(۲)۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم سکھایا۔

عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَالَمۡ یَعۡلَمۡ (العلق:۵)۔

(۳)۔حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم سکھایا۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا (البقرۃ:۳۱)۔

(۴)۔اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرآن سکھایا۔

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡآنَ (الرحمن:۱،۲)۔

(۵)۔علمی مثالیں صرف علماء ہی سمجھتے ہیں۔

وَمَا یَعۡقِلُهَآ اِلَّا الۡعَالِمُوۡنَ (العنکبوت:۴۳)۔

(۶)۔عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔

قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (الزمر:۹)۔

(۷)۔علماء ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا (الفاطر:۲۸)۔

(۸)۔ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم معلمِ انسانیت ہیں۔

یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ آیَاتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَةَ (آلِ عمران:۱۶۴)۔

(۹)۔محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے لیے عملی نمونہ ہیں۔

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)۔

(۱۰)۔اللہ تعالیٰ قلم اور تحریر کی قسم کھاتا ہے۔

نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا یَسۡطُرُوۡنَ (القلم:۱)۔

(۱۱)۔اولاد کو نصیحت۔

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ، وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ، وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ (لقمان:۱۷ تا ۱۹)۔

(۱۲)۔علم نہ ہو تو پوچھ لو۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۴۳)۔

(۱۳)۔ہر علم والے سے اوپر علم والا موجود ہے۔

فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (یوسف:۷۶)۔

(۱۴)۔عالم کو بھی چاہیے کہ اپنے سے بڑے عالم سے پوچھ لے۔

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (الکہف:۶۶)۔

شریعت کے چار ماخذ ہیں

(۱)۔شریعت کا پہلا ماخذ قرآن ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل:۹)۔

(۲)۔شریعت کا دوسرا ماخذ سنت ہے۔

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)۔

(۳)۔شریعت کا تیسرا ماخذ اجماع امت ہے۔

(الف)۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آلِ عمران:۱۱۰)۔

(ب)۔وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى (النساء:۱۱۵)۔

(۴)۔شریعت کا چوتھا ماخذ قیاس اور اجتہاد ہے۔

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء:۸۳)۔

(۵)۔جب تک شریعت منع نہ کرے ہر کام جائز ہے۔

(الف)۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ (المائدہ:۸۷)۔

(ب)۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ (المائدۃ:۱۰۱)۔

(ج)۔قَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ (الانعام:۱۱۹)۔

(د)۔قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّماً (الانعام:۱۴۵)۔

(ھ)۔قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ (الاعراف:۳۲)۔

بابُ التوحید

(۱)۔اللہ تعالیٰ موجود ہے

(الف)۔ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْیٰکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (البقرۃ:۲۸)۔

(ب)۔اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَ الْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ الآیۃ (البقرۃ:۱۶۴)۔

(۲)۔اللہ تعالیٰ ایک ہے۔

(الف)۔قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (الاخلاص:۱)۔

(ب)۔لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:۲۲)۔

(ج)۔وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (البقرۃ۲:۱۶۳)۔

(۳)۔اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی عبادت کا حق دار نہیں۔

(الف)۔فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (محمد:۱۹)۔

(ب)۔وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء:۲۵)۔

(۴)۔تثلیث کا عقیدہ باطل ہے۔

(الف)۔لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ (النساء:۱۷۱)۔

(ب)۔لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدہ:۷۳)۔

(۵)۔اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں۔

(الف)۔لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (اخلاص:۳)۔

(ب)۔قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (الانبیاء:۲۶)۔

(ج)۔قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ:۳۰)۔

(۶)۔مشرکین مکہ کا شرک یہ تھا کہ وہ بتوں کو مانتے اور پھر ان کی عبادت کرتے تھے

(الف)۔مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر:۳)۔

(ب)۔وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (یوسف:۱۰۶)۔

(۷)۔مشرک بتوں کو خدا سمجھ کر پکارتے ہیں، ان کے پکارنے سے مراد پوجنا ہے

(الف)۔وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا (النساء:۱۱۷)۔

(۸)۔غیر اللہ کو معبود نہ سمجھا جائے تو پکارنا جائز ہے۔

(الف)۔اُدْعُ اِلٰى رَبِّكَ (الحج:۶۷)۔

(ب)۔اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ (النحل:۱۲۵)۔

(ج)۔ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا (البقرۃ:۲۶۰)۔

(د)۔كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً (البقرۃ:۱۷۱)۔

(ر)۔لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور:۶۳)۔

(س)۔وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (یونس:۲۵)۔

(۹)۔اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسماءِ حسنیٰ ہیں۔ان سے اسی کی ذات مراد ہے۔

(الف)۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل:۱۱۰)۔

(ب)۔هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (الحشر:۲۴)۔

(ج)۔وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف:۱۸۰)۔

باب الرسالت

(۱)۔محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں

(الف)۔مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح:۲۹)۔

(ب)۔وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آل عمران:۱۴۴)۔

(ج)۔اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (یٰس:۳)۔

(د)۔هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ (الفتح:۲۸)۔

(۲)۔ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ساری خدائی کے لیے نبی ہیں

(الف)۔قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:۱۵۸)۔

(ب)۔وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:۱۰۷)۔

(۳)۔ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں

(الف)۔مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:۴۰)۔

(۴)۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی

(الف)۔سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا (بنی اسرائیل:۱)۔

(ب)۔وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (النجم:۱)۔

(۵)۔انبیاء علیہم السلام کے معجزات برحق ہیں

(الف)۔وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (آل عمران:۴۶)۔

(ب)۔اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ

ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (آلِ عمران:۴۹)۔

(ج)۔وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء:۱۵۷)۔

(د)۔وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ (المائدہ:۱۱۰)۔

(ہ)۔ قُلْ لَّىٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل:۸۸)۔

(و)۔فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ (الشعراء:۳۲)۔

(ز)۔وَنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ (الشعراء:۳۳)۔

(ح)۔اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر:۱)۔

(۶)۔اللہ کے ساتھ اس کے رسول کو ملانا ایمان ہے اور جدائی ڈالنا کفر ہے

(الف)۔سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ (التوبہ:۵۹)۔

(ب)۔وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ (التوبہ:۶۲)۔

(ج)۔وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (التوبہ:۷۴)۔

(د)۔وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ (الاحزاب:۳۷)۔

(۷)۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب ضروری ہے، بے ادبی کفر ہے۔

(الف)۔یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الحجرات:۱)۔

(ب)۔لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (الحجرات:۲)۔

(ج)۔وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (الفتح:۹)۔

(د)۔اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (الاحزاب:۵۷)۔

(۸)۔میلاد منانا جائز ہے۔

(الف)۔وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (البقرۃ:۱۵۲)۔

(ب)۔لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ (آلِ عمران:۱۶۴)۔

(ج)۔قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا (یونس:۵۸)۔

(د)۔وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ (ابراہیم:۵)۔

(ہ)۔وَاَمَّا بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ (الضحیٰ:۱۱)۔

(۹)۔اللہ کریم کے بتائے بغیر کوئی خود سے علمِ غیب نہیں جان سکتا۔

(الف)۔وَلَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ (الاعراف:۱۸۸)۔

(ب)۔قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَيۡبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل:۶۵)۔

(ج)۔اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ (لقمان:۳۴)۔

(د)۔وَمَا اَدۡرِىۡ مَا يُفۡعَلُ بِىۡ وَلَا بِكُمۡ (الاحقاف:۹)۔

(۱۰)۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علمِ غیب دیا گیا۔

(الف)۔وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِىۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ (آلِ عمران:۱۷۹)۔

(ب)۔وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ (النساء:۱۱۳)۔

(ج)۔تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهَآ اِلَيۡكَ (ھود:۴۹)۔

(د)۔وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ (النحل:۸۹)۔

(ہ)۔عٰلِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا (الجن:۲۶)۔

(و)۔وَمَا هُوَ عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ (التکویر:۲۴)۔

(۱۱)۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں۔

(ا)۔قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ (المائدہ:۱۵)۔

(ب)۔مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ (نور:۳۵)۔

(۱۲)۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ناظر ہیں۔

(الف)۔يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا (الاحزاب:۴۵)۔

(۱۳)۔اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت کی وجہ سے ہر وقت دیکھتا رہتا ہے۔

(الف)۔قَدۡ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى السَّمَآءِ (البقرۃ:۱۴۴)۔

(ب)۔وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ (آلِ عمران:۱۲۱)۔

(ج)۔اَلَّذِىۡ يَرٰٮكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيۡنَ (الشعراء:۲۱۸،۲۱۹)۔

(د)۔اِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (الطور:۴۸)۔

(۱۴)۔حدیث ضروری ہے۔

(الف)۔وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل:۴۴)۔

(ب)۔لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)۔

(ج)۔وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)۔

(د)۔ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (القیامۃ:۱۹)۔

(ہ)۔وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ:۳)۔

(و)۔فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء:۶۵)۔

(۱۵)۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ ضروری ہے۔

(الف)۔قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (التوبہ:۲۴)۔

(۱۶)۔اللہ تعالیٰ کی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت۔

(الف)۔وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ، اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (الشعراء:۲۱۸،۲۱۹)۔

(ب)۔قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (البقرۃ:۱۴۴)۔

(ج)۔وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ (آلِ عمران:۱۲۱)۔

(د)۔فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (الطور:۴۸)۔

(ہ)۔وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى (الضحیٰ:۱تا۲)۔

(و)۔لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد:۱)۔

(ز)۔لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الحجر:۷۲)۔

(ح)۔يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (المزمل:۱)۔

(ط)۔يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (المدثر:۱)۔

(ی)۔مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (القلم:۲)۔

(ک)۔وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:۴)۔

(ل)۔تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ (لهب:۱)۔

(۱۷)۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں

(الف)۔لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (البقرۃ:۱۵۴)۔

(ب)۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (النساء:۶۴)۔

(ج)۔وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء:۱۰۷)۔

قرآن

(۱)۔قرآن کی زبان عربی ہے۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا (یوسف:۲)۔

(۲)۔قرآن محفوظ ہے۔

(الف)۔اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۹)۔

(ب)۔اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (القیامۃ:۱۷)۔

(۳)۔قرآن کے معانی احادیث کی صورت میں محفوظ ہیں۔

(الف)۔اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ (القیامۃ:۱۹)۔

فرشتوں پر ایمان

(۱)۔توحید اور رسالت کی طرح فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (البقرۃ:۲۸۵)۔

(۲)۔حضرت جبریل علیہ السلام قرآن لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے تھے۔

اِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (البقرۃ:۹۷)۔

(۳)۔جبریل اور میکائیل کے دشمن سے خدا کی دشمنی ہے۔

مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰلَ (البقرۃ:۹۸)۔

(۴)۔موت کا فرشتہ۔

يَتَوَفّٰٮكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ (السجدۃ:۱۱)۔

قیامت پر ایمان

(۱)۔موت ضرور آئے گی۔

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ (آلِ عمران:۱۸۵،الانبیاء:۳۵،العنکبوت:۵۷)۔

(۲)۔قیامت ضرور آئے گی۔

(الف)۔مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ (الفاتحہ:۳)۔

(ب)۔ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ (التوبہ ۹:۹۴،الجمعہ:۸)۔

(ج)۔وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ (الانفطار:۱۹)۔

(د)۔اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ (انشقاق:۱)۔

اس موضوع پر بے شمار آیات اور سورتیں موجود ہیں۔ایک سورۃ کا نام ہی سورۃ قیامت ہے۔

(۳)۔قیامت کے دن حساب دینا ہوگا۔

(الف)۔فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ (الزلزال:۷،۸)۔

(۴)۔جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی جنت میں جائیں گے ورنہ جہنم میں۔

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (القارعہ:۶،۹)۔

(۵)۔عذابِ قبر حق ہے۔

(الف)۔اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا (نوح:۲۵)۔

(ب)۔اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (المومن:۴۶)۔

(ج)۔مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ (جاثیہ:۱۰)۔

(د)۔يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ (الانفال:۵۰)۔

(۶)۔مردے سنتے ہیں۔

(ا)۔وَسۡئَلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَآ (الزخرف:۴۵)۔

(ب)۔اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ (الروم:۵۳)۔

(۷)۔ایصالِ ثواب کرنا حق ہے۔

(ا)۔رَبَّنَا اغۡفِرۡلَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ (الحشر:۱۰)۔

(ب)۔رَبَّنَا اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ (ابراہیم:۴۱)۔

(۸)۔جو جانور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے وہ حرام ہے۔

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ (البقرۃ:۱۷۳)۔

(۹)۔جو جانور غیر اللہ کی عبادت یا بھینٹ کی نیت سے ذبح کیا جائے وہ حرام ہے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ (المائدہ:۳)۔

(۱۰)۔بتوں کے نام پر چھوڑا ہوا جانور، اللہ کے نام سے ذبح کر دیا جائے تو وہ حلال ہے۔

(الف)۔فَکُلُوۡا مِمَّا ذُکِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَیۡهِ (الانعام:۱۱۸)۔

(ب)۔وَمَا لَکُمۡ اَلَّا تَاۡکُلُوۡا مِمَّا ذُکِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَیۡهِ (الانعام:۱۱۹)۔

(ج)۔مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡ بَحِیۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ (المائدہ:۱۰۳)۔

(د)۔فَکُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا طَیِّبًا (الانفال:۶۹)۔

(ہ)۔قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ (الانعام:۱۴۵)۔

(و)۔وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُکُمُ الۡکَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (النحل:۱۱۶)۔

(۱۱)۔مسلمانوں کے لیے شفاعت ہے۔کافروں کے لیے نہیں۔

(الف)۔وَصَلِّ عَلَیۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَکَنٌ لَّهُمۡ (التوبہ:۱۰۳)۔

(ب)۔وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ (النساء:۶۴)۔

(ج)۔مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ (البقرۃ:۲۵۵)۔

(د)۔لَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ (طہٰ:۱۰۹)۔

(۱۲)۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔قیامت کے نزدیک اتریں گے۔

(الف)۔وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء:۱۵۷،۱۵۸)۔

(ب)۔وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (النساء:۱۵۹)۔

(ج)۔وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (الزخرف:٦۱)۔

(د)۔اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (آلِ عمران:۵۵)۔

(ہ)۔فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ (المائدہ:۱۱۷)۔

فضائلِ صحابہ علیہم الرضوان

(۱)۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت بہترین امت ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آلِ عمران:۱۱۰)۔

(۲)۔صحابہ علیہم الرضوان کی تعداد فوج درفوج ہے۔

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر ۲:۱۱۰)۔

(۳)۔مہاجرین،انصار اوران کے تابعین پر اللہ تعالیٰ راضی ہے۔

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (التوبہ:۱۰۰)۔

(۴)۔صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (فتح:۱۸)۔

(۵)۔تمام صحابہ سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (النساء:۹۵)۔

(٦)۔صحابہ کرام ایسے مومن ہیں جیسے مومن ہونے کا حق ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (الانفال:۴)۔

(۷)۔صحابہ کرام علیہم الرضوان آپس میں رحمدل ہیں اور دشمنوں پر سخت ہیں۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:۲۹)۔

صدیقِ اکبر اور حضرت زید کا خاص تذکرہ

(۱)۔صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ثانی اثنین اور صحابیِ رسول ہیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ ھُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِہٖ (التوبہ:۴۰)۔

(۲)۔حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کا نام قرآن میں۔

فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡھَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَھَا (الاحزاب:۳۷)۔

فضائلِ اہلِ بیت اطہار علیہم الرضوان

(۱)۔اہلِ بیت علیہم الرضوان پاک ہیں۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ (الاحزاب:۳۳)۔

(۲)۔اہلِ بیت سے مراد سرِ فہرست ازواجِ مطہرات ہیں۔

(الف)۔یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب:۳۲)۔

(ب)۔رَحۡمَتُ اللہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ (ھود:۷۳)۔

(ج)۔قَالَ لِاَھۡلِہِ امۡکُثُوۡا اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا (طٰہٰ:۱۰)۔

(۳)۔محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواجِ مطہرات، مومنوں کی مائیں ہیں۔

وَاَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّھٰتُھُمۡ (الاحزاب:۶)۔

(۴)۔سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شہزادیاں ایک سے زیادہ ہیں۔

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (الاحزاب:۵۹)۔

(۵)۔سیدنا علی المرتضیٰ، سیدۃ النساء اور حسنین کریمین علیہم الرضوان اہلِ بیت میں شامل ہیں۔

فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَکُمۡ (آلِ عمران:۶۱)۔

تقلید ضروری ہے

(الف)۔صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ (فاتحہ:۶)۔

(ب)۔فَاسۡئَلُوۡۤا اَھۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (الانبیاء:۷)۔

(ج)۔وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ وَاِلٰۤى اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ (النساء:۸۳)۔

(د)۔وَلِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا (التوبہ:۱۲۲)۔

(ھ)۔وَاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ (لقمان:۱۵)۔

ماتم، متعہ، تقیہ اور فساد منع ہیں

(۱)۔ماتم کرنا منع ہے۔

(الف)۔اِصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا (آلِ عمران:۲۰۰)۔

(ب)۔لَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ (البقرۃ:۱۹۵)۔

(۲)۔متعہ حرام ہے۔

(الف)۔مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسَافِحِيۡنَ (النساء:۲۴)۔

(ب)۔وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا (النور:۳۳)۔

(ج)۔مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ (النساء:۲۵)۔

(د)۔فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ (المعارج:۳۱)۔

(۳)۔تقیہ حرام ہے۔

(الف)۔وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا (البقرۃ:۱۴)۔

(ب)۔فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ (آلِ عمران:۶۴)۔

(ج)۔اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً (النساء:۹۷)۔

(د)۔يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ (المائدہ:۶۷)۔

(ھ)۔وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّىۡ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيۡنَ (الاعراف:۲۱)۔

(و)۔مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيۡلُ الَّتِىۡۤ اَنۡتُمۡ لَهَا عٰكِفُوۡنَ (الانبیاء:۵۲)۔

(۴)۔فسادی قوم سے بچو۔

(الف)۔اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا (الانعام:۶۵)۔

(ب)۔اِنَّ الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ

(انعام:۱۵۹)۔

(ج)۔ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ (مریم:۶۹)۔

(د)۔اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعاً (القصص:۴)۔

(ھ)۔وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعاً (الروم:۳۲،۳۱)۔

(و)۔ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِي شَكٍّ مُّرِيْبٍ (سبا:۵۴)۔

(ز)۔وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا اَشْيَاعَكُمْ (القمر:۵۱)۔

عبادات

(۱)۔نماز فرض ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (البقرة:۸۳)۔

(۲)۔نمازیں پانچ ہیں۔

(الف)۔فَسُبْحٰنَ اللهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (الروم:۱۷)۔

(ب)حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرة:۲۳۸)۔

(۳)۔امام کے پیچھے قرأۃ منع ہے۔

وَاِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (الاعراف:۲۰۴)۔

(۴)۔نماز کے دوران رفع یدین منع ہے۔

قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ (بقرة:۲۳۸)۔

(۵)۔آمین آہستہ کہنی چاہیے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً (الاعراف:۵۵)۔

(۶)۔اذان۔

اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ (الجمعة:۹)۔

(۷)۔وضو۔

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (المائدہ:٦)۔

(٨)۔غسل۔

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا (المائدہ:٦)۔

(٩)۔مجبوری کی حالت میں تیمم کرلیں۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْداً (المائدہ:٦)۔

(١٠)۔باجماعت نماز۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ (البقرۃ:٤٣)۔

(١١)۔نمازِ جنازہ۔

(الف)۔وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ:١٠٣)۔

(ب)۔وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَداً وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (التوبہ:٨٤)۔

(١٢)۔مرنے والے کی میراث شریعت کے مطابق تقسیم ہوگی۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ (النساء:١١،١٢)۔

(١٣)۔زکوٰۃ فرض ہے۔

(الف)۔وَآتُوا الزَّكٰوةَ (البقرۃ:٨٣)۔

(ب)۔وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات:١٩)۔

(١٤)۔زکوٰۃ کہاں خرچ کریں۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ (التوبہ:٦٠)۔

(١٥)۔باعزت غریبوں کا خیال رکھو۔

لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافاً (البقرۃ:٢٧٣)۔

(١٦)۔قربانی۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر:٢)۔

(١٧)۔روزہ فرض ہے۔

(الف)۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرۃ:١٨٣)۔

(ب)۔فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ(البقرۃ:۱۸۵)۔

(۱۸)۔لیلۃ القدر کی فضیلت۔

لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ (القدر:۳)۔

(۱۹)۔افطار کا وقت غروبِ آفتاب کے فوراً بعد ہے۔

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيۡلِ (البقرۃ:۱۸۷)۔

(۲۰)۔صاحبِ استطاعت پر حج فرض ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ (آلِ عمران:۹۷)۔

(۲۱)۔عام حالات میں جہاد فرضِ کفایہ ہے۔

(الف)۔ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ(البقرۃ:۲۱۶)۔

(ب)۔كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰى (النساء:۹۵)۔

نکاح اور طلاق کے مسائل

(۱)۔ایک مرد بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (النساء:۳)۔

۲۔مرد کا درجہ عورت سے بلند ہے۔

(الف)۔وَلِلرِّجَالِ عَلَيۡهِنَّ دَرَجَةٌ(البقرۃ:۲۲۸)۔

(ب)۔اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَى النِّسَآءِ(النساء:۳۴)۔

(ج)۔لَيۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰى (آلِ عمران:۳۶)۔

(د)۔حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ (لقمان:۱۴)۔

(ھ)۔اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ (البقرۃ:۲۸۲)۔

(۳)۔طلاق دینے کا حق صرف مرد کو حاصل ہے۔

بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ (البقرۃ:۲۳۷)۔

(۴)۔بیک وقت تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ (البقرۃ:۲۳۰)۔

(۵)۔طلاق یافتہ کی عدت تین حیض ہے۔

وَالۡمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ (البقرۃ:۲۲۸)۔

(۶)۔بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّعَشۡرًا (البقرۃ:۲۳۴)۔

(۷)۔جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے۔

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ (الطلاق:۴)۔

(۸)۔حاملہ کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔

وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ (الطلاق:۴)۔

اسلام کا معاشرتی نظام

(۱)۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے۔

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:۷۰)۔

(۲)۔مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ (الحجرات:۱۰)۔

(۳)۔ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں

لَا یَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ (الحجرات:۱۱)۔

(۴)۔بدگمانی اور غیبت سے بچنا ضروری ہے

(الف)۔اِجۡتَنِبُوۡا كَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ (الحجرات:۱۲)۔

(ب)۔وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا (الحجرات:۱۲)۔

(۵)۔نیکی کے کام میں تعاون کرو اور برائی میں تعاون نہ کرو۔

وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ (المائدہ:۲)۔

(۶)۔نکاح کرنا شرعی حکم ہے۔

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء:۳)۔

(۷)۔نامحرم سے پردہ ضروری ہے۔

(الف)۔لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتاً غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ (النور:۲۷)۔

(ب)۔يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (الاحزاب:۵۹)۔

(۸)۔میاں بیوی کے حقوق وفرائض۔

(الف)۔اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ (النساء:۳۴)۔

(ب)۔بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرۃ:۲۳۷)۔

(۹)۔خاندانی منصوبہ بندی گناہ ہے

(الف)۔لَا تَقْتُلُوْآ اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (بنی اسرائیل:۳۱)۔

(ب)۔اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ (النور:۱۹)۔

(۱۰)۔بچے کی دودھ پینے کی مدت دوسال ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرۃ:۲۳۳)۔

(۱۱)۔اولاد کی اچھی تربیت کریں۔

قُوْآ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَاراً (التحریم:۶)۔

(۱۲)۔ماں باپ سے اچھا سلوک کریں۔

(الف)۔وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً (النساء:۳۶)۔

(ب)۔وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْناً (العنکبوت:۸)۔

(ج)۔فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا (بنی اسرائیل:۲۳)۔

(۱۳)۔رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے اچھا سلوک کریں۔

(الف)۔وَذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى (البقرۃ:۸۳)۔

(ب)۔وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنَ (البقرۃ:۱۷۷)۔

(۱۴)۔پڑوسیوں سے اچھا سلوک کریں۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ (النساء:۳۶)۔

(۱۵)۔ ہر کسی سے عدل اور احسان کا رویہ رکھیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل:۹۰)۔

اسلام کا معاشی نظام

(۱)۔ رزق حلال کھانا چاہیے۔

کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (البقرۃ:۱۷۲)۔

(۲)۔ حرام نہیں کھانا چاہیے۔

لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:۲۹)۔

(۳)۔ دولت کو لوگوں میں گردش کرتے رہنا چاہیے۔

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ (حشر:۷)۔

(۴)۔ سود حرام ہے۔

(الف)۔ لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا (آل عمران:۱۳۰)۔

(ب)۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (البقرۃ:۲۷۹)۔

(۵)۔ سود بے برکت ہے اور صدقات میں برکت ہے۔

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ (البقرۃ:۲۷۶)۔

(۶)۔ جھوٹی اشتہار بازی منع ہے۔

لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ (ہود:۸۵)۔

(۷)۔ وزن پورا تولا کرو۔

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (الرحمن:۹)۔

(۸)۔ مال ضائع کر کے اجارہ داری قائم کرنا منع ہے۔

وَیُھْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (البقرۃ:۲۰۵)۔

(۹)۔ کنجوسی اور فضول خرچی دونوں منع ہیں۔

لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان:۶۷)۔

(۱۰)۔اشتراکیت باطل ہے۔

(الف)۔نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَہُمۡ مَّعِیۡشَتَہُمۡ (الزخرف:۳۲)۔

(ب)۔وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ(النحل:۷۱)۔

(۱۱)۔سرمایہ دارانہ نظام باطل ہے۔

کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ(الحشر:۷)۔

اسلام کا سیاسی نظام

(۱)۔اقتدار اعلیٰ اللہ اور اس کے رسول کے پاس ہیں۔

(الف)۔فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ(النساء:۵۹)۔

(ب)۔وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقۡتَدِرًا(الکہف:۴۵)۔

(ج)۔فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ(النساء:۶۵)۔

(۲)۔حاکم کا عالم اور صحت مند ہونا ضروری ہے۔

وَزَادَہٗ بَسۡطَۃً فِی الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ (البقرۃ:۲۴۷)۔

(۳)۔عورت حاکم نہیں بن سکتی۔

(الف)۔اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ(النساء:۳۴)۔

(ب)۔اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا(النساء:۵۸)۔

(۴)۔حاکم مجلس شوریٰ سے مشورہ لے کر کام کرے۔

(الف)۔وَشَاوِرۡہُمۡ فِی الۡاَمۡرِ (آل عمران:۱۵۹)۔

(ب)۔وَاَمۡرُہُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَہُمۡ (الشوریٰ:۳۸)۔

(۵)۔عدلیہ کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہیں۔

(الف)۔اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ(النساء:۵۸)۔

(ب)۔ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ(النساء:۵۹)۔

(ج)۔وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ(المائدہ:۴۴)۔

(د)۔فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدہ:۴۵)۔

(ھ)۔فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ(المائدہ:۴۷)۔

(۶)۔مغربی جمہوریت ایک باطل اور نامعقول نظام ہے۔

(ا)۔فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النجم:۳۲)۔

(ب)۔اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا(النساء:۵۸)۔

(۷)۔خارجہ پالیسی۔

(الف)۔وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدہ:۲)۔

(ب)۔اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً(الانبیاء:۹۲،المومنون:۵۲)۔

(ج)۔لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ (آلِ عمران:۲۸)۔

(د)۔اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ(المائدہ:۱)۔

(ھ)۔فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ(الانفال:۵۸)۔

(و)۔اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا(الحجرات:۶)۔

(ز)۔وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ (التوبہ:۴۷)۔

(ح)۔وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ(الانفال:۶۰)۔

تصوف اور اخلاقیات

(۱)۔اخلاص ضروری ہے۔

(الف)۔لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ(البینۃ:۵)۔

(ب)۔اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ(الانعام:۱۶۲)۔

(ج)۔وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج:۳۷)۔

(۲)۔مرشد پکڑنا چاہیے۔

(الف)۔ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ(توبہ:۱۱۹)۔

(ب)۔فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ(الکہف:۶۵)۔

(ج)۔اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا(الفرقان:۵۹)۔

(د)۔لَقَدۡ رَضِىَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ يُبَايِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ(فتح:۱۸)۔

(ہ)۔فَبَايِعۡهُنَّ(الممتحنہ:۱۲)۔

(۳)۔تزکیہ قلب اور روحانی صفائی ضروری ہے۔

(الف)۔وَيُزَكِّيۡهِمۡ (البقرۃ:۱۲۹)۔

(ب)۔قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى(الاعلیٰ:۱۴)۔

(۴)۔نفس کی اصلاح ضروری ہے۔

(الف)۔اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوۡٓءِ(یوسف:۵۳)۔

(ب)۔لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ(القیامۃ:۲)۔

(ج)۔يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ(الفجر:۲۷،۲۸)۔

(د)۔وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ(الحشر:۹)۔

(ہ)۔قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰٮهَا وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰٮهَا(الشمس:۹،۱۰)۔

(۵)۔اللہ کے پیاروں کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔

(الف)۔وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ (الکہف:۲۸)۔

(ب)۔ كُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ(توبہ:۱۱۹)۔

(۶)۔اللہ کے پیاروں کی صورت دیکھنا عبادت ہے۔

(الف)۔لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ(یوسف:۲۴)۔

(ب)۔يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ(الکہف:۲۸)۔

(۷)۔فنا فی اللہ کا مقام۔

(الف)۔وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى(الانفال:۱۷)۔

(ب)۔اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ(الفتح:۱۰)۔

(۸)۔اللہ تعالیٰ پر توکل اور استقامت کی اہمیت۔

(الف)۔وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ(الطلاق:۳)۔

(ب)۔اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (حم سجدہ:۳۰)۔

(ج)۔فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ (ہود:۱۱۲)۔

اولیاء کی شان

(۱)۔اللہ کے ولیوں کو کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس:۶۲)۔

(۲)۔ولی بننے کے لیے ایمان اور تقویٰ ضروری ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ (یونس:۶۳)۔

(۳)۔اللہ تعالیٰ ولیوں کی اولاد کا بھی خیال رکھتا ہے۔

وَكَانَ اَبُوْہُمَا صَالِحًا (الکہف:۸۲)۔

(۴)۔اولیاء کی کرامات حق ہیں۔

(الف)۔كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْہَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَہَا رِزْقًا (آلِ عمران:۳۷)۔

(ب)۔وَتَحْسَبُہُمْ اَیْقَاظًا وَّہُمْ رُقُوْدٌ (الکہف:۱۸)۔

(ج)۔اِنَّا مَكَّنَّا لَہٗ فِی الْاَرْضِ (الکہف:۸۴)۔

(د)۔وَہُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ (مریم:۲۵)۔

(ہ)۔اَنَا اٰتِیْكَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (النمل:۴۰)۔

(۵)۔بزرگوں کے قریب جا کر دعا مانگنے سے جلدی قبولیت ہوتی ہے۔

(الف)۔ہُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّہٗ (آلِ عمران:۳۸)۔

(ب)۔جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ (النساء:۶۴)۔

(۶)۔بزرگوں کے تبرکات فائدہ دیتے ہیں۔

(ا)۔اِذْہَبُوْا بِقَمِیْصِیْ ہٰذَا فَاَلْقُوْہُ عَلٰی وَجْہِ اَبِیْ (یوسف:۹۳)۔

(ب)۔فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ (طٰہٰ:۹۶)۔

(۷)۔خوابوں کی تعبیر۔

(الف)۔لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یونس:۶۴)۔

(ب)۔اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُؤْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُوْنَ (یوسف:۴۳)۔

(ج)۔قَالَ يٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ (یوسف:۱۰۰)۔

(۸)۔اچھے اخلاق پیغمبرانہ عادت ہے۔

(ا)۔وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:۴)۔

(ب)۔فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آلِ عمران:۱۵۹)۔

(ج)۔وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (الحجر:۸۸)۔

عطائی اختیارات ماننے سے شرک ختم ہو جاتا ہے

(ا)۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرندے خلق کرتے تھے۔

فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آلِ عمران:۴۹)۔

(۲)۔اللہ کے اذن سے مردے زندہ کرتے تھے۔

وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (آلِ عمران:۴۹)۔

(۳)۔اللہ کے اذن سے بیماروں کو شفا دیتے تھے۔

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ (آلِ عمران:۴۹)۔

(۴)۔موت کا فرشتہ موت دیتا ہے (علیہ السلام)۔

يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ (السجدۃ:۱۱)۔

(۵)۔حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کو بیٹا دیا۔

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا (مریم:۱۹)۔

اللہ کے پیاروں کے اختیارات کی وسعت

(ا)۔یہ اللہ کے ملک میں مالک اور متصرف ہیں۔

(الف)۔تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ (آلِ عمران:۲۶)۔

(ب)۔اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ (آلِ عمران:۴۹)۔

(ج)۔وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ(آل عمران:۴۹)۔

(د)۔وَآتَیۡنٰھُمۡ مُّلۡکًا عَظِیۡمًا(النساء:۵۴)۔

(ھ)۔رَبِّ قَدۡ آتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡكِ(یوسف:۱۰۱)۔

(و)۔اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الۡاَرۡضِ وَآتَیۡنَاهُ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ(الکهف:۸۴)۔

(ز)۔وَلِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ عَاصِفَةً تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِهٖ(الانبیاء:۸۱)۔

(ح)۔وَاُوۡتِیۡنَا مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ(النمل:۱۶)۔

(ی)۔اِنَّآ اَعۡطَیۡنَاكَ الۡکَوۡثَرَ(الکوثر:۱۰۸)۔

(۲)۔تکوینی معاملات اللہ والوں کے سپرد ہیں۔

(الف)۔وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ(آل عمران:۴۹)۔

(ب)۔اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ(طٰہٰ:۹۷)۔

(ج)۔فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّیۡحَ تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِهٖ(ص:۳۶)۔

(د)۔فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا(والنازعات:۵)۔

(۳)۔انبیاء علیہم السلام شرعی احکام کے مالک ہیں۔

(الف)۔وَلِاُحِلَّ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ(آل عمران:۵۰)۔

(ب)۔وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ(الاعراف:۱۵۷)۔

(ج)۔وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ(الاعراف:۱۵۷)۔

(د)۔وَلَا یُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ(التوبۃ:۲۹)۔

قرآن میں سائنسی معلومات

(۱)۔ہر چیز پانی سے بنی ہے۔

وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ(الانبیاء:۳۰)۔

(۲)۔زمین، آسمان جڑے ہوئے تھے پھر ایک دھماکے سے جدا ہوئے۔

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنَاهُمَا(الانبیاء:۳۰)۔

(۳)۔آسمان ایک مادی اور محسوس چیز ہے۔

(الف)۔ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ (حم السجدۃ:۱۱)۔

(ب)۔رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا (الرعد:۲)۔

(ج)۔اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (الانفطار:۱)۔

(۴)۔آسمان میں برج قائم کردیے گئے ہیں۔

(الف)۔تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجاً (الفرقان:۶۱)۔

(ب)۔وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ (البروج:۱)۔

(۵)۔زمین میں طرح طرح کے خزائن موجود ہیں۔

وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِھَا وَبٰرَکَ فِیْھَا (حم السجدۃ:۱۰)۔

(۶)۔جانور کے پیٹ میں دودھ کیسے تیار ہوتا ہے

نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَناً خَالِصاً (النحل:۶۶)۔

(۷)۔بارش کیسے برستی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَاباً ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ (النور:۴۳)۔

(۸)۔سبزہ کیسے اگتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی (الانعام:۹۵)۔

(۹)۔بچہ کیسے بنتا ہے

(الف)۔خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (الطارق:۶،۷)۔

(ب)۔اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (الدھر:۲)۔

(ج)۔ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً (المومنون:۱۴)۔

(د)۔وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی (الحج:۵)۔

(۱۰)۔سورج چل رہا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا (یٰس:۳۸)۔

(۱۱)۔سورج اور چاند کی روشنی میں فرق ہے۔

هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا (یونس:۵)۔

(۱۲)۔اللہ تعالیٰ تمہیں پوری کائنات میں اور تمہاری اپنی جانوں میں اپنی نشانیاں دکھائے گا۔

سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ (فصلت:۵۳)۔

ریاضی

(۱)۔ایک کا ہندسہ۔

وَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (البقرۃ:۱۶۳)۔

(۲)۔دو کا ہندسہ۔

وَمِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَیۡنِ وَمِنَ الۡبَقَرِ اثۡنَیۡنِ (الانعام:۱۴۴)۔

(۳)۔تین کا ہندسہ۔

(الف)۔اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ (آل عمران:۴۱)۔

(ب)۔ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ (البقرۃ:۲۲۸)۔

(۴)۔چار کا ہندسہ۔

(الف)۔تَرَبُّصُ اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ (البقرۃ:۲۲۶)۔

(ب)۔اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّعَشۡرًا (البقرۃ:۲۳۴)۔

(۵)۔پانچ کا ہندسہ۔

وَیَقُوۡلُوۡنَ خَمۡسَةٌ سَادِسُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ (الکہف:۲۲)۔

(۶)۔چھ کا ہندسہ۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ (الاعراف:۵۴)۔

(۷)۔سات کا ہندسہ۔

وَیَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَةٌ وَّثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ (الکہف:۲۲)۔

(۸)۔آٹھ کا ہندسہ۔

ثَمَانِيَةَ اَزْوَاجٍ (الانعام:۱۴۳)۔

(۹)۔نو کا ہندسہ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (بنی اسرائیل:۱۰۱)۔

(۱۰)۔دس کا ہندسہ۔

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرۃ:۲۳۴)۔

(۱۱)۔گیارہ کا ہندسہ۔

اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا (یوسف ۱۲:۴)۔

(۱۲)۔بارہ کا ہندسہ۔

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (البقرۃ:۶۰)۔

(۱۳)۔جمع کا سوال (3+7=10)۔

ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (البقرۃ:۱۹۶)۔

(۱۴)۔تفریق کا سوال (1000-50=950)۔

فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا (العنکبوت:۱۴)۔

(۱۵)۔ضرب کا سوال (100x7=700)۔

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (البقرۃ:۲۶۱)۔

(۱۶)۔نسبت تناسب کا سوال۔

(ا)۔اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (الانفال:۶۵)۔

(ب)۔وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا (الانفال:۶۵)۔

(۱۷)۔زکوۃ،مال غنیمت اور مالِ فئی کی تقسیم کے علاوہ میراث کی تقسیم میں سو فیصد ریاضی کا دخل ہے۔جسکی تفصیل سورۃ النساء میں موجود ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (النساء:۱۱)۔

علم ترجیحات

(۱)۔اللہ تعالیٰ عدل سے بڑھ کر احسان کا حکم دیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ (النحل:۹۰)۔

(۲)۔اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دو۔

یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ وَ لَوۡ کَانَ بِہِمۡ خَصَاصَۃٌ (الحشر:۹)۔

(۳)۔منافق کفر اور اسلام میں ترجیح دینا نہیں جانتے۔

مُّذَبۡذَبِیۡنَ بَیۡنَ ذٰلِکَ لَاۤ اِلٰی ہٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ اِلٰی ہٰۤؤُلَآءِ (النساء:۱۴۳)۔

(۴)۔انسان دنیا کو ترجیح دیتا ہے، یہ غلط ترجیح ہے۔

بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی (الاعلیٰ:۱۶،۱۷)۔

(۵)۔فرعون پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ترجیح۔

قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ (طٰہٰ:۷۲)۔

(۶)۔شک پر یقین کو ترجیح حاصل ہے۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا (النجم:۲۸)۔

(۷)۔ترجیحی بنیاد پر فیصلہ کریں۔پھر ڈٹ جائیں۔

فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ (آلِ عمران:۱۵۹)۔

قصص القرآن

(۱)۔حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کا قصہ۔

(البقرۃ:۳۰ تا ۳۹،الاعراف:۱۱ تا ۲۵،طٰہٰ:۱۱۶ تا ۱۲۴)۔

(۲)۔حضرت ادریس علیہ السلام (مریم:۵۶ تا ۵۷)۔

(۳)۔حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام (ھود:۳۶ تا ۴۹)۔

(۴)۔حضرت ہود علیہ السلام (ھود:۵۰ تا ۶۰)۔

(۵)۔حضرت صالح علیہ السلام (ھود:۶۱ تا ۶۸،الاعراف:۷۳ تا ۷۹)۔

(۶)۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام (البقرۃ:۱۲۴ تا ۱۳۲،البقرۃ:۲۵۸ تا ۲۶۰،
الانعام:۷۴ تا ۸۳،ھود:۶۹ تا ۷۶،الحجر:۵۱ تا ۶۰،الانبیاء:۵۱ تا ۷۰،الصافات:۸۳ تا ۱۱۱)۔

(۷)۔حضرت لوط علیہ السلام (ھود:۷۷ تا ۸۳،الحجر:۶۱ تا ۷۷،الشعراء:۱۶۰ تا ۱۷۵)۔

(۸)۔حضرت یوسف علیہ السلام (یوسف:۱ تا ۱۰۲)۔

(۹)۔حضرت شعیب علیہ السلام (الحجر:۷۸،الشعراء:۱۷۶)۔

(۱۰)۔حضرت موسیٰ علیہ السلام (البقرۃ:۴۷ تا ۷۳،الاعراف:۱۰۳ تا ۱۵۶،یونس
:۷۵ تا ۹۲،الکہف:۶۰ تا ۸۲،طٰہٰ:۹ تا ۹۹،الشعراء:۱۰ تا ۶۸،النمل:۷ تا ۱۴،القصص:۳ تا ۴۴)۔

(۱۱)۔حضرت عزیر علیہ السلام (البقرۃ:۲۵۹)۔

(۱۲)۔حضرت اشموئیل علیہ السلام (البقرۃ:۲۴۶ تا ۲۵۲)۔

(۱۳)۔حضرت داؤد علیہ السلام (سباء:۱۰،ص:۱۷ تا ۳۰،البقرۃ:۲۵۱)۔

(۱۴)۔حضرت سلیمان علیہ السلام (النمل:۱۶ تا ۴۴،سبا:۱۲ تا ۱۴،ص:۳۰ تا ۴۰)۔

(۱۵)۔حضرت ایوب علیہ السلام (صٓ:۴۱ تا ۴۴،الانبیآء:۸۳،۸۴)۔

(۱۶)۔حضرت یونس علیہ السلام (الانبیاء:۸۷،۸۸،الصافات:۱۳۹ تا ۱۴۸)۔

(۱۷)۔حضرت ذوالقرنین (الکہف:۸۳ تا ۱۰۱)۔

(۱۸)۔حضرت زکریا،مریم،یحییٰ،عیسیٰ علیہم السلام (آلِ عمران:۳۵ تا ۶۰،النساء
:۱۵۵ تا ۱۵۹،المائدہ:۱۱۰ تا ۱۲۰)۔

(۱۹)۔اصحاب الکہف (کہف:۱۳ تا ۲۶)۔

(۲۰)۔سید المرسلین حضرت سیدنا محمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

(الف)۔وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آل عمران:۱۴۴)۔

(ب)۔مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ (الاحزاب:۴۰)۔

(ج)۔وَ آمِنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (محمد:۲)۔

(د)۔مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (الفتح:۲۹)۔

(ھ)۔اِسْمُہٗ اَحْمَدُ (الصّف:۶)۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان

(الف)۔یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ (البقرۃ:۴۷)۔

(ب)۔اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ (آلِ عمران:۱۰۳)۔

(ج)۔ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرۃ:۲۹)۔

(د)۔وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (النحل:۱۸)۔

(ھ)۔وَاللّٰہُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (النحل:۶۵،۸۱)۔

(و)۔یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ (الانفطار:۶،۸)۔

(ز)۔لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا (آلِ عمران:۱۶۴)۔

(ح)۔بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ (الحجرات:۱۷)۔

(ط)۔فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (الرحمن پوری سورۃ ۵۵)۔

(ی)۔ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ (الانعام:۱۴۱،۱۴۲)۔

(ک)۔اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی (الانعام:۹۵،۹۹)۔

(ل)۔ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ (الجمعۃ:۲)۔

دین کی تبلیغ امت کی ذمہ داری ہے

(الف)۔وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ (آلِ عمران:۱۰۴)۔

(ب)۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آلِ عمران:۱۱۰)۔

(ج)۔کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ (المائدہ:۷۹)۔

(د)۔وَاتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّۃً (الانفال:۲۵)۔

(ھ)۔فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ (التوبۃ:۱۲۲)۔

(و)۔اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (حم:۳۴)۔

(ر)۔اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (فرقان:۶۳)۔

باب دوم:

رسالت اور اسکے متعلقات

مَنَاهِلُ الصَّلٰوةِ
لِسَيِّدِ السَّادَاتِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اہلِ اسلام کی پہچان

اس بات پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف کثرت سے پڑھنا مستحب، نہایت پسندیدہ اور مسلمانوں کی راحت ہے۔ حضرت علامہ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَ مَا زَادَ عَلٰی ذٰلِكَ فَمَنْدُوْبٌ وَ مُرَغَّبٌ فِیْهِ مِنْ سُنَنِ الْاِسْلَامِ . وَ شِعَارِ اَهْلِهٖ یعنی زیادہ درود شریف پڑھنا مستحب، مرغوب، مسلمانوں کا طریقہ اور اہلِ اسلام کا شعار ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۹۳)۔

درود شریف اذان کے ساتھ بھی پڑھنے کا حکم ہے، نماز میں بھی پڑھنے کا حکم ہے، نمازِ جنازہ میں بھی پڑھنے کا حکم ہے، مسجد میں جاتے اور نکلتے وقت بھی پڑھنے کا حکم ہے، اپنے خالی گھر میں داخل ہوتے بھی پڑھنے کا حکم ہے، ہر محفل میں پڑھنے کا حکم ہے۔ ہر دعا کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے حتیٰ کہ ہر وقت درود پڑھنا تجویز کیا گیا ہے۔

اللہ کریم جل شانہ اور اس کے تمام فرشتے علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ہر وقت حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھ رہے ہیں تو پھر ہم کیوں سستی کریں اور کیوں نہ ہمہ تن و ہمہ روح متوجہ ہو کر اس سر الاسرار پر کثرت سے درود شریف پڑھیں: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی وَ عَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔

ہمارے مرشد کریم قطب الاقطاب فقیہ اعظم حضرت محمد قاسم مشوری قدس سرہ الاقدس فرمایا کرتے تھے کہ: درود شریف اور لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَحِیْمٌ دو ایسے وظیفے ہیں کہ اگر بے دھیانی سے بھی پڑھے جائیں تو قبول ہو جاتے ہیں۔

درود شریف کا حکم قرآنِ مجید میں موجود ہے، حدیث کی ہر کتاب میں باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے، فقہ کی کتابوں میں نماز کے ضمن میں اسکے مستقل احکام درج ہیں، ہر دور میں علماء و مشائخ علیہم الرحمۃ اس موضوع پر کتابیں لکھتے رہے ہیں، سب کو اللہ کریم جزائے

خیر عطا فرمائے اور انکے درجات بلند ہوں۔ فقیر نے بھی انکی نقل اتارنے کی کوشش کی ہے، میں کوئی چیز نہیں، وہی سب کچھ ہیں۔ جدید دور کی ضروریات کے مطابق فقیر نے احادیث کی تخریج بھی کی ہے اور صحت بھی بیان کر دی ہے اور کچھ ضروری نکات اور توضیحات کی طرف بھی خصوصی توجہ دی ہے۔

☆......☆......☆

باب اول:

قرآن مجید میں درود شریف پڑھنے کا حکم

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا یعنی بے شک اللہ اور اسکے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود و سلام اچھے طریقے سے بھیجو (الاحزاب:۵۶)۔

صلوٰۃ کے لفظی معنی

صلوٰۃ کے لفظی معنی رحمت اور دعا کے ہیں (المنجد صفحہ ۵۶۵)۔

مفرداتُ الفاظِ القرآن میں ہے: قَالَ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ اللُّغَةِ هِيَ الدُّعَاءُ وَالتَّبْرِيْكُ وَالتَّمْجِيْدُ یعنی بے شمار اہلِ لغت نے کہا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دُعا، تبریک اور تمجید ہے (مفرداتِ راغب صفحہ ۲۹۳)۔

شرعی معنی

اللہ کے اپنے نبی پر صلوٰۃ بھیجنے سے مراد رحمت کرنا ہے اور بندوں کے صلوٰۃ بھیجنے سے مراد دُعا کرنا ہے (بغوی جلد ۳ صفحہ ۵۸۲، احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۳۷۰، خازن جلد ۳ صفحہ ۵۱۰، مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۷۴ بلکہ تمام مفسرین نے تقریباً یہی بات لکھی ہے)۔

مطالع المسرات میں ہے: يُصَلُّوْنَ اَيْ يَعْطِفُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْطِفُ بِرَحْمَتِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَعْطِفُوْنَ بِاِسْتِغْفَارِهِمْ یعنی يُصَلُّوْنَ سے مراد محبت کے ساتھ میلان ہے۔ اللہ کا میلان رحمت ہے اور فرشتوں کا میلان استغفار ہے (مطالع المسرات صفحہ ۲۱)۔

بیضاوی میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يَعْتَنُوْنَ بِاِظْهَارِ شَرَفِهٖ وَتَعْظِيْمِ شَانِهٖ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اعْتَنُوْا اَيْضًا فَاِنَّكُمْ اَوْلٰى بِذٰلِكَ یعنی بیشک اللہ اور اسکے فرشتے آپ کی فضیلت کا اظہار اور شان و تعظیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی اسی

بات کا اہتمام کرو، تم تو اس چیز کے زیادہ حقدار ہو (تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۵۲)۔

حضرت ابوالعالیہ تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: صَلٰوۃُ اللهِ ثَنَاءُہٗ عَلَیْهِ عِنْدَ الْمَلَائِکَةِ وَصَلٰوۃُ الْمَلَائِکَةِ الدُّعَاءُ یعنی اللہ کی صلوٰۃ سے مراد فرشتوں کے سامنے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء خوانی ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد دُعا ہے (بخاری کتاب التفسیر باب قولہ: اِنَّ اللهَ وَمَلَائِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ)۔

مطالع المسرات میں ہے: اللہ کی صلوٰۃ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء اور عظمت کا بیان ہے اور فرشتوں اور دوسروں کی صلوٰۃ سے مراد اللہ سے اسی چیز میں مزید اضافہ کرنے کی دعا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے خیر خواہی کرنا ہے۔ اس معنی کو امام غزالی اور زرکشی نے پسند کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ قدرِ مشترک ہے (مطالع المسرات صفحہ ۲۵)۔

حضرت سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم ہے (خزائن العرفان صفحہ ۶۷۹)۔

آپ نے دیکھا کہ ان تمام عبارات میں درود شریف کے ساتھ ثناء، محبت، شان، تعظیم، شرف، عطف (جھکاؤ) جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جیسی صلوٰۃ بھیجنے والے کی شان ہوگی ویسے ہی صلوٰۃ کے معنی ہوں گے۔ لیکن شرف و تعظیم کا لحاظ و اعتناء اللہ، فرشتوں اور مومنین کی صلوٰۃ میں مشترک طور پر موجود ہے اور یہی درود شریف کا شرعی معنی ہے۔

لٰہذا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا ہی وہ منبع و مرکز ہے جہاں سے کثرتِ درود کے علاوہ نعت خوانی، اشعار میں صلوٰۃ و سلام اور محافلِ میلاد و قیام کو بنیاد ملتی ہے۔ یہی وہ تعظیم و محبت ہے جسکی وجہ سے ایک عاشق پروانہ وار گنبدِ خضراء کی طرف لپکتا ہے۔ اسی صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا کا عکس آپ کو اس حدیث شریف میں ملے گا کہ:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اسکے ماں،

باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں" (مسلم: ۱۶۹، بخاری: ۱۳، نسائی: ۵۰۱۳، ۵۰۱۴، ابن ماجہ: ۶۷)۔

خاص اہمیت اور خاص اہتمام

حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: محمدِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا افضل ترین نفلی عبادت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود درود شریف بھیجا ہے اور اسکے فرشتوں نے بھی، پھر اسکے بعد مومنین کو اس کا حکم دیا ہے، وَسَائِرُ الْعِبَادَاتِ لَيْسَ كَذٰلِكَ باقی تمام عبادات کی یہ صورتِ حال نہیں ہے (تفسیر قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۲۰۹)۔

علامہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: درود شریف تمام عبادات سے افضل ہے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو باقی عبادات کا حکم دیا ہے مگر درود شریف پہلے خود بھیجا، پھر فرشتوں کو اسکا حکم دیا اور پھر مومنین کو اس کا حکم دیا (مطالع المسرات: ۲۲۔۲۱)۔

اللہ اور اس کے فرشتوں کے درود پڑھنے کا ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مخالفین، اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالتِ شان اور رفعتِ ذکر میں کیا رخنہ اندازی کر سکیں گے؟ جبکہ خود اللہ جو مسبب الاسباب ہے اور اسکے فرشتے جو اس نظامِ کائنات کو چلانے پر سبب کے طور پر مامور ہیں، سب کے سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہمہ وقت درود بھیجنے میں مصروف ہیں۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

درود شریف کا مقصود حصولِ قربِ الٰہی کا ذریعہ

درود شریف کا مقصود و مطلوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب ہے جو قربِ الٰہی کا اقرب ترین وسیلہ اور ذریعہ ہے اور قربِ الٰہی ہی مومن کا مقصود و مطلوب ہے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اَلْمَقْصُوْدُ بِالصَّلٰوةِ" کی سرخی قائم فرماتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: صلوٰۃ سے مقصود اللہ کا حکم مان کر اس کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ادا کرنا ہے۔ ہماری صلوٰۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

شفاعت کرنے کے لیے نہیں ہے۔ ہم کہاں اور حضور کہاں۔ دراصل حضور کے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ ان سے بڑھ کر کسی احسان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ان احسانات کا کچھ بدلہ تو دے نہیں سکتے البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی بارگاہ میں درود کے نذرانے پیش کرنے کی راہ دکھائی ہے۔ درود شریف پڑھنے کا فائدہ خود پڑھنے والے کو ہی پہنچتا ہے اور وہ درحقیقت اپنی ذات کے لیے ہی دعا کرتا ہے۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ درود شریف کا فائدہ اس کے پڑھنے والے کو پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ درود پڑھنے میں سچے عقیدے، خلوصِ نیت، محبت و اطاعت اور ادب و احترام کی جھلک موجود ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر محبت میں ڈوب کر حقِ غلامی کی ادائیگی اور توقیر و تعظیم کی خاطر درود بھیجنا ایمان کا اعلیٰ ترین شعبہ ہے۔ درود شریف حضور کی نوازشات کا شکرانہ ہے۔ آپ کی عنایات کا شکر ہم پر واجب ہے۔ آپ جہنم سے ہماری خلاصی اور جنت میں دخول کا ذریعہ ہیں، کامیابی کا آسان راستہ، سعادت کے تمام دروازوں کی کشاد اور بغیر کسی حجاب کے عظیم مراتب اور اعلیٰ مناقب کے وصول کا ذریعہ ہیں۔ بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ہے کہ ان میں انکے نفسوں میں سے ہی عالی شان رسول کو بھیجا لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (القول البدیع صفحہ ۳۴،۳۵)۔

حصولِ شفاعت کا ذریعہ

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت زبردست بات فرمائی ہے، لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ امت کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس درود شریف کی صورت میں کچھ خدمت گزاری پہنچ جائے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت پر احسانِ شفاعت اس کا بدلہ بن سکے، لہٰذا اللہ کریم نے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف کا حکم دیا اَرَادَ اَنْ تَكُوْنَ لِلْاُمَّةِ عِنْدَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُ خِدْمَةٍ الخ (تفسیر قشیری ۶/۲۷۸)۔

تعظیمِ حبیب کثرتِ درود کا سبب ہے

حضرت مُلّا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: كَثْرَةُ الصَّلوٰةِ مُنْبَئَةٌ عَنِ التَّعْظِيمِ الْمُقْتَضِيْ لِلْمُتَابَعَةِ النَّاشِئَةِ عَنِ الْمُحَبَّةِ الْكَامِلَةِ الْمُرَتَّبَةِ عَلَيْهَا مُحَبَّةُ اللهِ تَعَالىٰ قَالَ تَعَالىٰ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ یعنی کثرت سے درود شریف پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے ہے۔ تعظیم اور محبتِ کاملہ ہی اتباع کا تقاضا کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر ہی اللہ تعالیٰ کی محبت مرتب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فرمادو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا (مرقاۃ ۲/۳۴۰)۔

سیاق وسباق اور شانِ نزول

یہ آیت کفار کی ایذا رسانی کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راحت وسکون کی فراہمی کے لیے نازل فرمائی۔ اس آیت سے پہلے ایذا سے منع کرنے کے الفاظ ہیں: وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللهِ یعنی تمہیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاؤ۔ اور اس آیت کے بعد بھی ایذا دینے والوں پر لعنت کی گئی ہے: اَلَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا میں اور آخرت میں، اور ان کے لیے توہین والا عذاب تیار ہے۔

اس آیت میں اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دینے پر لعنت آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ؟ فَاِنَّهٗ يُؤْذِي اللهَ وَرَسُوْلَهٗ. فَقَتَلُوْهُ یعنی کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ یہ شخص اللہ اور اسکے رسول کو ایذاء دیتا ہے۔ صحابہ نے اسے قتل کر دیا (بخاری: ۲۵۱۰، مسلم: ۴۶۶۴، ابو داؤد: ۲۷۶۸)۔

کسی بھی صحابی کو گالی دینا اللہ اور اسکے رسول کو اذیت دینا ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی اَصْحَابِی، اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی اَصْحَابِی، لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِی فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّی اَحَبَّھُمْ، وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِی اَبْغَضَھُمْ، وَمَنْ آذَاھُم فَقَدْ آذَانِی، وَمَنْ آذَانِی فَقَدْ آذَی اللّٰہَ، وَمَنْ آذَی اللّٰہَ فَیُوشِكُ اَن یَاخُذَہٗ (ترمذی:۳۸۶۲)۔ وَقَالَ التِّرْمَذِیُ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ میرے بعد انہیں اپنی تنقید کا نشانہ مت بنانا، جس نے ان سے محبت رکھی تو میرے ساتھ محبت کی وجہ سے اِن سے محبت رکھی اور جس نے اِنکے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے اِن سے بغض رکھا، جس نے انہیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی اللہ اُس پر ضرور گرفت کرے گا۔

خصوصاً ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو گالی دینا عین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا ہے، اس لیے کہ زوجہ کو گالی ہی شوہر کے لیے اصل گالی ہے، فَلَعْنَةُ اللّٰہِ وَ الْمَلَائِکَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ عَلٰی سَابِّہِمَا

قاضی ابوسائب تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: كُنْتُ یَوْماً بِحَضْرَةِ الْحَسَنِ بْنِ زَیْدٍ الدَّاعِیِّ بِطَبَرِسْتَانَ، وَ كَانَ یَلْبَسُ الصُّوْفَ وَ یَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُوَجِّہُ فِی كُلِّ سَنَةٍ بِعِشْرِیْنَ اَلْفِ دِیْنَارٍ إِلَی الْمَدِیْنَةِ السَّلَامِ یُفَرِّقُ عَلٰی سَائِرِ وُلْدِ الصَّحَابَةِ وَكَانَ بِحَضْرَتِہٖ رَجُلٌ فَذَكَرَ عَائِشَةَ بِذِكْرٍ قَبِیْحٍ مِنَ الفَاحِشَةِ، فَقَالَ: یَا غُلَامُ اِضْرِبْ عُنُقَہٗ، فَقَالَ لَہُ العَلَوِیُّوْنَ: ھٰذَا رَجُلٌ مِنْ شِیْعَتِنَا، فَقَالَ: مَعَاذَ اللّٰہِ، ھٰذَا رَجُلٌ طَعَنَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: (اَلْخَبِیثَاتُ لِلْخَبِیثِینَ وَالْخَبِیثُونَ لِلْخَبِیثَاتِ وَالطَّیِّبَاتُ

لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّأُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (النور:٢٦)۔

فَإِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ خَبِيْثَةً فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبِيْثٌ، فَهُوَ كَافِرٌ فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ، فَضَرَبُوا عُنُقَهُ وَأَنَا حَاضِرٌ۔

ترجمہ: میں ایک دن حضرت امام جعفر صادق قدس سرہٗ کے چچا زاد بھائی حضرت حسن بن زید کی خدمت میں حاضر تھا، وہ صوف پہنا کرتے تھے اور نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے تھے، ہر سال بیس ہزار دینار مدینہ منورہ میں بھیجا کرتے تھے جو تمام صحابہ کی اولادوں میں تقسیم کر دیے جاتے تھے، ایک آدمی ان کے پاس بیٹھا تھا، اس آدمی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بڑے گندے الفاظ استعمال کیے، آپ نے اپنے خادم سے فرمایا اے لڑکے! اس کی گردن مار دے، علویوں نے کہا یہ ہمارا شیعہ ہے، آپ نے فرمایا: معاذ اللہ یہ آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں، اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں، اب جو شخص سیدہ عائشہ کو خبیث کہتا ہے وہ دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبیث کہتا ہے (حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طیب وطاہر ہیں اور خبیثوں کو پاک کرنے والے ہیں) لہٰذا اس کی گردن مار دو، لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور میں پاس موجود تھا (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ برقم: ۲۳۹۶، الصارم المسلول صفحہ ۴۱۷)۔

سیاقِ کلام سے واضح ہو گیا ہے کہ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا کے الفاظ ایذا کے مقابلے پر استعمال ہوئے ہیں۔ جب کفار اور مخالفین کی طرف سے ایذا رسانی کا ہر حربہ استعمال ہو رہا ہے تو مومنین اور غلاموں کی طرف سے راحت وتسکین، تعظیم وتوقیر اور رفعتِ شان میں کیوں کسر باقی رہے۔

درود شریف پڑھنے والے کے لیے ادب والا ہونا ضروری ہے

جس طرح نماز روزہ کے لیے ایمان شرط ہے اسی طرح درود شریف پڑھنے کے لیے بھی ایمان اور ادب شرط ہے۔

مرزا قادیانی بھی درود شریف لکھتا تھا مگر ختمِ نبوت کا منکر، نبوت کا مدعی اور ادب و

احترام سے عاری تھا۔ یہ شخص نعتیں بھی لکھتا تھا مگر خود کو محمد رسول اللہ بھی قرار دیتا تھا۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک خارجی نے بات کی، اس نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ شریف پڑھی اور پھر کہنے لگا اے علی اللہ سے ڈر، تم نے مرنا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر میں نے ایسے نہیں مرنا بلکہ مجھے شہید کیا جائے گا۔ اس نے کہا آپ کو اس سے اچھا لباس پہننا چاہیے تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا یہ لباس تکبر سے پاک ہے اور اس میں میری پیروی کرنا لوگوں کیلیے آسان ہے (مستدرکِ حاکم: ۴۷۴۵)۔

حدیث شریف میں ہے کہ: مَنۡ اَحَبَّ شَيۡئاً اَكۡثَرَ ذِكۡرَهٗ یعنی جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے (کنزالعمال: ۱۸۲۵)۔ گویا محبتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کثرت سے یاد کیا جائے اور آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔ یہیں سے یہ نکتہ بھی کھلتا ہے کہ علماء وخطباء پر لازم ہے کہ عوام اہلِ اسلام کو ایسی بات سنائیں جس سے لوگوں کے دلوں میں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہو اور ایسی بات اور نام نہاد تحقیق پیش نہ کریں جس سے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں رخنہ پیدا ہوتا ہو۔

علمائے دیوبند میں اگر واقعی کوئی مخلص افراد موجود ہیں اور انہیں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے ہمدردی ہے تو ہم نہایت دکھے ہوئے دل کے ساتھ یہ عرض کرتے ہیں کہ اپنے چار معروف علماء کی معروف متنازعہ عبارات سے برأت کا اظہار کر دیجیے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے سچی ہمدردی اور وقت کی مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔ امتِ مسلمہ کے اتحاد کا ایک کوہِ ہمالیہ طے کرنے کے لیے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اگر آپ اس کارِ خیر پر آمادہ ہو گئے تو آپ کو میٹنگ کے دوران ہی متشدد تنظیموں کے کارکنان ٹیلی فون پر دھمکیاں دینا شروع کر دیں گے، مگر اس وقت نظر اپنے خالق و مالک پر رکھنا اور اپنے مُوَحِّد ہونے کا ثبوت دینا۔ باقی رہا انگوٹھے چومنا، میلاد شریف منانا، ذکر بالجہر، گیارہویں شریف منانا، دعا بعد جنازہ وغیرہ، تو یہ واقعی فروعی مسائل ہیں۔

اسمِ محمد کے مفہوم کا تقاضا

اگر اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معنی پر غور کیا جائے تو اس اسمِ گرامی کے اندر ہی کثرتِ درود کا تقاضا موجود ہے۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

وَ شَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ

فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اپنے نام سے مشتق فرمایا تا کہ آپ کی عظمت و بزرگی کا اظہار ہو اور واضح ہو جائے کہ عرش کا مالک محمود ہے تو یہ محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس نام کو وہ عظمت حاصل ہے کہ اسی سے قیامت کے دن لواء الحمد کا ملنا اور يَحْمَدُهٗ الْاَوَّلُوْنَ وَالْآخِرُوْنَ ماخوذ ہے (ابنِ ماجہ: ۹۰۶) اور يَحْمَدُهٗ اَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ (بخاری: ۱۴۷۵) ماخوذ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی کثیر التعداد ہیں، جن میں سے کچھ قرآن شریف میں بیان ہوئے ہیں، جیسے محمد، احمد، رسول، نبی، کریم، رؤف، رحیم، مزمل، مدثر، رحمۃ للعالمین، امی، خاتم النبیین، داعی، سراجِ منیر، شاہد، بشیر، نذیر، یٰسین، طٰہٰ وغیرہا۔ اور کچھ احادیث مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں۔

صرف ایک حدیث شریف ملاحظہ کیجیے، فرمایا: اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِي الَّذِيْ يُمْحِيْ بِيَ الْكُفْرُ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى عَقِبِيْ وَاَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَيْسَ بَعْدَهٗ اَحَدٌ یعنی میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں مٹانے والا ہوں میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں اٹھانے والا ہوں، لوگ میرے پیچھے پیچھے اٹھیں گے اور میں عاقب اور آخری ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد ایک بھی (نبی) نہ ہو (بخاری حدیث: ۳۵۳۲، مسلم حدیث: ۶۱۰۵)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں کی صحیح تعداد کا تعین آج تک کوئی نہیں کر سکا،

عام طور پر اللہ تعالیٰ کے معروف ناموں کی تعداد کے برابر ۹۹ نام لکھے جاتے ہیں، بعض علماء نے ہزاروں میں تعداد بیان کی ہے، صاحبِ دلائل الخیرات قدس سرہ نے بڑی محنت کے بعد ۲۰۱ اسمائے گرامی بیان فرمائے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ:

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہا میں کیا کیا کہوں تجھے

☆......☆......☆

باب دوم:

فضائلِ درُود پر احادیث

درود شریف کے فضائل اور برکات اور اسکی تاکید پر متواتر احادیث موجود ہیں۔

علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: وَ قَدۡ جَاءَتِ الۡاَحَادِیۡثُ الۡمُتَوَاتِرَۃُ عَنۡ رَسُوۡلِ اللہِ ﷺ بِالۡاَمۡرِ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیۡہِ یعنی درود شریف کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تواتر کے ساتھ احادیث وارد ہیں (تفسیر ابن کثیر ۳/ ۶۶۴)۔

درود شریف پڑھنے والے کو اللہ کریم کی طرف سے جواب

(۱)۔عَن اَبِی ھُرَیۡرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ مَنۡ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ عَشۡرًا (مسلم: ۹۱۲، ابوداؤد: ۱۵۳۰، ترمذی: ۴۸۵، نسائی: ۱۲۹۶، شعب الایمان للبیہقی: ۱۵۵۳)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا۔

دس مرتبہ جواب، گناہ معاف، درجات بلند

(۲)۔عَن اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ مَنۡ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ عَشۡرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتۡ عَنۡہُ عَشۡرُ خَطِیۡئَاتٍ وَرُفِعَتۡ لَہٗ عَشۡرُ دَرَجَاتٍ (نسائی: ۱۲۹۷، مسند احمد: ۱۲۰۰۴، شعب الایمان للبیہقی: ۱۵۵۴، المصنف لابن ابی شیبہ ۲/ ۳۹۹)۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا، اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا۔ اسکی دس خطائیں معاف کردی جائیں گی اور اسکے دس درجات بلند کردیے جائیں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا یعنی جو بھی نیکی

کرے گا اُسے دس گُنا اجر ملے گا۔لیکن درود شریف ایک ایسا عمل ہے کہ صرف اس کا ثواب ہی دس گُنا نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا۔ اللہ کے درود کے سامنے محض ثواب نہایت چھوٹی چیز ہے۔ پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ دس گناہ بھی معاف اور دس درجات بھی بلند

جَزَی اللّٰہُ تَعَالٰی عَنَّا سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا اَمَّا ھُوَ اَھْلُہٗ۔

اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ اپنے ذکر سے کیا وہی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے سے کیا۔ وہاں فرمایا : فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا (بقرۃ:۱۵۲)۔ یہاں فرمایا جو ایک مرتبہ درود پڑھے گا، اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا (کذا فی القول البدیع:۱۳۸)۔

معلوم ہوا کہ محبت والوں کو جس گوہرِ نایاب کی تلاش ہے یعنی قربِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وہ کثرتِ درود میں ہی پنہاں ہے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام اور آپ کی باتیں لوگوں تک پہنچانے والے اس میدان میں سب سے آگے ہیں اسلیے کہ یہ زبان سے بھی اور عمل سے بھی درود شریف ہی میں مصروف ہیں۔ یعنی زبانی درود، درودِ قولی ہے اور دینِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چرچا درودِ فعلی ہے (القول البدیع:۱۴۰)۔

(۳)۔عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ : صَلُّوا عَلَیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکُمْ (الجامع الصغیر:۵۰۳۲)۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر صلوٰۃ بھیجو، اللہ تم پر صلوٰۃ بھیجے گا۔

محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود جواب دیتے ہیں

(۴)۔عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ (ابوداؤد:۲۰۴۱، مسند احمد:۱۰۸۲۳، شعب الایمان للبیہقی:۱۵۸۱)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ میری روح کو اسکی طرف متوجہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(۵)۔عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْراً (المعجم الاوسط للطبرانی:۲۶۷۱)۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک بار صلوٰۃ پڑھی میں خود اس پر دس بار صلوٰۃ پڑھوں گا۔

فرشتے جواباً درود پڑھتے ہیں

(۶)۔عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ اَبِيْهِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوةً لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّیْ عَلَيْهِ مَا صَلّٰی عَلَیَّ، فَلْيُقِلَّ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ يُكْثِرْ (المصنف لابن ابی شیبۃ ۲/۳۹۸، الوفا صفحہ ۸۰۴، جلاء الافہام صفحہ ۳۳، القول البدیع صفحہ ۱۲۱)۔و رواہ احمد عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَاصٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا بلفظ: صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَ مَلَائِكَتُهٗ سَبْعِيْنَ صَلَاةً فَلْيُقِلَّ عَبْدٌ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ لِيُكْثِرْ (مسند احمد:۶۶۰۵)۔

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جتنی دیر کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا رہتا ہے، اس وقت تک فرشتے بھی اس پر درود پڑھتے رہتے ہیں۔ اب تم خود سمجھ لو کہ درود کم پڑھنا چاہیے یا زیادہ۔

قیامت کے دن قربِ حبیب کا ذریعہ

(۷)۔عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلٰوةً (ترمذی :۴۸۴، شعب الایمان للبیہقی:۱۵۶۳)۔الحدیث حسن لکن صححہ ابن حبان

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میرے سب سے قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔

بعض مشائخ علیہم الرضوان نے فرمایا ہے کہ روزانہ کم از کم ۳۰۰ مرتبہ صلوٰۃ شریف پڑھنے والا شخص کثرت سے صلوٰۃ شریف پڑھنے والا کہلائے گا۔ لیکن یہ بات حتمی نہیں بلکہ ان کے اپنے تجربے یا صوابدید سے تعلق رکھتی ہے۔

دور سے بھی صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے

(۸)۔عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیاً اُبْلِغْتُه (شعب الایمان للبیہقی حدیث: ۱۵۸۳)۔الحدیث ضعیف

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا میں خود اسے سنوں گا اور جس نے دور سے مجھ پر درود پڑھا وہ مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔

(۹)۔وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم یَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قُبُوْراً وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْداً وَ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ كُنْتُمْ (ابوداؤد حدیث رقم: ۲۰۴۲)۔سندہ جید

ترجمہ: انہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ۔ اور میری قبر کو عید مت بناؤ۔ اور مجھ پر درود پڑھو۔ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے تم جہاں بھی ہو۔

(۱۰)۔عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْراً، وَلَا تَتَّخِذُوْا بَیْتِیْ عِیْداً، صَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا، فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ وَسَلَامَكُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ (مسند ابویعلیٰ: ۶۷۵۵، جلاء الافہام: ۶۷، ۶۸، ۶۹، مجمع الزوائد

:۳۴۹۷)۔الحدیث صحیح

ترجمہ: حضرت حسن المجتبیٰ بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو اور انہیں قبرستان مت بناؤ، اور میرے گھر کو عید مت بناؤ، مجھ پر صلوٰۃ اور سلام بھیجو، بے شک تمہارا صلوٰۃ اور سلام مجھ تک پہنچتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

(۱۱)۔عَنْ حُسَيْنِ بْنِ حَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ (رواہ الطبرانی ۱۰/ ۱۶۲، جلاء الافہام: ۶۹)۔و قال الھیثمی فیہ حمید ابن ابی زینب ولم اعرفہ وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح

ترجمہ: حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں بھی ہو مجھ پر صلوٰۃ پڑھا کرو۔ تمہاری صلوٰۃ مجھ تک پہنچتی ہے۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم درود پڑھنے والے کی آواز سنتے ہیں

(۱۲)۔وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِيْ صَوْتُهٗ حَيْثُ كَانَ، قَالَ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ ، لَهٗ طُرُقٌ كَثِيْرَةٌ بِأَلْفَاظٍ مُخْتَلِفَةٍ (المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۶۴۲، جلاء الافہام: ۱۱۰، اسنادہ حسن : قال الحافظ الھیثمی : فیہ راوٍ لم اعرفہ ، وبقیۃ رجالہ ثقات ، مجمع الزوائد : ۱۷۲۹۷)۔

وللحدیث شواھد یتقوی بھا انظر القول البدیع صفحۃ ۱۵۲، ۱۵۳

ترجمہ: انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ ہم نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا: بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسم کو کھائے اس حدیث کی کئی سندیں ہیں اور الفاظ مختلف ہیں۔

اس حدیث شریف میں بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ کے الفاظ موجود ہیں یعنی درود پڑھنے والے کی اپنی آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ واضح ہوگیا کہ فرشتوں کے ذریعے درود شریف پہنچانے کا اہتمام اپنی جگہ، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈائریکٹ بھی سنتے ہیں۔

پڑھنے والے کا نام اور اس کے والد کا نام بھی پہنچتا ہے

(۱۳)۔وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اِنَّ اللہ وَکَّل بِقَبْرِی مَلَکاً اَعْطَاہُ اَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ فَلَا یُصَلِّی عَلَیَّ اَحَدٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِلَّا اَبْلَغَنِی بِاِسْمِہٖ وَاِسْمِ اَبِیْہِ ھٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَدْ صَلّٰی عَلَیْکَ (مجمع الزوائد:۱۷۲۹۱، ۱۷۲۹۲، بزار:۱۴۲۵، جلاء الافھام:۸۷، اللئالی المصنوعۃ ۱/۲۵۹ وقال صحیح. قال البانی فی سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ حسن حدیث: ۱۵۳۰)۔

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نے میری قبر کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جسے تمام مخلوق کو سن سکنے کی طاقت بخشی ہے۔ قیامت تک جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود پڑھے گا وہ مجھ تک اسکے نام اور اسکے باپ کے نام سے پہنچادے گا کہ فلاں بن فلاں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود پڑھا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے صرف دور والوں کا درود شریف ہی نہیں پہنچاتے بلکہ عین قبرِ انور پر بھی فرشتہ موجود ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبرِ انور پر پڑھا جانے والا درود خود براہِ راست بھی سنتے ہیں۔ گویا فرشتے صرف اہتمام کے لیے مقرر ہیں، اس لیے مقرر نہیں کہ حضور سن نہیں سکتے۔

مجالس کو درود شریف سے سجاؤ

(۱۴)۔عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: زَیِّنُوْا مَجَالِسَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیَّ، فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ عَلَیَّ نُوْرٌ لَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس (الجامع الصغیر:۴۵۸۰)۔

الحدیث ضعیف

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی مجالس کو مجھ پر درود پڑھ کر سجایا کرو، بے شک تمہارا مجھ پر صلوٰۃ پڑھنا قیامت کے دن تمہارے لیے نور ہوگا۔

ذکرودرود کی محفل میں فرشتوں کی شرکت

(۱۵)۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلّٰهِ سَيَّارَةٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِذَا مَرُّوْا بِحِلَقِ الذِّكْرِ، قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اقْعُدُوْا، فَإِذَا دَعَا الْقَوْمُ أَمَّنُوْا عَلٰى دُعَاءِهِمْ، فَإِذَا صَلَّوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ صَلَّوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَفْرَغُوْا، ثُمَّ يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: طُوْبٰى لِهٰؤُلَاءِ يَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ رواه أبو سعيد القاص في فوائده (جلاء الافہام صفحہ ۲۱، القول البدیع صفحہ ۱۲۳)۔ له شواهد

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کے فرشتوں میں سے کچھ زمین میں گردش کرتے ہیں جب وہ ذکر کے حلقوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو بعض دوسروں سے کہتے ہیں بیٹھ جاؤ۔ جب وہ حلقے والے دعا کرتے ہیں تو یہ فرشتے آمین کہتے ہیں۔ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ پڑھتے ہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ صلوٰۃ پڑھتے ہیں حتی کہ فارغ ہو جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض دوسروں سے کہتے ہیں: ان سب کو خوشخبری ہو یہ بخشش پا کر لوٹے ہیں۔

حاجت روائی کی غرض سے درود شریف

(۱۶)۔وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ إِلَى اللهِ أَوْ إِلٰى أَحَدٍ مِنْ بَنِيْ آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللهِ تَعَالٰى وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيْمُ

الْكَرِيمُ سُبْحٰنَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ اَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ ، لَا تَدَعْ لِي ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (ترمذی:۴۷۹،ابن ماجہ: ۱۳۸۴)۔الحدیث ضعیف

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسے اللہ سے کوئی حاجت ہو یا اولادِ آدم میں سے کسی سے کوئی کام ہو، وہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھے پھر اللہ کی ثناء کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے۔ پھر کہے، اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں جو حلم والا کریم ہے۔ اللہ پاک ہے جو عرشِ عظیم کا رب ہے اور سب تعریف اللہ کے لیے ہی ہے وہ سارے جہانوں کا رب ہے۔ میں تجھ سے تیری رحمت کو واجب کرنیوالی چیزیں مانگتا ہوں اور تیری بخشش کے سامان مانگتا ہوں۔ میرا کوئی ایسا گناہ نہ چھوڑ جسے تو معاف نہ کردے اور کوئی مشکل نہ چھوڑ جسے تو حل نہ کردے اور کوئی حاجت نہ چھوڑ جو تیری رضا کا باعث ہو جسے تو پورا نہ کردے، اے سب سے بڑے رحم کرنے والے۔

تنگدستی کا علاج

(۱۷)۔عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَلصَّلٰوةُ عَلَيَّ تَنْفِي الْفَقْرَ (جلاء الافہام صفحہ ۲۰۷)۔اسنادہ ضعیف

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر درود پڑھنا غربت کو دور کرتا ہے۔

سو حاجتیں پوری ہوں گی

(۱۸)۔عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ ، قَضَى اللهُ لَهُ مِائَةَ حَاجَةٍ ، سَبْعِيْنَ مِنْهَا لِاٰخِرَتِهٖ ، وَ ثَلَاثِيْنَ مِنْهَا لِدُنْيَاهُ (جلاء الافہام صفحہ ۲۱۱، القول البدیع ۱۳۴)۔حسن

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر روزانہ ۱۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کی ۱۰۰ حاجتیں پوری کرے گا، ان میں سے ۷۰ آخرت کی حاجتیں اور ۳۰ دنیا کی حاجتیں ہیں۔

استغفار، ذکر شریف اور درود شریف

(۱۹)۔عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَقُولُ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ وَهَبَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ عِنْدَ الْاِسْتِغْفَارِ، فَمَنِ اسْتَغْفَرَ بِنِيَّةٍ صَادِقَةٍ غَفَرَ لَهُ، مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَجَحَ مِيزَانُهُ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ كُنْتُ شَفِيعَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (جلاء الافہام صفحہ ۵۵، جامع الاحادیث: ۲۷۶۴۷، کنز العمال: ۴۴۲۶۹، القول البدیع صفحہ ۱۲۸)۔ضعیف جداً

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجۃ الوداع میں فرماتے ہوئے سنا: بے شک جب تم استغفار کرتے ہو تو اللہ عزوجل تمہارے گناہ تمہارے سپرد کر دیتا ہے، تو جو سچی نیت سے استغفار کرتا ہے اس کی بخشش ہو جاتی ہے، جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس کا میزان بھاری ہو گیا اور جس نے مجھ پر صلوٰۃ پڑھی میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔

اس حدیث میں استغفار، ذکر اور درود شریف کی فضیلت اکٹھی بیان ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ مہمان کی حیثیت سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک خادم نے عرض کیا حضور میں ایک مالدار آدمی ہوں مگر میرے پاس اولاد نہیں، مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتائیں جس سے اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا کرے، سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا استغفار پڑھا کرو۔ وہ آدمی کثرت سے استغفار کرنے لگا، حتیٰ کہ روزانہ سات سو مرتبہ پڑھنے لگا، اسکے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے۔ یہ بات سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی، تو آپ نے اس آدمی سے فرمایا: کیا تم نے سیدنا حسن سے نہیں پوچھا تھا کہ

اولاد کیلئے استغفار کا وظیفہ انہوں نے کہاں سے لیا ہے؟ کچھ عرصہ کے بعد سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ دوبارہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے، تو اس آدمی نے پوچھ لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نے حضرت ہود علیہ السلام کا قول قرآن میں نہیں پڑھا: وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ (ہود: ۵۲) اور حضرت نوح علیہ السلام کا قول فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا (نوح: ۱۰، ۱۱، ۱۲) (تفسیر مدارک جلد ۲/صفحہ ۳۵۷)۔

وصل کا ذریعہ

(۲۰)۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَوْلَا اَنْ آنَسَ ذِكْرَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مَا تَقَرَّبْتُ اِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا بِالصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ (القول البدیع صفحہ ۱۲۸)۔

ترجمہ: اگر میں اللہ کے ذکر سے انس حاصل نہ کر چکا ہوتا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف کے علاوہ کسی دوسری چیز کے ذریعے اللہ تعالیٰ عزوجل کا قرب حاصل نہ کرتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ذکر سب سے افضل وظیفہ ہے، وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ (العنکبوت: ۴۵)۔

احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لمحہ اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے (مسلم حدیث: ۸۲۶)۔ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا: لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْباً مِنْ ذِكْرِ اللهِ یعنی تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے (ترمذی: ۳۳۷۵، ابن ماجہ: ۳۷۹۳)۔ دوسری طرف معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا اُبی

بن کعب رضی اللہ عنہ کے لیے ہر وقت درود شریف پڑھنا تجویز فرمایا (ترمذی: ۲۴۵۷)۔

اللہ والے جس وظیفہ کے ذریعے یا جس فکر اور تصور کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل کرتے اور انس حاصل کرتے ہیں اور ان کی لائن اللہ تعالیٰ کے ساتھ سیدھی ہو جاتی ہے تو اسے انکی نسبت کہا جاتا ہے۔مثلاً کسی کو اسمِ جلالت یعنی ''اللہ'' بغیر تصور کے بولنے سے وصل نصیب ہوا تو یہی اس ولی کی نسبت ہے، یا کسی کو اسمِ ذات کا تصور کرنے سے وصل نصیب ہوا تو یہی اس کی نسبت ہے، یا کسی کو نفس کی مخالفت سے وصل نصیب ہوا تو یہی اسکی نسبت ہے، یا کسی کو درود شریف کا کوئی خاص صیغہ پڑھنے سے وصل نصیب ہوا تو یہی اسکی نسبت ہے وغیرہ۔ ہر وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر شریف کرنے والی احادیث اور ہر وقت محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے والی حدیث میں مطابقت پیدا کرنے کی یہی صورت ہے۔کاملین اپنی نسبت کے علاوہ دوسری نسبتوں کی نفی نہیں کرتے بلکہ بعض کو کئی کئی نسبتیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔لیکن ان کاملین کے کچے مرید جب اپنے مرشد کا رجحان دیکھ کر اسکی رغبت کے بارے میں کچھ اندازہ لگا لیتے ہیں تو اپنے مرشد کے اس انس، رغبت اور نسبت کے علاوہ دوسری رغبتوں اور نسبتوں کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں، یہی چیز جب عقیدہ بنا کر کتابوں میں شائع کر دی جاتی ہے تو غیر ضروری اختلافات اور تفرقہ بازی جنم لیتی ہے۔

درود شریف اور محبتِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۲۱)۔عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اَلصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ مِنْ عِتْقِ الرِّقَابِ، وَحُبُّ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ مِنْ ضَرْبِ السَّيْفِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (القول البدیع صفحہ ۱۲۶، خصائص کبریٰ ۲/۴۵۶)۔

ترجمہ: سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنا غلاموں کو آزاد کرنے سے بہتر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اللہ کی راہ میں تلوار کے ساتھ جہاد کرنے سے افضل ہے۔

(٢٢)۔ رُوِیَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ سُمِعَ بَعْدَ مَوْتِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَبْكِیْ وَيَقُوْلُ: بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَقَدْ كَانَ جِذْعٌ تَخْطُبُ النَّاسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا كَثُرَ النَّاسُ اتَّخَذْتَ مِنْبَراً لِتُسْمِعَهُمْ فَحَنَّ الْجِذْعُ لِفِرَاقِكَ حَتّٰى جَعَلْتَ يَدَكَ عَلَيْهِ فَسَكَنَ فَأُمَّتُكَ كَانَتْ أَوْلٰى بِالْحَنِيْنِ إِلَيْكَ لَمَّا فَارَقْتَهُمْ ۔ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَهٗ أَنْ جَعَلَ طَاعَتَكَ طَاعَتَهٗ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ ۔ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَهٗ أَنْ أَخْبَرَكَ بِالْعَفْوِ عَنْكَ قَبْلَ أَنْ يُّخْبِرَكَ بِالذَّنْبِ فَقَالَ تَعَالٰى عَفَا اللهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ ۔ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَهٗ أَنْ بَعَثَكَ آخِرَ الْأَنْبِيَاءِ وَذَكَرَكَ فِیْ أَوَّلِهِمْ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوْحٍ وَإِبْرَاهِيْمَ الآيَة ۔ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَقَدْ بَلَغَ مِنْ فَضِيْلَتِكَ عِنْدَهٗ أَنَّ أَهْلَ النَّارِ يَوَدُّوْنَ أَنْ يَّكُوْنُوْا قَدْ أَطَاعُوْكَ وَهُمْ بَيْنَ أَطْبَاقِهَا يُعَذَّبُوْنَ يَقُوْلُوْنَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُوْلَ ۔ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَئِنْ كَانَ مُوْسَى بْنُ عِمْرَانَ أَعْطَاهُ اللهُ حَجَراً تَنْفَجِرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ فَمَا ذَا بِأَعْجَبَ مِنْ أَصَابِعِكَ حِيْنَ نَبَعَ مِنْهَا الْمَاءُ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ ۔ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَئِنْ كَانَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوٗدَ أَعْطَاهُ اللهُ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ فَمَا ذَا بِأَعْجَبَ مِنَ الْبُرَاقِ حِيْنَ سَرَيْتَ عَلَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ ثُمَّ صَلَّيْتَ الصُّبْحَ مِنْ لَيْلَتِكَ بِالْأَبْطَحِ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ ۔ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَئِنْ كَانَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ أَعْطَاهُ اللهُ إِحْيَاءَ الْمَوْتٰى فَمَا ذَا بِأَعْجَبَ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ حِيْنَ كَلَّمَتْكَ وَهِیَ مُشْوِيَّةٌ فَقَالَتْ لَكَ الذِّرَاعُ لَا تَأْكُلْنِیْ فَإِنِّیْ مَسْمُوْمَةٌ ۔ بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَقَدْ دَعَا نُوْحٌ عَلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّاراً وَلَوْ دَعَوْتَ عَلَيْنَا بِمِثْلِهَا لَهَلَكْنَا فَلَقَدْ وُطِئَ ظَهْرُكَ وَأُدْمِیَ وَجْهُكَ وَكُسِرَتْ رُبَاعِيَتُكَ فَأَبَيْتَ أَنْ تَقُوْلَ إِلَّا خَيْراً

فَقُلْتَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَإِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ، بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللہِ لَقَدِ اتَّبَعَكَ فِیْ قِلَّةِ سِنِّكَ وَقَصْرِ عُمُرِكَ مَا لَمْ یَتَّبِعْ نُوْحاً فِیْ كَثْرَةِ سِنِّهٖ وَطُوْلِ عُمُرِهٖ وَلَقَدْ آمَنَ بِكَ الْكَثِیْرُ وَمَا آمَنَ مَعَهٗ إِلَّا الْقَلِیْلُ ، بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللہِ لَوْ لَمْ تُجَالِسْ إِلَّا كُفُوْاً لَكَ مَا جَالَسْتَنَا ، وَلَوْ لَمْ تَنْكِحْ إِلَّا كُفُوْاً لَكَ مَا نَكَحْتَ إِلَیْنَا ، وَلَوْ لَمْ تُؤَاكِلْ إِلَّا كُفُوْاً لَكَ مَا وَاكَلْتَنَا ، فَلَقَدْ وَاللہِ جَالَسْتَنَا وَنَكَحْتَ إِلَیْنَا وَوَاكَلْتَنَا وَلَبِسْتَ الصُّوْفَ وَرَكِبْتَ الْحِمَارَ وَأَرْدَفْتَ خَلْفَكَ وَوَضَعْتَ طَعَامَكَ عَلَى الْأَرْضِ وَلَعِقْتَ أَصَابِعَكَ تَوَاضُعاً مِنْكَ صَلَّى اللہُ عَلَیْكَ وَسَلَّمَ

(**احیاء العلوم صفحہ ۳۸۶، ۳۸۷ از امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ**)۔ قال العراقی رحمۃ اللہ علیہ: ھو غریب بطوله من حديث عمر وھو معروف من أوجه أخرى يقول الفقير المؤلف: فثبت انه حسن

فحديث حنين الجذع متفق عليه من حديث جابر وابن عمر (بخاری حدیث: ۹۱۸، ۳۵۸۳) وحديث نبع الماء من بين أصابعه متفق عليه من حديث أنس وغيره (بخاری حدیث: ۱۶۹، مسلم حدیث: ۲۲۷۹)۔ وحديث الإسراء متفق عليه من حديث أنس دون ذكر صلاة الصبح بالأبطح (بخاری حدیث: ۳۸۸۷، مسلم حدیث : ۱۶۲)۔ وحديث كلام الشاة المسمومة رواه أبو داود من حديث جابر وفيه انقطاع (ابوداؤد حدیث : ۴۵۱۰)۔ وحديث أنه دمى وجهه وكسرت رباعيته متفق عليه من حديث سهل بن سعد فى غزوة أحد (بخاری حدیث: ۲۹۰۳، مسلم حدیث: ۱۷۹۰)۔ وحديث اللهم اغفر لقومى فإنهم لا يعلمون رواه البيهقى فى دلائل النبوة (۳/۲۱۵)۔ والحديث فى الصحيح من حديث ابن مسعود أنه صلى الله عليه وسلم حكاه عن نبى من الأنبياء ضربه قومه (بخاری حدیث : ۳۴۷۷، مسلم حدیث: ۱۷۹۲)۔ وحديث لبس الصوف رواه الطيالسى من حديث سهل بن سعد (مسند ابوداؤد طیالسی حدیث: ۲۱۴۸)۔ وحديث ركوبه الحمار وإردافه خلفه متفق عليه من حديث

أسامة بن زيد (بخاری حدیث :٤٥٦٦، مسلم حدیث: ٥٣٨٦)۔ وحدیث وضع طعامه بالأرض رواه أحمد فی الزهد من حدیث الحسن مرسلا وللبخاری من حدیث أنس ما أكل رسول الله صلی الله علیه وسلم علی خوان قط (بخاری حدیث :٥٣٨٦)۔ وحدیث لعقه أصابعه رواه مسلم من حدیث كعب بن مالك وأنس بن مالك (مسلم حدیث: ٢٠٣٢)۔

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو اس کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے سنا۔ وہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! کھجور کا ایک تنا تھا جسکے ساتھ آپ ٹیک لگا کر لوگوں کو خطاب فرمایا کرتے تھے۔ جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آپ نے ایک منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو خطاب کرنا شروع کر دیا، تو کھجور کا وہ تنا آپ کے فراق میں رونے لگا تھا، حتیٰ کہ آپ منبر سے اترے اور اپنا ہاتھ مبارک اس تنے پر رکھ دیا تو اسے سکون مل گیا۔ جب آپ اپنی امت سے جدا ہوئے تو آپ کی امت اس تنے سے زیادہ دکھی ہے اور زیادہ شفقت کی حقدار ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کو یہ مقام حاصل ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! آپ کو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں یہ عزت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو کسی بات پر ٹوکنے سے پہلے آپ کو معاف کر دینے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: اللہ نے آپ کو معاف کیا آپ نے انہیں اجازت کیوں دی؟ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! آپ کو اللہ تعالیٰ عزوجل کی بارگاہ میں یہ مرتبہ حاصل ہے کہ اس نے آپ کو تمام نبیوں کے بعد بھیجا لیکن آپ کا ذکر سب سے پہلے رکھتے ہوئے فرمایا: جب ہم نے تمام نبیوں سے وعدہ لیا، آپ سے بھی، اور نوح سے بھی اور ابراہیم سے بھی۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! آپ کو اللہ کریم کی بارگاہ میں یہ اعزاز حاصل ہے کہ دوزخی لوگ اس بات پر حسرت کریں گے کہ کاش انہوں نے آپ کی اطاعت کی ہوتی جب کہ انہیں جہنم کے طبقات میں عذاب دیا جا رہا ہوگا تو کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کا

کہامانا ہوتا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہ! اگر حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پتھر عطا فرمایا تھا جس میں سے نہریں پھوٹ پڑی تھیں تو اس سے زیادہ کمال کی بات یہ تھی کہ جب آپ کی انگلیوں سے پانی کے فوارے پھوٹ پڑے تھے۔ آپ پر اللہ کا درود ہو۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہ! اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہوا پر حکومت عطا فرمائی تھی جو صبح کو ایک ماہ کا فاصلہ طے کر لیتی تھی اور شام کو بھی ایک ماہ کا فاصلہ طے کر لیتی تھی تو اس سے زیادہ کمال کی بات یہ تھی کہ جب آپ براق پر سوار ہو کر راتوں رات ساتویں آسمان تک گئے اور پھر اسی رات صبح کی نماز واپس مکہ شریف میں آ کر پڑھی۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا درود ہو۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہ! اگر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مردے زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا تھا تو اس سے عجیب تر بات یہ تھی کہ جب بھنی ہوئی بکری کی ٹانگ نے آپ کو بول کر عرض کیا تھا کہ مجھے مت کھائیں مجھ میں زہر ملی ہوئی ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہ! بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف دعا کی تھی کہ اے میرے رب کافروں کا ایک گھر بھی زمین پر باقی نہ رہنے دے، اگر آپ بھی ہمارے خلاف اسی طرح دعا کر دیتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔ حالانکہ آپ کی پشت مبارک کو روندا گیا اور آپ کے چہرہِ اقدس کو خون آلود کر دیا گیا اور آپکے سامنے کے دانت مبارک شہید کیے گئے مگر آپ نے بھلائی ہی بولی اور بد دعا دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے یہ لوگ جانتے نہیں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہ! تھوڑے سے سالوں میں اور آپ کی مختصر سی عمر میں اتنے زیادہ لوگوں نے آپ کی تابعداری کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طویل عرصے اور لمبی عمر کے باوجود اتنے لوگ ان کے پیروکار نہ بنے۔ آپ پر زیادہ لوگ ایمان لائے اور ان پر تھوڑے لوگ ایمان لائے۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہ! اگر آپ صرف اپنے ہمسر لوگوں کے پاس ہی بیٹھتے تو ہمیں اپنے پاس ہرگز نہ بیٹھنے دیتے، اگر آپ اپنے ہم سر لوگوں سے ہی رشتہ داریاں کرتے تو ہمارے ساتھ ہرگز رشتہ داری قائم نہ کرتے۔ اگر آپ اپنے ہمسروں پر ہی اعتماد رکھتے تو ہم پر ہرگز اعتماد نہ رکھتے۔ لیکن اللہ کی قسم آپ تو ہمارے پاس بیٹھے بھی رہے، ہم میں نکاح بھی کیے ہم پر اعتماد بھی کیا، آپ نے اونی لباس زیبِ تن فرمایا،

گدھے پر سواری فرمائی اور اپنے پیچھے ہمیں بٹھایا، اپنا کھانا زمین پر رکھ کر کھایا، اور کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹیں۔ یہ سب کام تواضع کی وجہ سے تھے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّم۔

گناہ اس طرح مٹتے ہیں جیسے آگ پر ٹھنڈا پانی پڑے

(۲۳)۔عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَلصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَمْحَقُ لِلذُّنُوْبِ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ لِلنَّارِ وَالسَّلَامُ عَلَیْہِ اَفْضَلُ مِنْ عِتْقِ الرِّقَابِ (الشفاء ۲/۶۱)۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا گناہوں کو اس سے بھی زیادہ مٹا دیتا ہے جس طرح ٹھنڈا پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور آپ پر سلام کئی غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

عام طور پر مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ درود شریف ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد اس حدیث سے ثابت ہو رہی ہے اور تجربہ اس پر شاہد ہے۔ بلاشبہ گناہوں سے جلال اور غضب کو دعوت دی جاتی ہے جبکہ درود شریف کا جمال گناہوں کی حرارت کو ٹھنڈا کر کے رکھ دیتا ہے۔ ٹھنڈا ہونے سے مراد جمالی ہونا ہے۔

درود شریف پاک کرتا ہے

(۲۴)۔عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ عَلَیَّ زَکٰوۃٌ لَّکُمْ (المصنف لابن ابی شیبہ ۲/۳۹۹، الجامع الصغیر: ۵۰۳۱)۔الحدیث ضعیف

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر صلوٰۃ بھیجو، تمہارا مجھ پر صلوٰۃ بھیجنا تمہیں پاک کر دینے کا ذریعہ ہے۔

(۲۵)۔وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُکْثِرُ الصَّلٰوۃَ عَلَیْکَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلٰوتِیْ؟ فَقَالَ مَا شِئْتَ، قُلْتُ الرُّبُعَ، قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفَ، قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ

زِدۡتَ فَھُوَ خَیۡرٌ لَكَ ، قُلۡتُ فَالثُّلُثَیۡنِ ، قَالَ مَا شِئۡتَ فَاِنۡ زِدۡتَ فَھُوَ خَیۡرٌ لَكَ ، قُلۡتُ اَجۡعَلُ لَكَ صَلٰوتِیۡ کُلَّھَا ، قَالَ اِذاً تَکۡفِیۡ ھَمَّكَ وَ یُکَفِّرُ لَكَ ذَنۡبَكَ (ترمذی :۲۴۵۷،مستدرک حاکم:۳۶۲۹)۔ الحدیث صحیح صححه الحاکم ووافقه الذهبی

ترجمہ: حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ پر کثرت سے درود پڑھوں گا۔فرمایئے اپنی طرف سے کتنا درود پڑھوں؟ فرمایا: جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا چوتھا حصہ،فرمایا: جتنا چاہواور اگر زیادہ کروتو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔میں نے عرض کیا نصف،فرمایا: جتنا چاہو،اور اگر زیادہ کروتو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔میں نے عرض کیا دوتہائی،فرمایا: جتنا چاہواور اگر زیادہ کروتو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔میں نے عرض کیا میں سارا وقت آپ پر درود پڑھنے میں ہی لگاؤں گا۔فرمایا: پھر یہ تیرے تمام اہم کاموں کے لیے کافی ہے اور تیرے گناہوں کو معاف کرادے گا۔

(۲۶)۔عَنۡ اَبِیۡ سَعِیۡدِ الۡخُدۡرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ عَنۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ : اَیُّمَا رَجُلٍ مُسۡلِمٍ لَمۡ یَکُنۡ عِنۡدَہٗ صَدَقَۃٌ فَلۡیَقُلۡ فِیۡ دُعَائِہٖ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبۡدِكَ وَرَسُوۡلِكَ وَصَلِّ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡمُسۡلِمِیۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ فَاِنَّھَا زَکٰوۃٌ وَ قَالَ : لَا یَشۡبَعُ الۡمُؤۡمِنُ خَیۡراً حَتّٰی یَکُوۡنَ مُنۡتَھَاہُ الۡجَنَّۃَ (ابن حبان:۹۰۳،مسند ابی یعلی:۱۳۹۷)۔حسن

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس بھی مسلمان آدمی کے پاس صدقہ کرنے کیلئے کچھ نہ ہو وہ اپنی دعا میں یوں کہا کرے: اے اللہ محمد پر درود بھیج جو تیرے بندے اور رسول ہیں اور مومن مردوں اور عورتوں پر اور مسلمان مردوں اور عورتوں پر درود بھیج، یہ زکوٰۃ ہے۔اور فرمایا کہ: مومن نیکیاں کرتے کرتے سیر نہیں ہوتا حتیٰ کہ اسکی انتہا جنت پر ہوتی ہے۔

(۲۷)۔عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ مَسۡعُوۡدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ کُنۡتُ اُصَلِّیۡ ، وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَاَبُوۡبَکۡرٍ وَعُمَرُ مَعَہٗ ، فَلَمَّا جَلَسۡتُ بَدَأۡتُ بِالثَّنَآءِ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی ثُمَّ الصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ دَعَوۡتُ لِنَفۡسِیۡ ، فَقَالَ

النَّبِیُّ ﷺ : سَلْ تُعْطَهٗ سَلْ تُعْطَهٗ (ترمذی: ۵۹۳)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی کریم ﷺ تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ جب میں بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ کی ثناء سے شروع کیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھا، پھر اپنے لیے دعا مانگی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مانگ لے تجھے ملے گا، مانگ لے تجھے ملے گا۔

(۲۸)۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ رَجُلاً مِنْ اُمَّتِیْ یَرْعَدُ عَلَی الصِّرَاطِ كَمَا تَرْعَدُ السَّعْفَةُ فَجَاءَتْهُ صَلَاتُهٗ عَلَیَّ فَسَكَّنَتْ رَعْدَتَهٗ (الخصائص الکبریٰ ۲/ ۴۵۶)۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں اپنی امت کا ایک آدمی دیکھا جو پل صراط پر لڑکھڑا رہا تھا جیسے کھجور کی شاخ کانپتی ہے، اتنے میں وہ درود اس کے پاس پہنچ گیا جو وہ مجھ پر پڑھتا تھا، اس کا کانپنا ختم ہو گیا۔

(۲۹)۔ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهٖ، فَلَمْ یَجِدْ أَحَداً یَتْبَعُهٗ، فَفَزِعَ عُمَرُ، فَأَتَاهُ بِمِطْهَرَةٍ مِنْ خَلْفِهٖ فَوَجَدَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ سَاجِداً فِیْ مَشْرَبَةٍ، فَتَنَحّٰی عَنْهُ مِنْ خَلْفِهٖ حَتّٰی رَفَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ رَأْسَهٗ وَقَالَ: أَحْسَنْتَ یَا عُمَرُ حِیْنَ وَجَدْتَّنِیْ سَاجِداً فَتَنَحَّیْتَ عَنِّیْ، إِنَّ جِبْرِیْلَ أَتَانِیْ فَقَالَ: مَنْ صَلّٰی عَلَیْكَ مِنْ أُمَّتِكَ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْراً وَرَفَعَهٗ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ (المعجم الصغیر للطبرانی: ۱۰۱۶، فضل الصلوٰۃ علی النبی صفحہ ۴، ۵، تفسیر ابن کثیر ۳/ ۶۹۰)۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ حاجت کیلیے نکلے تو آپ نے کوئی آدمی نہ پایا جو آپ کے پیچھے جاتا۔ حضرت عمر بھاگ پڑے اور آپ ﷺ کے لیے پانی کا لوٹا لے کر پیچھے پہنچ گئے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو پانی پینے کی جگہ پر سجدے میں دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سے ہٹ گئے حتی کہ نبی کریم ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: اے عمر آپ نے اچھا کیا کہ مجھے سجدے میں دیکھا تو ہٹ گئے۔ میرے پاس

جبریل آئے تھے اور بتایا کہ: جب آپ کا کوئی امتی آپ پر ایک بار صلوٰۃ پڑھے گا تو اللہ اس پر دس بار صلوٰۃ پڑھے گا اور دس درجات بلند کرے گا۔

(۳۰)۔عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاتَّبَعْتُهُ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلاً ، فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ أَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ: فَجِئْتُ أَنْظُرُ، فَرَفَعَ رَأْسَهٗ، فَقَالَ: مَا لَكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ؟ قَالَ: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ. قَالَ: فَقَالَ: إِنَّ جِبْرِيْلَ قَالَ لِيْ أَلَا أُبَشِّرُكَ؟ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ: مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ، وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ (مسند احمد: ۱۶۶۲، مستدرک حاکم: ۹۱۹، الوفا صفحہ ۸۰۴)۔صحیح

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور کھجوروں کے باغ میں داخل ہو گئے اور سجدے میں پڑ گئے۔ آپ نے اتنا لمبا سجدہ فرمایا کہ مجھے ڈر لگا کہ شاید آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ میں پریشان ہو کر قریب گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک اٹھایا اور بیٹھ گئے۔ مجھ سے فرمایا: عبدالرحمن کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھ پر آپ کے وصال کا خوف طاری ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جبریل میرے پاس آئے اور مجھے خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص آپ پر درود پڑھے گا میں خود اس پر درود پڑھوں گا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں خود اس پر سلام بھیجوں گا۔ یہ بات مجھے اتنی پیاری لگی کہ میں نے شکرانے کے طور پر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا۔

(۳۱)۔حضرت سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی غربت اور معاشی تنگدستی کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کہا کرو خواہ کوئی گھر میں ہو یا نہ ہو، اسکے بعد مجھ پر سلام کہا کرو (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ) اور اسکے بعد صرف ایک مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (پوری سورۃ) پڑھا کرو۔ اس آدمی نے اس پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر رزق کھول دیا حتیٰ کہ اسکے پڑوسیوں اور رشتہ داروں تک اسکا فیض پہنچا (القول البدیع صفحہ ۱۳۵)۔

(۳۲)۔حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اَلصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

تَدْرُكُ الرَّجُلَ وَ وَلَدَهٗ وَ وَلَدَ وَلَدِہٖ (القول البدیع صفحہ ۱۳۶)۔رواہ ابن بشکوال بسند ضعیف

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کا فیض پڑھنے والے کو بھی ملتا ہے اور اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد تک اس کا فیض جاری ہوتا ہے۔

(۳۳)۔ابوالقاسم تیمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ: ایک آدمی سیدنا خضر علیہ السلام سے ملا۔ اس آدمی نے کہا: سب سے افضل عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنا ہے۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے فرمایا: سب سے افضل درود وہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرتے وقت اور اسے لکھاتے وقت پڑھا جائے۔ زبان سے بیان ہو رہا ہو اور کتاب میں لکھا جا رہا ہو، کیا ہی لطف آئے اور کیا ہی سرور ہو۔ جب ایسی مجلس میں لوگ حاضر ہوں تو میں ایسی مجلس میں حاضر ہوتا ہوں اِذَا اجْتَمِعُوْا لِذٰلِكَ حَضَرْتُ ذٰلِكَ الْمَجْلِسَ (القول البدیع صفحہ ۲۴۶،۲۴۷)۔

حضرت ابوبکر بن محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابوبکر بن مجاہد کے پاس بیٹھا تھا، اوپر سے حضرت ابوبکر شبلی آ گئے، انہیں دیکھ کر ابوبکر بن مجاہد کھڑے ہو گئے، انہیں گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، میں نے کہا حضور آپ شبلی کا اتنا احترام کر رہے ہیں حالانکہ آپ بھی اور بغداد کے سارے لوگ بھی انہیں مجنون سمجھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے اسی طرح کیا ہے جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اوپر سے شبلی آ گئے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ شبلی کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اپنی نماز کے بعد لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ سورۃ کے آخر تک پڑھتا ہے، اور اس کے بعد تین مرتبہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ پڑھتا ہے۔ میں نے شبلی سے یہ بات پوچھی تو انہوں نے اپنی اس پڑھائی کی تصدیق کی (القول البدیع صفحہ ۱۷۸، جلاء الافہام صفحہ ۲۱۲)۔

تمام نبیوں پر درود پڑھو علیہم الصلوٰۃ والسلام

(۳۴)۔عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلُّوا عَلٰی أَنْبِیَآءِ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ فَإِنَّ اللّٰهَ بَعَثَهُمْ كَمَا بَعَثَنِی صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِمْ (مسند الفردوس:۳۱۰۷، جلاء الافہام صفحہ ۱۹)۔حسن لشواہدہ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور اس کے تمام رسولوں پر صلوٰۃ بھیجا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے انہیں بھیجا ہے جیسا کہ مجھے بھیجا ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِمْ۔

غیرِ نبی پر مستقل درود شریف پڑھنا منع ہے

(۳۵)۔عَنِ ابْنِ عَبَّاس رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :لَا یَنْبَغِی الصَّلٰوةُ مِنْ اَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَلٰكِنْ یُدْعٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ بِالْمَغْفِرَةِ (ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۱، فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۶۷، المعجم الکبیر للطبرانی :۱۱۶۴۸، الشفاء: ۲/ ۶۵، تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۶۹۹، الدر المنثور ۶/ ۶۵۶، مجمع الزوائد :۲۰۳۱۷ وقال رجالہ رجال الصحیح)۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: کسی آدمی کی طرف سے کسی آدمی پر صلوٰۃ بھیجنا مناسب نہیں سوائے نبی پر، لیکن مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت (رحمت اور رضوان) کی دعا کرنی چاہیے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَأَمَّا السَّلَامُ فَقَالَ الشَّیْخُ أَبُو مُحَمَّدٍ الْجُوَیْنِیُّ مِنْ أَصْحَابِنَا: هُوَ فِیْ مَعْنَی الصَّلَاةِ فَلَا یُسْتَعْمَلُ فِی الْغَائِبِ، فَلَا یُفْرَدُ بِهٖ غَیْرُ الْأَنْبِیَآءِ، فَلَا یُقَالُ: عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ، وَسَوَاءٌ فِیْ هٰذَا الْأَحْیَاءُ وَالْأَمْوَاتُ، وَأَمَّا الْحَاضِرُ فَیُخَاطَبُ بِهٖ فَیُقَالُ: سَلَامٌ عَلَیْكَ، أَوْ: سَلَامٌ عَلَیْكُمْ، أَوْ : اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ، أَوْ: عَلَیْكُمْ، وَهٰذَا مُجْمَعٌ عَلَیْهِ یعنی باقی رہا سلام! تو شیخ ابومحمد جوینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی صلوٰۃ کے معنی میں ہی ہے لہٰذا غائب کے

لیے استعمال نہیں کیا جائے گا اور غیر نبی کے لیے نہیں پڑھا جائے گا اور نہیں کہا جائے گا علی علیہ السلام، اس میں زندہ اور فوت شدہ برابر ہیں، ہاں جو حاضر ہے اسے خطاب کیا جائے گا اور کہا جائے گا: السلام علیکم، اور اس پر اجماع ہے (کتاب الاذکار للنووی صفحہ ۸۰)۔

حضرت علامہ سید عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَلَا يُفْرَدُ بِهٖ غَيْرُ الْاَنْبِيَآءِ فَلَا يُقَالُ: عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ الْاَحْيَآءُ وَ الْاَمْوَاتُ فِيْهِ سَوَاءٌ، غَيْرُ اَنَّ الْحَاضِرَ يُخَاطَبُ بِهٖ فَيُقَالُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ یعنی انبیاء کے علاوہ کسی اکیلے کیلئے استعمال نہیں کرنا چاہیے، پس نہیں کہا جائے گا: علی علیہ السلام، اور زندہ اور فوت شدہ اس میں برابر ہیں، سوائے اسکے کہ حاضر کو علیک السلام کہہ کر مخاطب کرنا جائز ہے (الحدیقۃ الندیہ جلد ا صفحہ ۹)۔

حضرت علامہ سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَأَمَّا السَّلَامُ فَنَقَلَ اللَّقَانِيُّ فِي شَرْحِ جَوْهَرَةِ التَّوْحِيدِ عَنِ الْإِمَامِ الْجُوَيْنِيِّ أَنَّهُ فِي مَعْنَى الصَّلَاةِ، فَلَا يُسْتَعْمَلُ فِي الْغَائِبِ وَلَا يُفْرَدُ بِهِ غَيْرُ الْأَنْبِيَاءِ فَلَا يُقَالُ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَسَوَاءٌ فِي هَذَا الْأَحْيَاءُ وَالْأَمْوَاتُ إِلَّا فِي الْحَاضِرِ فَيُقَالُ السَّلَامُ أَوْ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَوْ عَلَيْكُمْ وَهَذَا مُجْمَعٌ عَلَيْهِ الخ۔

أَقُولُ: وَمِنَ الْحَاضِرِ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْعِلَّةَ فِي مَنْعِ السَّلَامِ مَا قَالَهُ النَّوَوِيُّ فِي عِلَّةِ مَنْعِ الصَّلَاةِ أَنَّ ذٰلِكَ شِعَارُ أَهْلِ الْبِدَعِ، وَلِأَنَّ ذٰلِكَ مَخْصُوصٌ فِي لِسَانِ السَّلَفِ بِالْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَمَا أَنَّ قَوْلَنَا عَزَّ وَجَلَّ مَخْصُوصٌ بِاللهِ تَعَالٰى، فَلَا يُقَالُ مُحَمَّدٌ عَزَّ وَجَلَّ وَإِنْ كَانَ عَزِيزًا جَلِيلًا.

ترجمہ: سلام بھیجنے کا مسئلہ اس طرح ہے کہ لقانی نے جوہر التوحید کی شرح میں امام جوینی سے نقل کیا ہے کہ یہ صلوٰۃ کے معنی میں ہے، لہٰذا کسی غائب کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی انبیاء کے علاوہ کسی پر اکیلے استعمال ہوگا، لہٰذا نہیں کیا جائے گا، علی علیہ السلام، اور اس میں زندہ اور فوت شدہ برابر ہیں، ہاں مگر حاضر کو السلام علیکم کہنا جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔

میں کہتا ہوں: کہ حاضر کی طرف سے السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ

الصَّالِحِینَ کہنا بھی جائز ہے، اور ظاہر ہے کہ سلام کو منع کرنے کی وجہ اور علت وہی ہے جو امام نووی نے صلوٰۃ کو منع کرنے کی علت بیان کی ہے، کہ یہ اہل بدعت کی پہچان اور شعار ہے، اور اسلیے بھی کہ یہ اسلاف کی زبان میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ ہم عزوجل کے الفاظ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور کوئی نہیں کہتا: محمد عزوجل، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز اور جلیل ہیں (ردالمحتار المعروف بہ فتاویٰ شامی جلد ۵ صفحہ ۵۳۱)۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْعِلَّةَ فِي مَنْعِ السَّلَامِ مَا قَالَهُ النُّوَوِيُّ فِيْ عِلَّةِ مَنْعِ الصَّلَاةِ مِنْ أَنَّ ذٰلِكَ شِعَارُ أَهْلِ الْبِدَعِ وَاَنَّهُ مَخْصُوْصٌ فِيْ لِسَانِ السَّلَفِ بِالْاَنْبِيَآءِ وَالْمَلَائِكَةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كَمَا أَنَّ قَوْلَنَا: عَزَّ وَجَلَّ مَخْصُوْصٌ بِاللهِ سُبْحَانَهُ فَلَا يُقَالُ مُحَمَّدٌ عَزَّ وَجَلَّ وَإِنْ كَانَ عَزِيْزًا جَلِيْلًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ اللَّقَانِيْ: وَقَالَ الْقَاضِيْ عِيَاضٌ: اَلَّذِيْ ذَهَبَ إِلَيْهِ الْمُحَقِّقُوْنَ وَأَمِيْلُ إِلَيْهِ مَا قَالَهُ مَالِكٌ وَسُفْيَانُ، وَاخْتَارَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْفُقَهَآءِ وَالْمُتَكَلِّمِيْنَ اَنَّهُ يَجِبُ تَخْصِيْصُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَائِرِ الْأَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِالصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيْمِ كَمَا يُخْتَصُّ اللهُ سُبْحَانَهُ عِنْدَ ذِكْرِهٖ بِالتَّقْدِيْسِ وَالتَّنْزِيْهِ وَيُذْكَرُ مَنْ سِوَاهُمْ بِالْغُفْرَانِ وَالرِّضَا كَمَا قَالَ تَعَالٰى (رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ) (المائدۃ :۱۹۹) (يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ) (الحشر :۱۰) وَأَيْضاً أَنَّ ذٰلِكَ فِيْ غَيْرِ مَنْ ذُكِرَ لَمْ يَكُنْ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ وَإِنَّمَا أَحْدَثَهُ الرَّافِضَةُ فِيْ بَعْضِ الْأَئِمَّةِ وَالتَّشْبِيْهُ بِأَهْلِ الْبِدَعِ مَنْهِيٌّ عَنْهُ فَتَجِبُ مُخَالَفَتُهُمْ انتھی یعنی یہ ظاہر ہے کہ سلام کو منع کرنے کی وجہ وہی ہے جو امام نووی نے صلوٰۃ کو منع کرنے کی وجہ اور علت بیان کی ہے، کہ یہ اہل بدعت کا شعار اور ان کی پہچان ہے، اور یہ اسلاف کی زبان پر صرف انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے، جیسا کہ ہم عزوجل کے الفاظ کو اللہ تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں، محمد عزوجل کبھی نہیں کہا جاتا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عزیز بھی ہیں اور جلیل بھی۔ پھر لقانی

فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض نے فرمایا: محققین اسی طرف گئے ہیں اور میرا بھی میلان اسی طرف ہے جو کچھ امام مالک اور سفیان نے فرمایا ہے اور متعدد فقہاء اور متکلمین نے اسے اختیار کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے صلوٰۃ اور سلام مخصوص سمجھنا چاہیے، جیسا کہ اللہ سبحانہ کے لیے تقدیس اور تنزیہ کے الفاظ مخصوص سمجھے جاتے ہیں۔ نبیوں کے علاوہ لوگوں کو مغفرت اور رضا کے الفاظ کے ساتھ بیان کرنا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں رَضِیَ اللہُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ فرمایا ہے اور یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ فرمایا ہے۔ یہ چیز ابتدائی دور میں نہیں ہوا کرتی تھی، اسے رافضیوں نے بعض ائمہ کے بارے میں ایجاد کیا، اور اہلِ بدعت سے مشابہت رکھنا منع ہے، لہٰذا ان کی مخالفت واجب ہے (روح المعانی پارہ ۹ زیر آیت التوبہ ۹۹)۔

حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَاَمَّا السَّلَامُ فَهُوَ فِیۡ مَعۡنَی الصَّلَاةِ فَلَا یُسۡتَعۡمَلُ لِلۡغَائِبِ فَلَا یُفۡرَدُ بِهٖ غَیۡرُ الۡاَنۡبِیَآءِ فَلَا یُقَالُ عَلِیٌّ عَلَیۡهِ السَّلَامُ کَمَا تَقُوۡلُ الرَّوَافِضُ وَ تَکۡتُبُهٗ یعنی سلام بھی صلوٰۃ کے معنی میں ہے، یہ غائب کے لیے استعمال نہیں ہوتا، اسے انبیاء کے علاوہ کسی کے لیے مخصوص نہیں کرنا چاہیے، نہیں کہنا چاہیے علی علیہ السلام جیسا کہ روافض کہتے ہیں اور لکھتے ہیں (روح البیان ۱۱/۱۱۷)۔

بہارِ شریعت کے مصنف حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا نبی و ملک کے ساتھ خاص ہے، غیر نبی و ملک کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا منع ہے، اہلِ بیت کرام کے اسمائے طیبہ کے ساتھ علیہ السلام کہنا رافضیوں کا طریقہ ہے، بعض ناواقف سنی بھی انہیں سے سن کر اس طرح بولتے ہیں اس سے احتراز چاہیے (فتاویٰ امجدیہ جلد ۴ صفحہ ۲۶۲)۔

اے عزیز! اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی محبت ہر مسلمان کا جزوِ ایمان ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی کرنا اور ان پر بغضِ اہل بیت کی الزام تراشی کرنا کسی خوفِ خدا رکھنے والے کو زیب نہیں دیتا۔ اگر غیرِ نبی کو علیہ السلام کہنا جائز ہوتا تو ہم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو علیہ السلام ضرور کہتے، اور اگر ہم ان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال نہ کریں تو یہ ہماری نیک

نیتی اور صحابہ واہل بیت سے ایک جیسی محبت کا واضح ثبوت ہے۔تفریق تم خود کرو اور بغض کا الزام دوسروں پر لگاؤ، بے انصافی کی انتہا ہو گئی۔

اب چند باتیں غور سے پڑھیے، انشاء اللہ واضح ہو جائے گا کہ مختلف کتابوں میں کاتبوں نے اپنی مرضی استعمال کی ہے جس سے مصنفین کا کوئی تعلق نہیں۔

(۱)۔حدیث کی کتابوں میں کاتبوں نے ابو بکر علیہ السلام، عمر علیہ السلام اور علی علیہ السلام سب کچھ لکھ دیا ہے۔مثلاً: مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۶، شرح اصول اعتقاد اہل السنة والجماعۃ: ۸۷ ۲۳، طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۸، ۱۲۵۔

(۲)۔بیروت والی بخاری شریف میں فضائل اصحاب النبی کے عنوانات میں چاروں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا ہے مگر پاکستان کی چھپی ہوئی بخاری شریف میں خلفاء راشدین اور سیدہ زہراء علیہم الرضوان کے عنوانات کے ساتھ کچھ بھی نہیں لکھا۔

(۳)۔احادیث کی سند میں پاکستان کی چھپی ہوئی بخاری شریف میں بھی سیدنا علی کے اسمِ گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ہے۔بیروت والی بخاری میں بھی بار بار علی رضی اللہ عنہ لکھا گیا ہے مگر بعض جگہ علی علیہ السلام لکھا ہوا ہے اور مناقبِ سیدہ زہراء کے عنوان کے تحت بھی علیہا السلام لکھا ہوا ہے۔

(۴)۔مصنف عبد الرزاق کی کتاب المغازی میں باب استخلاف ابی بکر وعمر رحمہما اللہ لکھا ہوا ہے اور باب تزویج فاطمۃ رحمۃ اللہ علیہا بھی لکھا ہوا ہے اور سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے اسمِ گرامی کے ساتھ بھی حاکم نے رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے (مستدرک حاکم: ۴۸۸۰)۔نسیم الریاض جلد ۶ صفحہ ۴۳۷ پر عائشہ کَرَّمَهَا اللّٰهُ لکھا ہے۔ابن سعد نے صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ کثرت سے رحمہ اللہ لکھا ہے (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۴۵، ۵۳، ۵۶، ۸۱، ۱۲۸)۔

(۵)۔بعض علماء مثلاً علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ خود لکھتے ہیں کہ غیر نبی کے لیے علیہ السلام نہیں لکھنا چاہیے۔لیکن اگر خود ان کی اپنی کتاب میں علی علیہ السلام لکھا ہوا مل جائے تو یہ ساری باتیں ثابت کرتی ہیں کہ یہ سب کاتبوں کی کارستانی ہے۔

(۶)۔اس تحقیق پر ہم ایک تائید پیش کر دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں: چنانچہ علامہ ابن

کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

وَ قَدْ غَلَبَ هٰذَا فِيْ عِبَارَةِ كَثِيْرٍ مِّنَ النَّسَّاخِ لِلْكُتُبِ، اَنْ يُّفَرَّدَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِاَنْ يُّقَالَ: عَلَيْهِ السَّلَامُ، مِنْ دُوْنِ سَائِرِ الصَّحَابَةِ، اَوْ: كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ وَ هٰذَا وَ اِنْ كَانَ مَعْنَاهُ صَحِيْحاً، لٰكِنْ يَنْبَغِيْ اَنْ يُّسَوّٰى بَيْنَ الصَّحَابَةِ فِيْ ذٰلِكَ، فَاِنَّ هٰذَا مِنْ بَابِ التَّعْظِيْمِ وَ التَّكْرِيْمِ، فَالشَّيْخَانِ وَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانُ اَوْلٰى بِذٰلِكَ مِنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ یعنی میں کہتا ہوں کہ: کتابوں کے کثیر کاتبوں کی عبارت میں صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو علیہ السلام لکھا ہے باقی صحابہ کے ساتھ ایسا نہیں لکھا۔ یا کرم اللہ وجہہ لکھا ہے۔ اگرچہ معنی اور مفہوم کے لحاظ سے یہ صحیح ہے، لیکن چاہیے یہ کہ اس معاملے میں تمام صحابہ کے درمیان برابری رکھی جائے (یعنی علی کرم اللہ وجہہ کہنا بالکل صحیح اور جائز ہے لیکن پھر اسی طرح ابو بکر کرم اللہ وجہہ کہنے پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے)۔ اس چیز کا تعلق تعظیم اور تکریم سے ہے، تو شیخین یعنی سیدنا ابو بکر صدیق و عمر فاروق اور امیر المومنین عثمان غنی اسکے زیادہ حقدار ہیں بہ نسبت سیدنا علی المرتضیٰ کے رضی اللہ عنہم اجمعین (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۶۹۹)۔

☆......☆......☆

باب سوم:

درود شریف نہ پڑھنے پر وعیدیں

(۳۶)۔وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ : رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ یُغْفَرَ لَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ یُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ (ترمذی:۳۵۴۵،مسند احمد : ۷۴۶۹،مستدرک حاکم : ۲۰۵۴)۔ اخرج الحاکم الفقرة الاولی واخرج مسلم الفقرة الاخیرة، والحدیث صحیح له شواهد کثیرة عن جماعة الصحابة خرجها الحافظ المنذری فی الترغیب

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ناک خاک آلود ہو اس شخص کی جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے اور ناک رگڑ جائے اس شخص کی جس پر رمضان داخل ہوا پھر اس کی مغفرت ہونے سے پہلے گزر گیا اور ناک خاک آلود ہو اس شخص کی جس کے سامنے اس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک بڑھاپے کو پہنچا اور انہوں نے اسے جنت میں داخل نہیں کیا۔

(۳۷)۔وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ : اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ (ترمذی:۳۵۴۶،مسند احمد :۱۷۳۶،شعب الایمان للبیهقی :۱۵۶۶،مستدرک حاکم :۲۰۵۳)۔الحدیث صحیح

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بخیل ہے وہ شخص جسکے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔

(۳۸)۔ عَنْ قَتَادَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِنَ الْجَفَاءِ اَنْ اُذْكَرَ عِنْدَ الرَّجُلِ فَلَا یُصَلِّیْ عَلَیَّ (جلاء الافہام صفحہ ۱۹۳،القول البدیع صفحہ ۱۵۲)۔مرسل صحیح وله شواهد

ترجمہ: حضرت قتادہ تابعی علیہ الرحمہ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ظلم کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ کسی آدمی کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

(۳۹)۔عَنِ الْحَسَنِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ : كَفٰى بِهٖ شُحًّا اَنْ اُذْكَرَ عِنْدَهٗ ثُمَّ لَا يُصَلِّي عَلَيَّ (المصنف لابن ابی شیبہ ۲ /۳۹۹)۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ) فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے بخیل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا نام لیا جائے، پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

(۴۰)۔وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ الدُّعَآءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ (ترمذی : ۴۸۶)۔اسنادہ ضعیف

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دعا آسمان اور زمین کے درمیان لٹکی رہتی ہے اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی جب تک تم اپنے نبی پر درود نہ پڑھو۔

(۴۱)۔عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ دُعَآءٍ اِلَّا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ السَّمَآءِ حِجَابٌ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ فَاِذَا صُلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ ﷺ اِنْخَرَقَ الْحِجَابُ وَ اسْتُجِيْبَ الدُّعَآءُ، وَاِذَا لَمْ يُصَلَّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ لَمْ يُسْتَجِبِ الدُّعَآءِ (مسند الفردوس: ۶۱۴۸، خصائص کبریٰ ۲ /۴۵۶)۔ضعیف

ترجمہ: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص دعا مانگتا ہے تو ایک پردہ اسے آسمان پر نہیں چڑھنے دیتا جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جاتا ہے تو وہ پردہ پھٹ جاتا ہے اور دعا قبول ہو جاتی ہے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں پڑھا جاتا تو دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضرت ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ سے شروع کرے، پھر اپنی حاجت مانگے، آخر میں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے، اللہ تعالیٰ درود شریف کو ضرور قبول فرماتا ہے

اوراس کی شانِ کریمی سے بہت بعید ہے کہ ان دونوں کے درمیان والی چیز کو قبول نہ کرے (تفسیر قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۲۰۹)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب شعر چسپاں فرمایا ہے:

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد

دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

ترجمہ: چیونٹی بے چاری کی یہ خواہش تھی کہ کسی طریقے کعبہ میں پہنچ جائے۔اس نے اپنا ہاتھ کبوتر کے پاؤں میں رکھ دیا تو یکایک پہنچ گئی۔

(۴۲)۔عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ : مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِساً فَلَمْ يَذْكُرُوا اللهَ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلٰى نَبِيِّهٖ إِلاَّ كَانَ مَجْلِسُهُمْ عَلَيْهِمْ تِرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ,إِنْ شَآءَ عَفَا عَنْهُمْ ,وَإِنْ شَآءَ اَخَذَهُمْ (ابوداؤد:۴۸۵۵،ترمذی:۳۳۸۰،مستدرک حاکم:۲۰۵۵)۔صحیح

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کچھ لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے اور اس کے نبی پر صلوٰۃ نہیں بھیجتے تو یہ مجلس ان کے لیے قیامت کے دن حسرت و پشیمانی کا سبب ہوگی۔اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے انہیں معاف کردے اوراس کی مرضی ہے انہیں پکڑ لے۔

(۴۳)۔عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَهٗ وَلَا وَضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ ,وَلَا صَلَاةَ لِمَن لَّمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ,وَلَا صَلَاةَ لِمَن لَّا يُحِبُّ الْأَنْصَارَ (ابن ماجہ:۴۰۰)۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس کا وضو نہیں اور اسکا کوئی وضو نہیں جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی اور اسکی کوئی نماز نہیں جس نے نبی (ﷺ) پر صلوٰۃ نہیں پڑھی اور اسکی کوئی نماز نہیں جو انصار سے محبت نہیں کرتا۔

(۴۴)۔عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: مَا اجْتَمِعَ قَوْمٌ ثُمَّ تَفَرَّقُوْا عَنْ غَيْرِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَصَلَاةٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ إِلَّا قَامُوْا عَنْ أَنْتَنَ مِنْ جِيْفَةٍ (السنن الکبری للنسائی:۹۸۸۶، ۱۰۲۴۴، ابوداؤد طیالسی: ۱۸۶۳، شعب الایمان للبیہقی: ۱۵۷۰، جلاء الافہام: ۴۴)۔ صحیح علیٰ شرط مسلم

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کچھ لوگ مل بیٹھتے ہیں اور اللہ عزوجل کا ذکر کیے بغیر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے بغیر اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو یہ اسی طرح ہے جیسے بدبودار مردار پر سے اٹھ کر چلے گئے ہوں۔

(۴۵)۔ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ قَوْمٍ جَلَسُوْا مَجْلِساً ثُمَّ قَامُوْا مِنْهُ لَمْ يَذْكُرُوْا اللهَ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا كَانَ ذٰلِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ تِرَةً (اخرجہ الطبرانی کما فی مجمع الزوائد ۱۰/ ۷۹)۔ وقال الهيثمي رجاله وثقوا وللحديث شواهد

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کچھ لوگ مل کر بیٹھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر مقدس کیے بغیر اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صلوٰۃ پڑھے بغیر اٹھ جاتے ہیں۔ تو اس مجلس پر انہیں ضرور بر ضرور پشیمانی ہو گی۔

☆......☆......☆

باب چہارم:

درود شریف پڑھنے کے مواقع

روزانہ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کا اجر

(۴۶)۔عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ :مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ فِيْ يَوْمٍ أَلْفَ مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ (جلاء الافہام صفحہ ۲۹، القول البدیع صفحہ ۱۳۱)۔لا باس بہ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک ہزار بار روزانہ صلوٰۃ پڑھی وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اپنا ٹھکانہ جنت میں نہ دیکھ لے۔

صبح شام دس بار درود شریف

(۴۷)۔عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ حِيْنَ يُصْبِحُ عَشْراً وَ حِيْنَ يُمْسِي عَشْراً اَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الجامع الصغیر:۸۸۱۱)۔وقال صحیح

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر صبح کے وقت دس بار صلوٰۃ پڑھی اور شام کے وقت دس بار صلوٰۃ پڑھی قیامت کے دن اسے میری شفاعت پہنچ پڑے گی۔

جمعہ کے دن درود شریف کی خصوصی سماعت

(۴۸)۔عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ يَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ، وَاِنَّ اَحَدًا لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا، قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟

قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ (المصنف لابن ابی شیبۃ ۲/۳۹۸،ابن ماجہ:۱۶۳۷)۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔اس پر حاضری ہوتی ہے،فرشتے اس پر حاضر ہوتے ہیں۔ جب بھی کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس سے فارغ ہو جاتا ہے۔فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا وفات کے بعد بھی؟ فرمایا: بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔اس طرح کی ایک حدیث اور بھی موجود ہے۔

(۴۹)۔عَنِ الْحَسَنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ : اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ (ابن ابی شیبۃ ۲/۳۹۹،ورواہ الحاکم فی المستدرک عن ابی مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ:۳۶۲۸)۔صحیح ولہ شواھد

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھا کرو، یہ میرے سامنے پیش ہوتا ہے۔

(۵۰)۔عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: اَلصَّلٰوۃُ عَلَیَّ نُوْرٌ عَلَی الصِّرَاطِ ، فَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ ثَمَانِیْنَ مَرَّۃً غُفِرَتْ لَہٗ ذُنُوْبُ ثَمَانِیْنَ عَاماً (الجامع الصغیر:۵۱۹۱)۔وقال حسن

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : مجھ پر درود پڑھنا پل صراط پر روشنی کا سبب ہے،جس نے مجھ پر جمعہ کے دن ۸۰ مرتبہ درود پڑھا اس کے ۸۰ سال کے گناہ معاف ہو گئے۔

اذان کے بعد درود شریف

(۵۱)۔عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاص رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا

يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلوٰةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشراً، ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنبَغِي اِلَّا لِعَبدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَاَرجُو اَنْ اَكُونَ اَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ (مسلم :۸۴۹،ابوداؤد:۵۲۳،ترمذی:۳۶۱۴،نسائی:۶۷۸)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا: جب تم مؤذن کوسنوتو جسطرح وہ کہے اسی طرح تم بھی کہو، پھر مجھ پر درود پڑھو۔جس شخص نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا،اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا۔ پھراللہ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو۔یہ جنت میں ایک منزل کا نام ہے جواللہ کے بندوں میں سے کسی خاص بندے کو ملے گی، میں امید رکھتا ہوں کہ میں وہی بندہ ہوں۔لہٰذا جس نے میرے لیے اللہ سے وسیلہ کا سوال کیا اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔

(۵۲)۔عَنْ جَابِرِ بنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم قَالَ: مَنْ قَالَ حِينَ يَسمَعُ النِّدَآءَ، اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلوٰةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَ نِالْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَاماً مَحْمُودَ نِالَّذِيْ وَعَدتَّهٗ، حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (بخاری:۶۱۴، ابو داؤد :۵۲۹،ترمذی:۲۱۱،نسائی:۶۸۰،ابن ماجہ:۷۲۲)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اذان سن کر یہ کہا: اے میرے اللہ، اے اس کامل دعوت کے رب اور قائم ہونے والی نماز کے رب، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقامِ محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے،اس کیلئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہوگئی۔

(۵۳)۔سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہر صبح کی اذان سے پہلے بلا ناغہ ایک دعا مانگتے تھے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

عَنِ امْرَأَةٍ بَنِي النَّجَّارِ قَالَتْ كَانَ بَيتِي مِنْ اَطوَلِ بَيتٍ، كَانَ حَوْلَ الْمَسْجِدِ، فَكَانَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ عَلَيْهِ الْفَجْرَ فَيَأْتِي بِسَحَرٍ فَيَجْلِسُ عَلَى الْبَيتِ

يَنْظُرُ اِلَى الْفَجْرِ، فَاِذَا رَآهُ تَمَطّٰی، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَحْمَدُكَ وَاَسْتَعِینُكَ عَلٰی قُرَیْشٍ اَن یُقِیمُوا دِینَكَ، قَالَت ثُمَّ یُؤَذِّنُ، قَالَت وَ اللہِ مَا عَلِمتُ كَانَ تَرَكَھَا لَیلَةً وَاحِدَةً یَعنِی ھٰذِہِ الْكَلِمَاتِ (ابوداؤد:۵۱۹)۔الحدیث صحیح

ترجمہ: بنونجار کی ایک عورت سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میرا گھر بلند ترین گھروں میں سے تھا۔ جو مسجد کے اردگرد تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس پر چڑھ کر صبح کی اذان پڑھتے تھے۔ آپ سحری کے وقت آجاتے تھے، گھر کے اوپر چڑھ کر فجر کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ جب دیکھتے کہ فجر ابھر آئی، پھر کہتے: اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں اور تجھ سے قریش کے بارے میں مدد مانگتا ہوں کہ وہ تیرا دین قائم کریں۔ وہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد اذان پڑھتے تھے۔ فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم میں نہیں جانتی کہ انہوں نے اسے کسی ایک رات بھی ترک کیا ہو یعنی یہ کلمات۔

امام نسائی علیہ الرحمہ نے ایک باب باندھا ہے جس کا نام رکھا ہے: اذان کے بعد نبی پر درود۔ اذان کے بعد درود شریف کا حکم حدیث میں بھی موجود ہے ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ یعنی اذان کے بعد مجھ پر درود پڑھو (مسلم:۸۴۹)۔

درود شریف عبادتِ مؤقتہ نہیں جس پر وقت کی قید اور پابندی ہو بلکہ اس کا حکم مطلق ہے۔ آج کل اذان سے پہلے اور بعد میں صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے یہ جائز اور مستحسن ہے، معتبر علماء نے اسے بدعتِ حسنہ قرار دیا ہے۔ مثلاً امام عبدالوہاب شعرانی، امام سخاوی اور علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ مصر میں شیعوں کی حکومت تھی تو انہوں نے اپنے بادشاہ اور اس کے وزراء پر اذان کے ساتھ سلام شروع کر دیا۔ بادشاہ مر گیا تو اس کی جگہ اس کی بہن حکمران بنی۔ شیعوں نے اس عورت پر اور اس کی وزیر عورتوں پر اذان کے ساتھ سلام پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر جب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت سنبھالی تو انہوں نے اس بدعت کو ختم کیا اور مؤذنوں کو حکم دیا کہ اس بدعت کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھا کریں۔ یہ حکم تمام شہروں اور دیہات والوں کو دیا۔ اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر عطا فرمائے فَجَزَاہُ اللہُ خَیْراً (کشف الغمہ جلد۱ صفحہ ۹۵، القول البدیع صفحہ ۱۹۶، الدر المختار علیٰ ہامش الشامی جلد ۱ صفحہ ۲۸۷)۔

یہ وہ زمانہ تھا جب سپیکر نہیں ہوتے تھے۔ کسی نیک کام کو شروع کرنے کے بعد اسے بند کرنا مناسب نہیں ہوتا خصوصاً درود شریف جس کے فضائل میں احادیث مجموعی طور پر متواتر ہیں اور اسے پڑھنا نہایت خوش نصیبی ہے۔ اور اگر کسی کو اس سے اختلاف بھی ہو تو کم از کم دوسروں کو منع نہ کرے۔

دوسری طرف یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اذان سے پہلے یا بعد درود شریف پڑھنے میں ہماری نیت محض اللہ کی رضا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہونی چاہیے۔ کسی کو جلانا اور مقابلہ بازی مقصود نہ ہو۔ یہ باتیں اخلاص کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس موقع پر مروجہ طریقے سے درود شریف پڑھنا محض مباح یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے۔ سنت یا واجب ہرگز نہیں۔ اگر کسی نے سنت یا واجب یا ضروری سمجھا تو یہ صحیح معنی میں بدعت ہوگی۔

اہلِ سنت کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ جب مؤذن رسالت کی گواہی دے تو سننے والے کو چاہیے کہ پہلی بار کہے: صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ، اور دوسری بار سنے تو اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور پڑھے: قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ یعنی یا رسول اللہ میری آنکھ کی ٹھنڈک آپ کی وجہ سے ہے، اے اللہ مجھے سننے اور دیکھنے کی دولت سے نواز (طحطاوی صفحہ ۲۰۵، ردالمحتار یعنی فتاویٰ شامی جلد ا صفحہ ۲۹۳، روح البیان جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸)۔

نماز میں درود شریف

(۵۴)۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ وَكَفُّهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ ، اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ ،اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (مسلم: ۸۹۷، بخاری: ۸۳۱، ابوداؤد: ۹۶۸، ترمذی: ۱۱۰۵، نسائی: ۱۱۶۳، ابن ماجہ: ۱۸۹۲)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشہد اس

طرح سکھایا جس طرح قران کی سورۃ سکھاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سامنے ہوتے تھے۔ سب احترام اللہ کیلیے ہیں اور دعائیں اور اچھے اعمال، اے نبی آپ پر سلام، اللہ کی رحمت اور اسکی برکات ہوں۔ ہم پر بھی سلام ہو اور اللہ کے صالح بندوں پر بھی سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہتے وقت حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سامنے حاضر سمجھنا اور نہایت ادب اور احترام کے ساتھ آپ کا خیال دل میں لانا چاہیے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَاحْضِرْ فِیْ قَلْبِكَ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ وَ شَخْصَهُ الْكَرِیْمَ وَ قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ الخ یعنی اپنے دل میں نبی کریم ﷺ کو حاضر سمجھ اور آپکی کریم ہستی کو دیکھ اور عرض کر: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ اور اس بات کا یقین رکھو کہ یہ سلام نبی کریم ﷺ تک پہنچے گا اور آپ ﷺ اس کا جواب میرے سلام سے بہتر انداز میں دیں گے وَیَرُدُّ عَلَیْكَ مَا هُوَ اَوْفٰی مِنْهُ (احیاء العلوم صفحہ ۲۱۴)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ایں حکم بجہتِ سریانِ حقیقتِ محمدیہ است در ذرائرِ موجودات و افرادِ ممکنات، پس آنحضرت در ذاتِ مصلیان حاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا بانوارِ قرب و اسرارِ معرفت تنور و فائز گردد یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ پڑھنے کا حکم اس لحاظ سے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ موجودات کے ذرے ذرے میں اور کائنات کے ہر ہر فرد میں جاری وساری ہے، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازیوں کی ذات میں حاضر ہیں، پس نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس حاضری سے غافل نہ ہو تا کہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے منور اور فیض یاب ہو جائے (اشعۃ اللمعات جلد ا صفحہ ۴۳۰)۔

(۵۵)۔ حضرت سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا یارسول اللہ آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں تو فرمایا کہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی

اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (بخاری:۳۳۶۹، مسلم:۹۱۱)۔

درودِ ابراہیمی میں پڑھا جاتا ہے کہ اے میرے اللہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی طرح درود بھیج جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر بھیجا۔ یہاں نفسِ رحمت میں تشبیہ دی گئی ہے اور مشبہ بہ میں وجہ تشبیہ کا اقویٰ ہونا ضروری نہیں ہوتا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (القصص:۷۷) اور حدیث میں ہے اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ ۔ درودِ ابراہیمی میں تشبیہ من کل الوجوہ بھی مراد نہیں ہے کہ اس سے نبوت کا اجراء ثابت کیا جائے ورنہ لازم آئے گا کہ مستقل اور کتابی نبوت بھی جاری ہو۔

یہ درود شریف زیادہ تر نماز کے لیے موزوں ہے اس لیے کہ نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کہہ کر سلام پیش کیا جاتا ہے اور صلوٰۃ کی کمی درودِ ابراہیمی سے پوری کر دی جاتی ہے۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ صلوٰۃ اور سلام الگ الگ پڑھنا منع ہے۔ اسلیے کہ کئی مواقع پر محض صلوٰۃ اور بعض مواقع پر محض سلام پڑھنا بھی منقول ہے۔ البتہ صلوٰۃ کے ساتھ سلام کو بھی ملحوظ رکھنا مستحب ہے۔

آل سے کون لوگ مراد ہیں

(۵۶)۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ آلُ مُحَمَّدٍ؟ فَقَالَ كُلُّ تَقِيٍّ وَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: اِنْ اَوْلِيَاءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا آلِ محمد کون ہیں؟ تو فرمایا: ہر پرہیزگار آلِ محمد ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اللہ کے بندے صرف وہی ہیں جو متقی پرہیزگار ہیں (المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۳۳۲، المعجم الصغیر ۱/۱۱۵، الشفاء ۲/۶۶، غنیۃ الطالبین صفحہ ۲۷۲، ۲۷۳)۔ بے شمار علمائے اہل سنت نے اسی بات کی تصریح کی ہے (مرقاۃ جلد ۳ صفحہ ۴، مطلع القمرین صفحہ ۱۸، ۱۹ از اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، فتاویٰ مہریہ صفحہ ۱۸ از حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ)۔

سیدنا امام جعفر صادق قدس سرہٗ اپنے والد ماجد سیدنا امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت

کرتے ہیں کہ: كَانَ آلُ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یُدْعَوْنَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا تھا۔ یہ حدیث تین مختلف سندوں کے ساتھ منقول ہے (فضائل الصحابہ للدارقطنی: ۶۸، ۶۹، ۷۰)۔

(۵۷)۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہادیِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ ساتھ وصیت کرتے ہوئے چلتے گئے، حضرت معاذ سواری پر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدل چل رہے تھے۔ جب وصیت کرتے کرتے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے معاذ! شاید تم آئندہ سال مجھ سے نہ مل سکو، اور شاید تم میری اس مسجد کے پاس سے گزرو تو ساتھ ہی میری قبر بھی ہو۔ حضرت معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق کے جوش میں رونے لگے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شریف کی طرف چہرۂ انور پھیر کر فرمایا: اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا حَیْثُ کَانُوْا یعنی لوگوں میں میرے سب سے زیادہ قریب متقی ہوں گے، جو بھی ہوں، جہاں بھی ہوں (مسند احمد: ۲۱۹۵۱)۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آل میں کیا۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں: فرزندِ خود خوانداست مارا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود مجھے اپنا فرزند قرار دیا ہے (رسالہ روحی صفحہ ۴۶)۔

واضح ہو گیا کہ آل میں تمام ازواجِ مطہرات، چاروں خلفائے راشدین، چاروں شہزادیاں، حسنین کریمین اور امت کے تمام متقی رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ بعض اوقات آل کے بعد ازواج اور ذریت اور اہلِ بیت اور صحابہ کے الفاظ جدا بھی بولے جاتے ہیں، اس کی وجہ ان ہستیوں کا خصوصی اعزاز ہے، اس کی یہ وجہ نہیں کہ یہ آل میں شامل نہیں تھے۔

مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت درود شریف

(۵۸)۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ، وَلْيَقُلْ : اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ،فَإِذَا خَرَجَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَلْيَقُلْ : اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ (السنن الکبری للنسائی:۹۹۱۸،ابن ماجۃ : ۷۷۳،ابن حبان:۲۰۴۷)۔صحیح

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی پر صلوٰۃ پڑھے اور کہے اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب مسجد سے باہر نکلے تو نبی پر درود پڑھے اور کہے اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

(۵۹)۔عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ حَسَنٍ عَنْ اُمِّهٖ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لِفَاطِمَةَ ابْنَتِهٖ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اِذَا دَخَلْتِ الْمَسْجِدَ فَقُوْلِيْ: بِسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَ سَهِّلْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ، فَاِذَا خَرَجْتَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُوْلِيْ كَذٰلِكِ اِلَّا اَنَّهٗ فَقَالَ: وَسَهِّلْ لِيْ اَبْوَابَ رِزْقِكَ (ترمذی: ۳۱۴،ابن ماجہ:۷۷۱)۔صحیح

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حسن اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: جب مسجد میں داخل ہو تو کہو: بِسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَ سَهِّلْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب مسجد سے نکلو تو اسی طرح کہو اور یہ اضافہ بھی فرمایا کہ: وَ سَهِّلْ لِيْ اَبْوَابَ رِزْقِكَ ۔

حج اور عمرہ میں تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد درود شریف

(۶۰)۔عَنْ صَالِحٍ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ ابْنَ مُحَمَّدٍ يَقُوْلُ: كَانَ يُسْتَحَبُّ لِلرَّجُلِ اِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهٖ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ (جلاء الافہام صفحہ ۱۹۶)۔

ترجمہ: حضرت صالح فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہم فرماتے ہوئے سنا کہ: جب آدمی تلبیہ سے فارغ ہو تو نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا اسکے لیے مستحب سمجھا جاتا تھا۔

روضہِ انور پر درود شریف

شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہِ انور پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبرِ انور میں دنیا کی زندگی کی طرح زندہ سمجھا جائے۔ حدیثِ پاک میں کہ:

(٦١)۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: اَلْاَنْبِیَآءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ (مسند ابی یعلی: ٣٤٢٥، مجمع الزوائد: ١٣٨١٢)۔ وَھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں۔

روضہِ انور کو ہاتھ لگانے کے لیے ہنگامہ کرنا، جالیوں پر گرنا اور بوسہ دینے کے لیے زبردستی کرنا بے ادبی ہے۔ اگرچہ بوسہ دینا بذاتِ خود جائز سہی لیکن موجودہ حالات میں خصوصاً ہجوم کی صورت میں ایسا نہیں کرنا چاہیے، تاکہ کہیں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاجِ اقدس پر گراں نہ گزرے۔ اور اگر سبھی لوگ اسی طرح کرنے لگ گئے تو نظم وضبط میں سخت خلل آئے گا۔

قبرِ انور سے کم از کم چار ہاتھ پیچھے ہٹ کر نہایت ادب کے ساتھ نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر، روضہِ انور کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونا چاہیے اور یوں عرض کرنا چاہیے:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللہِ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا شَفِیْعَ الْمُذْنِبِیْنَ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

(٦٢)۔ وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ فُدَیْكٍ قَالَ سَمِعتُ بَعضَ مَن اَدْرَکْتُ یَقُوْلُ بَلَغَنَا اَنَّہٗ مَن وَقَفَ عِندَ قَبرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم فَتَلَا ھٰذِہِ الْآیَۃَ: اِنَّ اللہَ وَمَلَآئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ فَقَالَ صَلَّی اللہُ عَلَیْكَ یَا مُحَمَّدُ یَقُوْلُھَا سَبْعِیْنَ مَرَّۃً نَادَاہُ مَلَكٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْكَ یَا فُلَانُ لَمْ تَسْقُطْ لَكَ حَاجَۃٌ، وَ قَالَ بَعضُ زَوَّارِ قَبرِہٖ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

اَتَیتُكَ رَاجِلاً وَوَدِدتُ اَنِّی مَلَكتُ سَوَادَ عَینِی أَمتَطِیهِ
وَمَالِی لَا أُسِیرُ عَلَى المَسَآقِی اِلٰی قَبرٍ رَسُولُ اللهِ فِیهِ

رَوَاهُ ابنُ الجَوزِیْ فِی الوَفَا (الوفا ۲/۸۰۱)۔

ترجمہ: حضرت ابن ابی فدیک فرماتے ہیں کہ میں نے جن لوگوں کا دیدار کیا ہے ان میں سے ایک (یعنی صحابی) سے سنا فرمایا: ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور کے پاس کھڑا ہوا اور اس نے یہ آیت پڑھی اِنَّ اللهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ اس کے بعد ستر بار کہا صَلَّى اللهُ عَلَیكَ یَا مُحَمَّدُ۔ اسے ایک فرشتہ آواز دے گا: اے فلاں تجھ پر اللہ کا درود ہو، تیری کوئی حاجت ساقط نہ ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کو آنے والے کسی عاشق نے عرض کیا: میں آپ کے پاس پیدل چل کر حاضر ہوا ہوں کاش میری آنکھوں کی ڈھیری میرا کہنا مانتی اور میں اس پر سوار ہو جاتا۔ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں پلکوں پر سوار نہیں ہو سکتا۔ اس قبر کی طرف آنے کے لیے جس میں اللہ کے رسول موجود ہیں۔

(۶۳)۔ عَن عَبدِ اللهِ بنِ دِینَارٍ اَنَّ ابنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَو قَدِمَ مِن سَفَرٍ جَآءَ قَبرَ النَّبِیِّ ﷺ وَدَعَا ثُمَّ انصَرَفَ (مؤطا امام محمد صفحہ ۳۹۶)۔ صحیح

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن دینار فرماتے ہیں کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ جب سفر کا ارادہ فرماتے یا سفر سے تشریف لاتے تو سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور پر حاضر ہوتے اور پھر اگلے کام کرتے تھے۔

(۶۴)۔ عَنِ ابنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنهُمَا قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اَن تَأْتِیَ قَبرَ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَیهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مِن قِبَلِ القِبلَةِ وَ تَجعَلَ ظَهرَكَ اِلَى القِبلَةِ وَتَستَقبِلَ القَبرَ بِوَجهِكَ ثُمَّ تَقُولَ: اَلسَّلَامُ عَلَیكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحمَتُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ (مسند امام اعظم حدیث: ۱۰۰)۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر قبلہ کی طرف سے حاضر ہو اور اپنی پشت قبلہ کی طرف کر لے اور قبر انور کی طرف منہ کر

لے۔ پھر کہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ روضۂ انور پر حاضری کے وقت سرکارِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام عرض کرے، پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کرے پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کرے، ان دونوں اللہ کے پیاروں سے عرض کرے کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں میری سفارش فرمائیں (فتاویٰ عالمگیری جلد ا صفحہ ۲۶۶)۔

(۶۵)۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بنِ دِینَارٍ قَالَ: رَأَیْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ یَقِفُ عَلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ فَیُصَلِّی عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ (مؤطا امام مالک کتاب قصر الصلوۃ فی السفر، باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی النبی:۶۸)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور پر ٹھہرے ہوئے دیکھا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا، اور حضرت ابوبکر پر اور حضرت عمر پر رضی اللہ عنہما۔

مسلمان بھائی سے ملاقات کے وقت درود شریف

(۶۶)۔ عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ عَبْدَیْنِ مُتَحَابَّیْنِ یَسْتَقْبِلُ أَحَدُھُمَا الْآخَرَ، وَیُصَلِّیَانِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ إِلَّا لَمْ یَتَفَرَّقَا حَتّٰی تُغْفَرَ لَھُمَا ذُنُوْبُھُمَا مَا تَقَدَّمَ مِنْھَا وَمَا تَأَخَّرَ (مسند ابی یعلی:۲۹۶۰)۔ ضعیف

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب دو آپس میں محبت کرنے والے بندے ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں اور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے پہلے ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

اندھیری رات اور چمکتے دن میں درود شریف

(۶۷)۔ عَنْ اَنَسٍ وَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ فِی اللَّیْلَۃِ الْغَرَّآءِ وَ الْیَوْمِ

اَلْاَزْھَرِ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ (الجامع الصغیر:۱۴۰۲)۔الحدیث صحیح

ترجمہ: حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر اندھیری رات میں اور روشن دن میں کثرت سے صلوٰۃ پڑھا کرو۔ تمہاری صلوٰۃ مجھ پر پیش کی جاتی ہے۔

درود شریف کی برکت سے دعائیں قبول

(۶۸)۔عَنْ زَیْدِ بْنِ خَارِجَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ اَنَا سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلَیَّ وَاجْتَھِدُوْا فِی الدُّعَآءِ وَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ (النسائی:۱۲۹۲)۔الحدیث صحیح

ترجمہ: حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر صلوٰۃ پڑھو اور خوب دعا مانگا کرو اور کہا کرو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔

(۶۹)۔عَنْ فُضَالَۃَ بْنِ عُبَیْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ رَجُلاً یَدْعُوْ فِیْ صَلَاتِہٖ لَمْ یُمَجِّدِ اللہَ وَلَمْ یُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: عَجِّلْتَ اَیُّھَا الْمُصَلِّیْ ثُمَّ عَلَّمَھُمْ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ، وَسَمِعَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ رَجُلاً یُصَلِّیْ فَمَجَّدَ اللہَ وَحَمِدَہٗ وَصَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: اُدْعُ تُجَبْ وَسَلْ تُعْطَ (ترمذی:۳۴۷۶، سنن النسائی:۱۲۸۴)۔الحدیث صحیح

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو اپنی نماز میں دعا مانگتے ہوئے سنا، اس نے اللہ تعالیٰ کی تمجید بیان نہیں کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ نہیں پڑھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے جلدی کی اے نمازی! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طریقہ سمجھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے

سنا۔اس نے اللہ تعالیٰ کی تمجید بیان کی اور اسکی حمد کی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دعا مانگ قبول ہوگی۔سوال کر تجھے عطا ہوگا۔

یادداشت کا علاج

(۷۰)۔عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: اِذَا نَسِیْتُمْ شَیْئاً فَصَلُّوْا عَلَیَّ تَذْکُرُوْہُ اِنْشَاءَ اللّٰہُ (جلاء الافہام صفحہ ۲۱۰،القول البدیع ۲۲۷)۔ضعیف

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں کوئی چیز بھول جائے تو مجھ پر درود پڑھا کرو انشاء اللہ یاد آ جائے گی۔

(۷۱)۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَنْ خَافَ عَلٰی نَفْسِہِ النِّسْیَانَ فَلْیُکْثِرِ الصَّلٰوۃَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ (القول البدیع صفحہ ۲۲۷ و عزاہ الی ابن بشکوال بسند منقطع)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جسے اپنے نسیان کا خوف ہو وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھے۔

درود شریف لکھنے کی فضلیت

(۷۲)۔عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: مَنْ کَتَبَ عَنِّیْ عِلْماً فَکَتَبَ مَعَہٗ صَلَوَاتٍ عَلَیَّ لَمْ تَزَلْ فِیْ آخِرِ قُرِیَٔ ذَالِکَ الْکِتَابُ (القوال البدیع صفحہ ۲۴۸)۔ اخرجہ الدارقطنی و ابن بشکوال من طریقہ و ابن مندی و ابن الجوزی ایضاً

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری طرف سے علم کو تحریر کیا (یعنی حدیث پاک لکھی) اور اس کے ساتھ مجھ پر صلوٰۃ لکھی تو جب تک کتاب پڑھی جاتی رہے گی صلوٰۃ بھی جاری رہے گی۔

(۷۳)۔عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ

صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ کِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِکَۃُ یَسْتَغْفِرُوْنَ لَہٗ مَا دَامَ اسْمِیْ فِیْ ذٰلِکَ الْکِتَابِ (المعجم الاوسط للطبرانی:۱۸۳۵،القول البدیع صفحہ ۲۴۸)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے مجھ پر کتاب میں صلوٰۃ لکھی فرشتے اس وقت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے جب تک میرا نام اس کتاب میں لکھا رہے گا۔

اس طرح کی احادیث کو مدِنظر رکھتے ہوئے علماء نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمِ گرامی کے ساتھ ''ص'' لکھنے یا ''صلعم'' لکھنے سے منع فرمایا ہے اور مکمل درود شریف لکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَ قَدِ اسْتَحَبَّ اَھْلُ الْعِلْمِ اَن یُّکَرِّرَ الْکَاتِبُ الصَّلَاۃَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کُلَّمَا کَتَبَہٗ قَالُوْا وَلَا یَنْبَغِیْ اَن یَّرْمُزَ بِالصَّلَاۃِ کَمَا یَفْعَلُہُ الْکُسَالیٰ وَ الْکَھَلَۃُ وَ عَوَامُ الطَّلَبَۃِ فَیَکْتُبُوْنَ صُوْرَۃً (صلعم) بَدْلاً مِّنْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی اہلِ علم نے پسند فرمایا ہے کہ لکھنے والا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمِ گرامی کو جب بھی لکھے تو صلوٰۃ کو بھی ہر بار لکھے، اور صلوٰۃ شریف کا اشارہ نہ لکھے جیسا کہ سست اور کاہل لوگ اور ناسمجھ طالب علم کرتے ہیں اور وہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ صلعم لکھ دیتے ہیں۔

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ صلعم لکھنا خلافِ اولیٰ اور نامناسب ہے۔ بعض علماء نے اسے حرام قرار دیا ہے لیکن ہمیں اس کی حرمت پر کوئی قطعی دلیل میسر نہیں آئی جس میں حرمت ثابت کرنے کی پاور ہو۔

☆......☆......☆

باب پنجم:

صلوٰۃ وسلام کے صیغے

صیغوں پر کوئی پابندی نہیں

قرآن شریف میں صلوٰۃ وسلام کا مطلق حکم دیا گیا ہے جس کی تعمیل کسی طریقے سے بھی کر دینا جائز ہے۔ البتہ افضل طریقہ وہی ہوگا جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ہو۔ لیکن آپ پڑھ چکے ہیں کہ خود حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درود شریف کے اس قدر کثیر التعداد صیغے منقول ہیں کہ قاری کو اس بات کا شرح صدر ہو جاتا ہے کہ صیغوں کی جائز اختراع کی بالکل اجازت ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا ابن عباس سمیت کثیر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے بھی ایسے صیغے منقول ہیں جو کسی مرفوع حدیث میں بیان نہیں ہوئے۔ اگر نئے صیغے منع ہوتے تو یہ سب اللہ کے پیارے ہرگز یہ کام نہ کرتے۔

امت کے مجددین، محدثین اور فقہاء سے بھی ایسے ایسے صیغے منقول ہیں اور کتابوں میں موجود ہیں جو مرفوع احادیث میں بیان نہیں ہوئے۔ اگر ان صیغوں کو بدعت اور گمراہی کہا جائے تو امت کے ان تمام اساتذہ کو بدعتی اور گمراہ ماننا پڑے گا۔ جن میں حضرت امام شافعی، حضور سیدنا قطب الاقطاب وغوثِ اعظم، حضرت شاہ ولی اللہ علیہم الرحمۃ جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں اور یہ بات بذاتِ خود ایک بدترین بدعت، گمراہی اور لَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا کا مصداق ہوگی۔

حدیث شریف میں دیگر تمام انبیاء علیہم السلام پر بھی صلوٰۃ بھیجنے کا حکم موجود ہے۔ مگر ان پر درود بھیجنے کا طریقہ اور اس کی تفصیل بیان نہیں کی گئی بلکہ اسے امت کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صیغوں پر کوئی پابندی نہیں بلکہ محض حکم کی تعمیل مقصود ہے۔

اسکی تائید میں ہم ایک نہایت سادہ سی بات عرض کرتے ہیں کہ بخاری شریف سے لیکر حدیث کی ہر کتاب میں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی کیساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوتا ہے اور یہ کتابیں شرق سے غرب تک اور عرب سے عجم تک پوری دنیا میں پڑھائی جارہی ہیں۔ حالانکہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اپنی مرفوع حدیث میں بیان نہیں ہوئے۔ یہ کتابیں پڑھنے پڑھانے والا انسان اگر درودِ تنجینا، درودِ تاج اور درود اکسیرِ اعظم اور دلائل الخیرات وغیرہ پر پابندی لگاتا ہے تو اسکے ہاتھ میں انصاف کا کون سا ترازو ہے؟

کتابوں میں مختلف صیغوں کے مختلف فضائل اور برکات مذکور ہیں۔ اگر یہ فضائل کسی حدیث میں ہوں تو وہ حرفِ آخر ہیں۔ باقی رہے مختلف مشائخ وعلماء علیہم الرحمۃ کی طرف سے بیان کیے گئے فضائل! تو غور وخوض کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ ان بزرگوں کا ذاتی تجربہ ہے، جس کو جس درود شریف سے فیض ملا وہ اسی کے گن گاتا ہے، ورنہ ہر درود شریف میں تاثیر ہے کہ اسے صدقِ دل سے متواتر پڑھا جائے تو ڈوبتی کشتی کو کنارہ نصیب ہو۔ اب درود شریف کے مختلف ماثور اور مصنوع صیغے ملاحظہ کیجیے۔

درودِ ابراہیمی کے مختلف صیغے

(۷۴)۔ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَارَسُولَ اللهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ، قَالَ: قُوْلُوا، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (مسلم:۹۰۸، بخاری:۳۳۷۰، ابوداؤد:۹۷۶، ابن ماجہ:۹۰۴)۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال پوچھا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت پر درود کس طرح پڑھا جائے۔ بے شک اللہ نے ہمیں سکھا دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کیسے پڑھنا ہے۔ فرمایا کہو

اے اللہ! محمد اور محمد کی آل پر درود بھیج جیسا کہ تو نے ابراہیم اور ابراہیم کی آل پر درود بھیجا ہے۔ بے شک تو حمد والا بزرگی والا ہے۔ اے اللہ محمد پر اور محمد کی آل پر برکتیں بھیج جس طرح تو نے ابراہیم پر اور ابراہیم کی آل پر برکتیں بھیجی ہیں۔ بے شک تو حمد والا بزرگی والا ہے۔

(۷۵)۔وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّكْتَالَ بِالْمِكْیَالِ الْاَوْفٰی اِذَا صَلّٰی عَلَیْنَا اَهْلِ الْبَیْتِ فَلْیَقُلْ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ ذُرِّیَّتِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (ابوداؤد حدیث:۹۸۲)۔ الحدیث حسن

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو چاہتا ہو کہ اسے پیمانہ بھر بھر کر اجر ملے تو وہ جب ہم اہلِ بیت پر درود پڑھے تو یوں کہے: اے اللہ درود بھیج محمد نبیِ امی پر، ان کی ازواج، امہات المومنین پر، ان کی اولاد پر اور ان کے اہلِ بیت پر جیسا کہ تو نے ابراہیم پر درود بھیجا۔ بے شک تو حمد والا بزرگی والا ہے۔

(۷۶)۔عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ سَئَلَ بَشِیْرُ ابْنُ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: قَدْ اُمِرْنَا اَنْ نُّصَلِّیَ عَلَیْكَ فَكَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْكَ فَصَمَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰی اَحْبَبْنَا اَنَّ الرَّجُلَ لَمْ یَسْأَلْهُ. فَقَالَ: اِذَا اَنْتُمْ صَلَّیْتُمْ عَلَیَّ فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ، وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِیْمَ (مسند احمد: ۱۷۰۰۹، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳۹۶۵، مستدرکِ حاکم: ۱۰۱۶، ابن خزیمہ: ۷۱۱)۔ صحیح

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: ہمیں حکم ملا ہے کہ آپ پر صلوٰۃ پڑھیں تو فرمایئے ہم کیسے آپ پر صلوٰۃ پڑھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہمیں احساس ہوا کہ کاش یہ شخص سوال نہ ہی کرتا۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو یوں کہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ، وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا

صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِیْمَ۔

(۷۷)۔عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فَقَالَ: قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللہِ ھٰذَا السَّلَامُ عَلَیْكَ عَرَفْنَاہُ، فَکَیْفَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْكَ؟ قَالَ: قُوْلُوْا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ، وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ (بخاری:۴۷۹۸،ابویعلی:۱۳۶۴،مسند احمد: ۱۱۳۷۱)۔صحیح

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ پر سلام عرض کرنے کا طریقہ سمجھ لیا ہے، صلوٰۃ پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا: کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ، وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ۔

(۷۸)۔عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ قَالَ: إِذَا تَشَهَّدَ أَحَدُکُمْ فِی الصَّلَاۃِ فَلْیَقُلْ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی إِبْرَاهِیْمَ وَآلِ إِبْرَاهِیْمَ إِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (السنن الکبری للبیہقی:۳۹۶۶(دار الحدیث القاهرة)،مستدرک حاکم:۱۰۱۹)۔صحیح

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھے تو یوں کہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ، کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی إِبْرَاهِیْمَ وَآلِ إِبْرَاهِیْمَ إِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(۷۹)۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسے پسند ہو کہ اسے بھرپور ناپ کے ساتھ اجر دیا جائے تو جب ہم اہل بیت پر درود پڑھے تو کہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَکَاتِكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ وَ اَزْوَاجِہٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ ذُرِّیَّتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ، کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (ابن عدی ۲/ ۴۲۴)۔ضعیف

درودِ مقرب

(۸۰)۔ عَنْ رُوَيْفِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ قَالَ. اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ (مسند احمد: ۱۶۹۹۳، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۲۸۵)۔ حسن

ترجمہ: حضرت رویفع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے محمد پر درود پڑھا اور کہا: اے اللہ! انہیں قیامت کے دن اپنے قریب ترین ٹھکانے پر مقام دے، میری شفاعت اس کے لیے واجب ہو گئی۔

درودِ جزاء

(۸۱)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَالَ: جَزَى اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَّا هُوَ اَهْلُهٗ. اَتْعَبَ سَبْعِيْنَ كَاتِبًا اَلْفَ صَبَاحٍ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱۳۴۷، المعجم الاوسط: ۲۳۵)۔ اسنادہ ضعیف

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے کہا جَزَى اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَّا هُوَ اَهْلُهٗ ہزار دن تک ستر فرشتے اُس کا اجر لکھتے لکھتے تھک جائیں گے۔

درودِ علوی

(۸۲)۔ سلامۃ الکندی فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو یہ صلوٰۃ شریف سکھاتے تھے:

اَللّٰهُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ، وَبَارِءَ الْمَسْمُوْكَاتِ، وَجَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰی فِطْرَتِهَا شَقِيِّهَا وَسَعِيْدِهَا۔ اِجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوٰاتِكَ، وَنَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ، وَرَأْفَةِ تَحَنُّنِكَ، عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ، الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ، وَالْفَاتِحِ لِمَا أُغْلِقَ، وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ، وَالدَّامِغِ جَيْشَاتِ الْأَبَاطِيْلِ، كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ بِأَمْرِكَ

لِطَاعَتِكَ، مُسْتَوْفِزاً فِيْ مَرْضَاتِكَ، غَيْرَ نَكِلٍ فِيْ قَدَمٍ، وَلَا وَهْنٍ فِيْ عَزْمٍ، وَاعِياً لِوَحْيِكَ، حَافِظاً لِّعَهْدِكَ، مَاضِياً عَلىٰ نَفَاذِ أَمْرِكَ، حَتّٰى أَوْرٰى قَبَساً لِّقَابِسٍ، آلَاءُ اللهِ تَصِلُ بِأَهْلِهِ أَسْبَابُهُ، بِهٖ هُدِيَتِ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْإِثْمِ، وَأَقَامَ مُوْضِحَاتِ الْأَعْلَامِ، وَمُنِيْرَاتِ الْإِسْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْأَحْكَامِ، فَهُوَ أَمِيْنُكَ الْمَأْمُوْنُ، وَخَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُوْنِ، وَشَهِيْدُكَ يَوْمَ الدِّيْنِ، وَبَعِيْثُكَ نِعْمَةً، وَ رَسُوْلُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً. اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهٗ مُفْسِحَاتٍ فِيْ عَدْلِكَ، وَاجْزِهٖ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ. مُهَنَّآتٍ لَّهٗ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ، مِنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَعْلُوْلِ، وَجَزِيْلَ عَطَائِكَ الْمَجْعُوْلِ. اَللّٰهُمَّ، أَعْلِ عَلىٰ بِنَآءِ الْبَانِيْنَ بُنْيَانَهٗ وَأَكْرِمْ مَثْوَاهُ لَدَيْكَ وَنُزُلَهٗ. وَأَتْمِمْ لَهٗ نُوْرَهٗ، وَاجْزِهٖ مِنِ ابْتِعَاثِكَ لَهٗ مَقْبُوْلَ الشَّهَادَةِ، مَرْضِيَّ الْمَقَالَةِ، ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ، وَخُطَّةٍ فَصْلٍ، وَحُجَّةٍ وَّبُرْهَانٍ عَظِيْمٍ (المعجم الاوسط للطبرانی:۹۰۸۹،تفسیر ابن کثیر ۳/۶۸۷)۔اسنادہ مرسل صحیح

درودِ ابنِ مسعود

(۸۳)۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھو تو خوبصورت طریقے سے صلوٰۃ پڑھا کرو، تمہیں معلوم نہیں اس صلوٰۃ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہونا ہوتا ہے، لوگوں نے کہا آپ ہمیں سکھائیں تو فرمایا: کہو اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ وَ رَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلىٰ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ. اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَاماً مَّحْمُوْداً يَغْبِطُهٗ بِهِ الْأَوَّلُوْنَ وَالْآخِرُوْنَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلىٰ إِبْرَاهِيْمَ وَعَلىٰ آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلىٰ إِبْرَاهِيْمَ وَعَلىٰ آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (مصنف عبد الرزاق:۳۱۰۹،ابن ماجہ :۹۰۶)۔وفی الزوائد رجالہ ثقات۔

درودِ ابن عباس

(۸۴)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے تھے تو یوں کہتے تھے: اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَۃَ مُحَمَّدِنِ الْکُبْرٰی وَ ارْفَعْ دَرَجَتَہُ الْعُلْیَا وَ اَعْطِہٖ سُؤْلَہٗ فِی الْآخِرَۃِ وَ الْاُوْلٰی کَمَا آتَیْتَ اِبْرَاھِیْمَ وَ مُوْسٰی (مصنف عبد الرزاق : ۳۱۰۴، التوحید لابن خزیمۃ : ۶۱۱، تفسیر ابن کثیر ۳/ ۶۹۴ ، القول البدیع صفحہ ۵۵)۔ واسنادہ جید، قوی صحیح۔

درودِ حسن بصری

(۸۵)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس کا ارادہ ہو کہ حوضِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرا ہوا پیالہ پیے تو وہ یوں کہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَوْلَادِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَ اَصْھَارِہٖ وَ اَنْصَارِہٖ وَ اَشْیَاعِہٖ وَ مُحِبِّیْہٖ وَ اُمَّتِہٖ وَ عَلَیْنَا مَعَھُمْ اَجْمَعِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ (الشفاء ۲/ ۵۷)۔

درودِ امام شافعی

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ درود شریف اپنی کتاب "الرسالۃ" میں لکھا ہے: صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَ غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ۔ حضرت ابو الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی طرف سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کیا بدلہ ملا جب کہ انہوں نے یہ درود شریف آپ کی شان میں لکھا ہے؟ فرمایا: اس کو میری طرف سے یہ اجر ملا کہ اسے حساب کے لیے روکا ہی نہیں گیا جُوْزِیَ عَنِّی اَنَّہٗ لَا یُوْقَفُ لِلْحِسَابِ (احیاء العلوم صفحہ ۳۸۷، القول البدیع صفحہ ۲۵۱)۔

درودِ شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے

مجھے ان الفاظ کے ساتھ درودِ پاک پڑھنے کا حکم دیا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ آلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔ میں نے خواب میں یہ درود شریف حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پسند فرمایا (حرزِ ثمین صفحہ ۱۳)۔

محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا عمل

بعض مشائخ علیہم الرضوان نے درودِ امی کو حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا بہترین ذریعہ بتایا ہے۔ درودِ امی یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ آلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

ہمارے مرشد کریم حضرت قطب الاقطاب پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہٗ کا فرمان ہے کہ تہجد کے وقت بارہ رکعات پڑھی جائیں، پہلی رکعت میں ایک مرتبہ قل ھواللہ شریف، دوسری میں دو مرتبہ قل ھواللہ شریف، تیسری میں تین مرتبہ اور چلتے چلتے بارہویں رکعت میں بارہ مرتبہ قل ھواللہ شریف پڑھا جائے۔ اس کے بعد اپنے سامنے سفید رنگ کی نئی چادر بچھائی جائے اور اس چادر پر گلاب کے پھول رکھے جائیں، اگر پھول میسر نہ ہوں تو نہایت اچھی قسم کی خوشبو چادر پر لگائی جائے، خود چادر سے پیچھے ہٹ کر قبلہ رخ بیٹھ کر گیارہ تسبیح درودِ قدسی پڑھا جائے، یہ خیال رکھا جائے کہ میں نے یہ چادر محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف فرما ہونے کے لیے بچھائی ہے۔ یہ عمل روزانہ کرتا رہے، انشاء اللہ چند ہی دنوں میں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی۔ درودِ قدسی یہ ہے:

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَسَلَّمَ

☆......☆......☆

اَلصَّلٰوةُ الْاُوَيْسِيَّةُ

درود اویسی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَعِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

صَلٰوۃُ تَفْرِیْجٍ

درود تفریجیہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ صَلٰوۃً کَامِلَۃً وَسَلِّمْ سَلَاماً تَاماً عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ تَنْحَلُّ بِہِ الْعُقَدُ وَ تَنْفَرِجُ بِہِ الْکُرَبُ وَ تُقْضٰی بِہِ الْحَوَائِجُ وَ تُنَالُ بِہِ الرَّغَائِبُ وَ حُسْنُ الْخَوَاتِیْمِ وَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ فِیْ کُلِّ لَمْحَۃٍ وَّنَفْسٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

صَلٰوۃٌ عَالِیَۃٌ

درود عالی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْحَبِیْبِ عَالِی الْقَدْرِ عَظِیْمِ الْجَاہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْماً۔

صَلٰوۃٌ تُنْجِیْنَا

درود نجات

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَحْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّأٰتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجٰتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ

اَلْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ۔

مذکورہ بالا درود شریف کا نام درودِ تنجینا ہے۔ تنجینا محض ایک نام ہے جو اس کے اندر استعمال ہونے والے ایک نمایاں لفظ کی وجہ سے شناخت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ شیخِ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ھُوَ کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْعَرْشِ یعنی یہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ غیر مقلد مکتبہ فکر کے معروف پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے شیخِ اکبر قدس سرہ الاقدس کا یہی قول اپنی کتاب الداء والدواء میں نقل کیا ہے۔ ہمارے مرشد کریم قطب الاقطاب حضرت پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہ الاقدس اسے روزانہ صبح کی نماز کے بعد 10 مرتبہ پڑھنے کو فرماتے تھے۔

دلائل الخیرات

درود شریف کا ایک بہترین مجموعہ ''دلائل الخیرات'' ہے۔ اس کتاب کو اپنے مُرشد کی اجازت سے پڑھنا صوفیاء کا طریقہ چلا آ رہا ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر لائقِ تحسین ہے اور اس کے مصنف امام ابو عبداللہ محمد بن سلیمان الجزولی علیہ الرحمہ ہماری دعاؤں اور شکریے کے حقدار ہیں۔ فقیر نے غوثوں، قطبوں کو یہ کتاب پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

درود اکسیر اعظم

مصنفہ سیدنا الغوث الاعظم وقطب الاقطاب الشیخ عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ الاقدس

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَقْبَلُ بِھَا دُعَآئَنَا، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَسْمَعُ بِھَا اسْتِغَاثَتَنَا وَ نِدَآءَ نَا، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُسَلِّمُ بِھَا اِیْمَانَنَا، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُقَوِّیْ بِھَا اِیْقَانَنَا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا

مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَغْفِرُ بِهَا ذُنُوْبَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَسْتُرُ
بِهَا عُيُوْبَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَحْفَظُنَا بِهَا مِنِ
اكْتِسَابِ السَّيِّئَاتِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُوَفِّقُنَا بِهَا
لِعَمَلِ الصّٰلِحٰتِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُفْلِحُ بِهَا عَمَّا
يُرْدِيْنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَكْسِبُ بِهَا مَا يُنْجِيْنَا ،
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُجَنِّبُ بِهَا عَنَّا الشَّرَّ كُلَّهٗ ، اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَمْنَحُنَا بِهَا الْخَيْرَ كُلَّهٗ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى
سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُحَسِّنُ بِهَا اَخْلَاقَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ
نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُصْلِحُ بِهَا اَحْوَالَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ
صَلٰوۃً تَعْصِمُنَا بِهَا عَنِ الْمَعْصِيَةِ وَالْغَوَايَةِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا
مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَرْزُقُنَا بِهَا اِتِّبَاعَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ
نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُبَعِّدُنَا بِهَا مِنِ اقْتِرَانِ الْاٰفَاتِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ
نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَكْلَئُنَا بِهَا عَنِ الزَّلَّاتِ وَالْهَفَوَاتِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا
وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُحَصِّلُ بِهَا اٰمَالَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ
صَلٰوۃً تُخَلِّصُ بِهَا لَكَ اَعْمَالَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً
تَجْعَلُ بِهَا التَّقْوٰى زَادَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَزِيْدُ بِهَا
فِيْ دِيْنِكَ اِجْتِهَادَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَرْزُقُنَا بِهَا
الْاِسْتِقَامَةَ فِيْ طَاعَتِكَ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَمْنَحُنَا
بِهَا الْاُنْسَ بِعِبَادَتِكَ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُحَسِّنُ بِهَا
نِيَّتَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُحَسِّنُ بِهَا اِخْلَاصَنَا ،
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَمْنَحُنَا بِهَا اُمْنِيَّتَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُجِيْرُنَا بِهَا مِنْ شَرِّ الْاِنْسِ وَالْجَآنِّ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُعِيْذُنَا بِهَا مِنْ شَرِّ النَّفْسِ وَالشَّيْطَانِ ، اَللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَحْفَظُنَا بِھَا مِنَ الذِّلَّۃِ وَالْقِلَّۃِ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ
عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُعِیْذُنَا بِھَا مِنَ الْقَسْوَۃِ وَالْغَفْلَۃِ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ
عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَحْفَظُنَا بِھَا عَمَّا یَشْغَلُنَا عَنْكَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُوَفِّقُنَا بِھَا لِمَا تُقَرِّبُنَا مِنْكَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَجْعَلُ بِھَا سَعْیَنَا مَشْکُوْرًا وَّ عَمَلَنَا مَقْبُوْلًا. اَللّٰھُمَّ
صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَمْنَحُنَا بِھَا عِزًّا وَّقَبُوْلًا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَقْطَعُ بِھَا عَمَّنْ سِوَاكَ احْتِیَاجَنَا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُدِیْمُ بِھَا بِنَعْمَآئِكَ ابْتِھَاجَنَا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ بِھَا فِیْ جَمِیْعِ اُمُوْرِنَا وَکِیْلًا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَکُوْنُ بِھَا لِقَضَآءِ حَوَآئِجِنَا کَفِیْلًا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُعِیْذُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْبَلَایَا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَمْنَحُنَا بِھَا جَزِیْلَ الْعَطَایَا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا
وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَرْزُقُنَا بِھَا عَیْشَ الرُّغَدَآءِ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ
نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَمْنَحُنَا بِھَا عَیْشَ السُّعَدَآءِ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا
مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُسَھِّلُ بِھَا عَلَیْنَا جَمِیْعَ الْاُمُوْرِ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا
مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُدِیْمُ بِھَا بَرْدَ الْعَیْشِ وَالسُّرُوْرِ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا
مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُبَارِكُ بِھَا فِیْمَآ اَعْطَیْتَنَا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ
صَلٰوۃً تَمْنَحُنَا بِھَا الرِّضَآءَ بِمَا اٰتَیْتَنَا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ
صَلٰوۃً تُزَکِّیْ بِھَا عَنِ الْھَوٰی نُفُوْسَنَا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ
صَلٰوۃً تُطَھِّرُ بِھَا عَمَّنْ سِوَاكَ قُلُوْبَنَا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ
صَلٰوۃً تُصَغِّرُ بِھَا الدُّنْیَا فِیْ عُیُوْنِنَا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً
تُعَظِّمُ بِھَا جَلَالَكَ فِیْ قُلُوْبِنَا. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً
تُرْضِیْنَا بِھَا بِقَضَآئِكَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُوْزِعُنَا بِھَا

شُكْرَ نَعْمَآئِكَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُصَحِّحُ بِهَا تَوَكُّلَنَا وَ اعْتِمَادَنَا عَلَيْكَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُحَقِّقُ بِهَا وُثُوْقَنَا وَالْتِجَآءَ نَا اِلَيْكَ . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُرْضِيْكَ وَ تُرْضِيْهِ وَ تَرْضٰى بِهَا عَنَّا. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَجْبُرُنَا بِهَا مَا فَاتَ مِنَّا . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُعِيْذُنَا بِهَا مِنَ الْعُجْبِ وَالرِّيَآءِ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَحْفَظُنَا بِهَا مِنَ الْحَسَدِ وَالْكِبْرِيَآءِ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُكَسِّرُ بِهَا شَهْوَاتِنَا. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُجْزِءُ بِهَا عَادَاتِنَا . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَصْرِفُ بِهَا عَنِ الدُّنْيَا وَلَذَّاتِهَا قُلُوْبَنَا . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَجْمَعُ بِهَا فِي الْاِشْتِيَاقِ اِلَيْكَ هُمُوْمَنَا. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُوْحِشُنَا بِهَا عَمَّنْ سِوَاكَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُؤْنِسُنَا بِهَا بِقُرْبِ وَلَآئِكَ . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُقِرُّ بِهَا فِيْ مُنَاجَاتِكَ عُيُوْنَنَا . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُحَسِّنُ بِهَا بِكَ ظُنُوْنَنَا . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَشْرَحُ بِهَا بِمَعْرِفَتِكَ صُدُوْرَنَا . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُدِيْمُ بِهَا فِيْ ذِكْرِكَ وَفِكْرِكَ سُرُوْرَنَا . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَرْفَعُ بِهَا عَنْ قُلُوْبِنَا الْحُجُبَ وَ الْاَسْتَارَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَمْنَحُنَا بِهَا شُهُوْدَكَ فِيْ جَمِيْعِ الْاٰثَارِ . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَقْطَعُ بِهَا حَدِيْثَ نُفُوْسِنَا بِاَعْلَامِكَ . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُبَدِّلُ بِهَا هَوَاجِسَ قُلُوْبِنَا بِاِلْهَامِكَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُفِيْضُ بِهَا عَلَيْنَا جَذَبَاتِكَ . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَشْمِلُنَا بِهَا بِنَفْحَاتِكَ . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُحِلُّنَا بِهَا مَنَازِلَ

السَّارِيْنَ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَرْفَعُ بِهَا مَنْزِلَتَنَا وَ مَكَانَتَنَا لَدَيْكَ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَسْحَقُ بِهَا فِيْ اِرَادَتِكَ اٰمَالَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَمْحَقُ بِهَا فِيْ اَفْعَالِكَ اَفْعَالَنَا، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُفْنِيْ بِهَا فِيْ صِفَاتِكَ صِفَاتِنَا، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَمْحُوْ بِهَا فِيْ ذَاتِكَ ذَوَاتِنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُحَقِّقُ بِهَا اِلَيْكَ لِقَآئَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُدِيْمُ بِهَا بِتَوَاتُرِ اَنْوَارِكَ صَفَآئَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَسْلُكُنَا بِهَا مَسْلَكَ اَوْلِيَآئِكَ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُرْوِيْنَا بِهَا مِنْ شَرَابِ اَصْفِيَآئِكَ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُوْصِلُنَا بِهَا اِلَيْكَ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُدِيْمُ بِهَا حُضُوْرَنَا اِلَيْكَ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُهَوِّنُ بِهَا عَلَيْنَا سَكَرَاتِ الْمَوْتِ وَ غَمَرَاتِهٖ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُجِيْرُنَا بِهَا مِنْ وَّحْشَةِ الْقَبْرِ وَ كُرْبَتِهٖ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَمْلَأُ بِهَا قُبُوْرَنَا بِاَنْوَارِ الرَّحْمَةِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَجْعَلُ بِهَا قُبُوْرَنَا رَوْضَةً مِنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَحْشُرُنَا بِهَا مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَبْعَثُنَا بِهَا مَعَ الشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَمْنَحُنَا بِهَا قُرْبَهٗ وَ شَفَاعَتَهٗ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُفِيْضُ بِهَا عَلَيْنَا بَرَكَاتِهٖ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَحْفَظُنَا بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَشْمَلُنَا يَوْمَ الْجَزَآءِ بِالرَّحْمَةِ وَالْكَرَامَةِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُثَقِّلُ بِهَا مِيْزَانَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُثَبِّتُ

بِهَا عَلَى الصِّرَاطِ اَقْدَامَنَا ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُدْخِلُنَا بِهَا جَنّٰتِ النَّعِيْمِ بِلَاحِسَابٍ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُبِيْحُ لَنَا بِهَا النَّظَرَ اِلٰى وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ مَعَ الْاَحْبَابِ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَنْحَلُنَا بِهَا حُبَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ، اَللّٰهُمَّ نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَ شَفِيْعِ الْاُمَّةِ ، اَللّٰهُمَّ بِحُرْمَتِهٖ عِنْدَكَ وَ بِقَدْرِهٖ لَدَيْكَ نَسْأَلُكَ الْفَوْزَ عِنْدَ الْقَضَآءِ وَ نُزُوْلَ الشُّهَدَآءِ وَ عَيْشَ السُّعَدَآءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَآءِ وَ مُرَافَقَةَ الْاَنْبِيَآءِ وَ نَحْنُ عِبَادُكَ الضُّعَفَآءُ لَانَعْبُدُ سِوَاكَ وَلَا نَطْلُبُ اِذَا مَسَّنَا الضُّرُّ اِلَّا اِيَّاكَ فَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا وَ اَجِبْ دَعْوَاتِنَا وَاقْضِ حَاجَاتِنَا فَاغْفِرْ ذُنُوْبَنَا وَاسْتُرْ عُيُوْبَنَا يَا رَحِيْمُ يَا كَرِيْمُ يَاحَلِيْمُ وَ ارْحَمْنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، وَ بِالْاِجَابَةِ جَدِيْرٌ نِعْمَ النَّصِيْرُ ، يَا عَلِيُّ يَا عَظِيْمُ يَا عَلِيْمُ يَا حَكِيْمُ ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا عَبِيْدُكَ وَ جُنْدٌ مِّنْ جُنُوْدِكَ مُتَعَلِّقُوْنَ بِجَنَابِ نَبِيِّكَ مُتَشَفِّعُوْنَ اِلَيْكَ بِحَبِيْبِكَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ، وَصَلَّى اللهُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَ اِمَامِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ ارْضَ عَنْ اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔

درود شریف پڑھنے کے آداب

خاتم النبیین ﷺ پر صلوٰۃ اور سلام اکٹھے پڑھنا زیادہ مناسب اور مستحب ہے اس لیے کہ صَلُّوْا کے ساتھ ہی سَلِّمُوْا کا حکم موجود ہے۔لیکن صرف صلوٰۃ پڑھنا یا صرف سلام پڑھنا بھی جائز ہے۔اس لیے کہ یہ سب طریقے خود احادیث سے ثابت ہیں۔صرف سلام پڑھنا نماز کے تشہد سے ثابت ہے۔صرف صلوٰۃ پڑھنا حدیثِ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

(٨٦)۔عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: لَا تَجْعَلُوْنِي كَقَدَحِ الرَّاكِبِ، إِنَّ الرَّاكِبَ يَمْلَأُ قَدَحَهٗ فَإِذَا فَرَغَ

وَعَلَّقَ مَعَالِيقَهُ فَإِنْ كَانَ فِيهِ مَاءٌ شَرِبَ حَاجَتَهُ، أَوِ الْوُضُوءَ تَوَضَّأَ، وَإِلَّا أَهْرَقَ الْقَدَحَ فَاجْعَلُونِي فِي أَوَّلِ الدُّعَاءِ وَفِي أَوْسَطِهِ وَلَا تَجْعَلُونِي فِي آخِرِهِ یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے مسافر کے برتن کی طرح مت بناؤ، مسافر اپنا برتن بھر لیتا ہے، جب فارغ ہوتا ہے اور اپنا سامان اٹھالیتا ہے تو اگر اس میں پانی موجود ہو تو پی لیتا ہے یا وضو کر لیتا ہے ورنہ اسے گرا دیتا ہے۔ مجھے اپنی دعا کے شروع میں رکھو اور اسکے درمیان میں رکھو اور (صرف) آخر میں مت رکھو (شعب الایمان للبیہقی: ۱۵۷۸)۔ ضعیف

درود شریف بے وضو پڑھنا بھی جائز ہے۔ مگر باوضو ہو کر پڑھنا صاف ستھرا لباس پہن کر پڑھنا، خوشبو لگا کر پڑھنا، قبلہ رخ، التحیات کی حالت میں بیٹھ کر پڑھنا، صاف ستھری جگہ بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے۔

بعض مشائخ کمرے میں اگربتی سلگانا یا اپنے سامنے مصلے پر گلاب کے پھول رکھ کر درود شریف پڑھنا تجویز فرماتے ہیں۔ اگر درود شریف کے الفاظ کا مطلب بھی سمجھ میں آ رہا ہو تو کیا ہی بات ہے۔ اللہ کریم زیادہ سے زیادہ ادب کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَهَادِيْنَا وَشَفِيْعِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى وَصَلِّ عَلٰى قُوَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى هِمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى عِلْمِهٖ وَصَلِّ عَلٰى حِكْمَتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى مَقَامِهٖ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَعِتْرَتِهٖ وَاُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

☆......☆......☆

بخاری شریف کی آخری حدیث

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ الْاِمَامُ الْبُخَارِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہِ: حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اِشْکَابٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عُمَارَۃَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ، خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ، ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ (بخاری: ۷۵۶۳)۔

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہمیں احمد بن اشکاب نے حدیث بیان کی، انہیں محمد بن فضیل نے، انہیں عمارہ بن قعقاع نے، انہیں زرعہ نے، انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو جملے ایسے ہیں جو رحمن کو پیارے ہیں، زبان پر ہلکے ہیں، ترازو میں وزنی ہیں، وہ دو کلمے یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ یعنی میں اللہ کو ہر عیب سے پاک مانتا ہوں اور اسکی تعریف میں مشغول ہوتا ہوں، پاک ہے اللہ عظمت والا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک اس حدیث کے راوی چار ہیں۔ اَحْمَدُ بْنُ اِشْکَابٍ، مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ، عُمَارَۃَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، اَبُو زُرْعَۃَ علیہم الرحمۃ۔ ان تمام راویوں کا تعلق کوفہ سے ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کوفہ کے بعض متشیع لوگوں سے اور دوسری طرف بعض مروانیوں سے کوئی حدیث روایت کرنا اس لیے تھا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ان کی ثقاہت پر تھی نہ کہ نظریات پر۔ کسی بھی بدعقیدہ شخص کی صرف ایسی روایت قابل قبول نہیں ہوتی جو اسکے غلط عقیدے کی تائید کرتی ہو اور اسے روایت کرنے میں وہ متفرد ہو۔

اس حدیث کے الفاظ اتفاقیہ طور پر مسجع ہو گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً شاعرانہ انداز اختیار نہیں فرمایا جس پر شاعری کا الزام آتا ہو۔

حدیث کے الفاظ کے معانی

کَلِمَتَانِ: یعنی دو کلمے۔ کلام کو کلمہ کہا گیا ہے، یہ اسی طرح ہے کہ جیسے کلمہ اخلاص اور کلمہ شہادت کہا جاتا ہے۔ اِطْلَاقُ کَلِمَۃٍ عَلَی الْکَلَامِ وَھُوَ مِثْلُ کَلِمَۃِ الْاِخْلَاصِ وَ

كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۶۱۳)۔

حَبِيْبَتَانِ: یعنی دو پیارے۔عربی سے عربی ترجمہ ہوگا: مَحْبُوْبَتَانِ اَلرَّحْمٰنِ: یعنی بہت زیادہ رحم کرنے والا۔ یہاں اس لفظ کو اس لیے استعمال فرمایا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو بیان کیا جائے جو تھوڑے عمل پر زیادہ اجر عطا فرماتا ہے خَصَّ لَفْظَ الرَّحْمٰنِ بِالذِّكْرِ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنَ الْحَدِيْثِ بَيَانُ سَعَةِ رَحْمَةِ اللهِ تَعَالٰى عَلٰى عِبَادِهٖ حَيْثُ يُجَازِىْ عَلَى الْعَمَلِ الْقَلِيْلِ بِالثَّوَابِ الْكَثِيْرِ۔

خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ: یعنی زبان پر ہلکے ہیں۔مراد یہ ہے کہ زبان پر ان کا جاری ہونا آسان ہے۔اَلْخِفَّةُ مُسْتَعَارَةٌ لِّلسُّهُوْلَةِ وَ شِبْهُ سَهُوْلَةِ جِرْيَانُهَا عَلَى اللِّسَانِ۔

ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ: یعنی ترازو میں وزنی ہیں۔

سُبْحَانَ اللهِ: یعنی اللہ پاک ہے۔سبحان مصدر ہے جو فعل محذوف کا مفعول مطلق ہونے کیوجہ سے منصوب ہے،کلام کی تقدیر اس طرح ہے: سَبَّحْتُ اللهَ سُبْحَاناً۔لیکن یہ اکثر اور غالب طور پر مضاف کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے یا تو اسم جلی کی طرف جیسے سُبْحَانَ اللهِ یا ضمیر کی طرف جیسے سُبْحَانَهٗ یا اسم موصول کی طرف جیسے سُبْحَانَ الَّذِىْ (فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۲)۔

تسبیح کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا ہر نقص سے پاک ہونا یعنی ہر اس چیز سے پاک ہونا جو اسکی شان کے لائق نہیں،لہٰذا اس سے شریک کی نفی،زوجہ کی نفی،اولاد کی نفی اور تمام کمزوریوں کی نفی خود بخود ہوگئی۔بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ذکر کے تمام الفاظ پر بھی تسبیح کا لفظ بول دیا جاتا ہے۔

اَلتَّسْبِيْحُ هُوَ تَنْزِيْهُ اللهِ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهٖ مِنْ كُلِّ نَقْصٍ، فَيَلْزَمُ نَفْيِ الشَّرِيْكِ وَ الصَّاحِبَةِ وَالْوَلَدِ وَ جَمِيْعِ الرَّذَائِلِ، وَ يُطْلَقُ التَّسْبِيْحُ وَ يُرَادُ بِهٖ جَمِيْعُ اَلْفَاظِ الذِّكْرِ۔

وَبِحَمْدِهٖ: یعنی میں اس کی حمد میں مشغول ہوتا ہوں۔

(۱)۔واؤ یا تو حال کے لیے ہے یعنی اُسَبِّحُ اللهَ مُتَلَبِّساً بِحَمْدِىْ لَهٗ مِنْ اَجَلِ تَوْفِيْقِهٖ۔

(۲)۔یا پھر واؤ عاطفہ ہے یعنی اُسَبِّحُ اللهَ وَ اُلَبِّسُ بِحَمْدِهٖ، یہ عطف جملے کا جملے

پر بھی ممکن ہے یعنی اُسَبِّحُ اللّٰہَ الگ جملہ اور اُثْنِیْ عَلَیْہِ بِحَمْدِہٖ الگ جملہ (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۶۱۴) اب سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کا معنی یہ ہوا: اُنَزِّھُہٗ عَنْ جَمِیْعِ النَّقَائِصِ، وَاَحْمَدُہٗ بِجَمِیْعِ الْکَمَالَاتِ یعنی میں اللہ تعالیٰ کو تمام نقائص سے پاک سمجھتا ہوں اور اس کے تمام کمالات کے ساتھ اس کی حمد کرتا ہوں۔

حدیث کی ترکیب

کَلِمَتَانِ خبر ہے، حَبِیْبَتَانِ سے آخر تک اس خبر کی صفت ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ مبتدا ہے۔

خبر کو مقدم کرنے میں راز یہ ہے کہ سامع کو مبتدا کے سننے کا شوق دلایا جائے۔ نیز خبر کی صفت کو طویل کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ خبر کی صفت جتنی طویل ہوگی اسے مقدم کرنے کا حسن اتنا ہی زیادہ ظاہر ہوگا، اس لیے کہ اوصافِ جمیلہ کی کثرت سامع کے شوق میں اضافہ کرتی ہے (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۶۱۳)۔

حدیث کی شرح

بغیر حساب کے جنتی اور بغیر حساب کے دوزخی

قیامت کے دن سب لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ اللہ کریم فرماتا ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ یعنی ہم قیامت کے دن لوگوں کے لیے انصاف کا ترازو رکھیں گے (الانبیاء: ۴۷)۔

کچھ لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے:

عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ اَلْفاً بِغَیْرِ حِسَابٍ، وُجُوْھُھُمْ کَالْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ، قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ، فَاسْتَزَدْتُ رَبِّیْ فَزَادَنِیْ مَعَ کُلِّ رَجُلٍ سَبْعِیْنَ اَلْفاً (مسند احمد: ۲۳، مسند ابی یعلیٰ: ۱۱۲)۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، انکے چہرے چودہویں رات کے چاند جیسے ہوں گے، انکے دل ایک ہی آدمی کے قلب پر ہوں گے، میں نے اللہ تعالیٰ سے اضافے کی درخواست کی، تو اللہ نے ہر آدمی کیساتھ ستر ہزار کا اضافہ فرمادیا۔

ستر ہزار کو ستر ہزار سے ضرب دیں تو چار ارب، نوے کروڑ بنتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ بغیر حساب کے جہنم میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اسکی ملاقات کا انکار کیا تو ان کے (سب) اعمال مٹ گئے پس ہم قیامت کے دن ان کیلئے کوئی وزن قائم نہ کریں گے (الکہف: ۱۰۵)۔ حدیث پاک میں بھی ہے کہ: لَا يَزِنُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ یعنی اللہ کے ہاں کافر کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا (بخاری: ۴۷۲۹، مسلم: ۷۰۴۵)۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ: اَنَّهٗ مَجَازٌ عَنْ حَقَارَةِ قَدْرِهٖ فَلَا يَلْزَمُ مِنْهُ عَدَمُ الْوَزْنِ یعنی اس سے مجازی طور پر کافر کے اعمال کو حقیر ظاہر کرنا مراد ہے، اس سے وزن کرنے کی نفی لازم نہیں آتی۔ کافروں کے اعمال کا اگر وزن ہو بھی تو اس سے مراد یہ ہے کہ یا تو ایک پلڑے میں انکا کفر ہوگا اور دوسرا پلڑا خالی ہوگا، اسی لیے وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ میں میزان کو خفیف کہا گیا ہے نہ کہ موزون کو۔ یا پھر ایک پلڑے میں ان کا کفر ہوگا اور دوسرے پلڑے میں انکے وہ اعمال ہوں گے کہ اگر انہیں مسلمان عمل میں لاتا تو اسے اجر ملتا۔ مگر جب کفر ان کے مقابلے پر ہوگا تو کفر بھاری ہوگا۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں کہتا ہوں کہ اگر اس کا میزانِ عمل برابر ہوگا تو کفر کی وجہ سے سزا پائے گا، اگر برے اعمال زیادہ ہوں گے تو عذاب میں اضافہ ہوجائے گا، اور اچھے اعمال زیادہ ہوں گے تو کفر کی وجہ سے ملنے والے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی جیسا کہ ابوطالب کا قصہ ہے (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۶۱۱)۔

کچھ لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے اور میزان کے رجحان کے مطابق جنت یا دوزخ میں جائیں گے اور جن لوگوں کے اعمال کا وزن برابر برابر ہوگا وہ اعراف میں رہیں گے۔

ایک جدید فتنہ

آج کل ایک جدید فتنہ یہ اٹھا ہے کہ بعض مسلمان کہلانے والے مغرب کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر کہنے لگے ہیں کہ آخرت میں بخشش کا دارومدار صرف اعمال پر ہوگا، اعمال کی اچھائی اور انسانیت کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وجہ سے کافر بھی بخشا جائے گا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نیوٹن جیسا عظیم سائنسدان جہنم میں جائے اور شیکسپیئر جیسا ادیب جہنم میں جائے؟ مرزا قادیانی جیسا شخص بین الاقوامی مبلغ تھا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ گمراہ ہو؟

لیکن یاد رکھیے! کفر ایسی بلا ہے کہ اس کے مقابلے پر تمام اعمال اکارت ہیں، قرآن میں فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ کی تصریح آپ پڑھ چکے ہیں۔ نیوٹن اور شیکسپیئر کا کفران کی سائنسی اور ادبی خدمات کو برباد کر رہا ہے، مرزا قادیانی کا کفراس کی بین الاقوامی تبلیغ کو تباہ کر رہا ہے، اسی طرح قیامت تک بین الاقوامی مبلغ ہونے اور کفر کا مقابلہ کرنے کا ڈھونگ رچانے والا کوئی بھی شخص اگر کفر کا مرتکب ہوگا تو اس کی یہ ڈرامہ بازیاں اسے کام نہ دیں گی۔

میزان سے کیا مراد ہے؟

وَالْحَقُّ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ اَنَّ الْاَعْمَالَ تُجَسَّدُ اَوْ تُجْعَلُ فِیْ اَجْسَامٍ فَتَصِیْرُ اَعْمَالُ الطَّائِعِیْنَ فِیْ صُوْرَةٍ حَسَنَةٍ ، وَ اَعْمَالُ الْمُسِیْئِیْنَ فِیْ صُوْرَةٍ قَبِیْحَةٍ ثُمَّ تُوْزَنُ یعنی اہلِ سنت کے نزدیک حق یہ ہے کہ اعمال جسمانی شکل میں آ جائیں گے، اور فرمانبرداروں کے اعمال خوبصورت شکل اختیار کریں گے اور گناہگاروں کے اعمال بھدی شکل اختیار کریں گے (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ٦١١)۔

میزان حسی کا ثبوت

(١)۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا؟ قیامت کے دن میزان رکھا جائے گا، ایک آدمی کو لایا جائے گا، ایک پلڑے میں اس کی نیکیاں اور دوسرے پلڑے میں گناہ رکھے جائیں گے، گناہوں کا پلڑا بھاری

ہوگا، اسے جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا، جب وہ جہنم کی طرف چل پڑے گا تو اتنے میں رحمن کریم جل شانہ کی طرف سے ایک چیخنے والا چیخے گا اور کہے گا جلدی نہ کرو، اس کا کچھ بقایا موجود ہے۔ ایک رقعہ لایا جائے گا جس میں لا الہ الا اللہ لکھا ہوگا۔ وہ اس آدمی کی نیکیوں میں رکھ دیا جائے گا حتیٰ کہ نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا (مسند احمد: ۷۰۶۶)۔

(۲)۔ اسی طرح کی ایک حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی موجود ہے۔ امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اسے حسن قرار دیا ہے (ترمذی: ۲۶۳۹، ابن ماجہ: ۴۳۰۰، مسند احمد: ۶۹۹۴)۔

(۳)۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ میرے کئی غلام ہیں جو جھوٹ بھی بولتے ہیں، خیانت بھی کرتے ہیں، نافرمانی بھی کرتے ہیں اور میں انہیں مارتا بھی ہوں اور گالیاں بھی دیتا ہوں، ان کے ساتھ میرا یہ رویہ کیسا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ان کے تجھ سے خیانت کرنے نافرمانی کرنے اور جھوٹ بولنے کا تیرے انہیں سزا دینے کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا، اگر تیری سزا اور ان کے گناہ برابر ہو گئے تو کام برابر ہو جائے گا، نہ لینا نہ دینا، اگر تیری سزا ان کے گناہوں سے کم ہوئی تو تم ان پر بھاری اور فاضل ہو جاؤ گے اور اگر تیری سزا ان کے گناہوں سے زیادہ ہو گئی تو اس زیادتی کے برابر تیرے اعمال میں سے قصاص کاٹ لیا جائے گا۔ وہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رونے لگا اور دھاڑیں مارنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے کیا ہو گیا ہے؟ کیا یہ اللہ کی کتاب نہیں پڑھتا: (وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ) اس آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے اپنی بہتری صرف اسی میں نظر آتی ہے کہ میں اپنے ان تمام غلاموں کو آزاد کر دوں، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب آزاد ہیں مَا اَجِدُ شَيْئاً خَيْراً مِنْ فِرَاقِ هٰؤُلَآءِ يَعْنِيْ عَبِيْدَهُ اِنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ اَحْرَارٌ كُلُّهُمْ (ترمذی: ۳۱۶۵)۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: خَرَّجَ اللَّالَكَائِيُّ اَنَّ صَاحِبَ الْمِيْزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ قَالَ مُجَاهِدٌ وَ قَتَادَةُ وَ الضَّحَّاكُ: ذِكْرُ

الْمِيْزَانِ مَثَلٌ وَ لَيْسَ ثَمَّ مِيْزَانٌ وَ اِنَّمَا هُوَ عَدَلٌ وَالَّذِيْ وَرَدَتْ بِهِ الْاَخْبَارُ وَمَا عَلَيْهِ السَّوَادُ الْاَعْظَمُ، اَلْقَوْلُ الْاَوَّلُ یعنی احادیث اور سوادِ اعظم کے فیصلے کے مطابق طے شدہ بات یہ ہے کہ قیامت کے دن با قاعدہ ترازو رکھا ہوگا اور صاحبِ میزان سیدنا جبریل علیہ السلام ہوں گے (تفسیر قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۸)۔

اعمال کے وزن سے کیا مراد ہے؟

(۱)۔ اعمال جتنے وزنی ہوتے ہیں اتنا ہی آسانی سے اوپر چڑھتے ہیں۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ یعنی اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور وہ نیک اعمال کو اوپر لے جاتا ہے (فاطر:۱۰)۔ معلوم ہوا کہ اعمال کا وزن زمین کی کششِ ثقل کا محتاج نہیں۔ پھر آسمان پر جب وزن ہوگا تو وہاں پر زمین کی کشش کا تو عمل دخل ہی نہیں ہو گا۔ گویا وہاں کے میزان کو زمین کے ترازو پر سو فیصد قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(۲)۔ خیالات اور ارادوں کا وزن......حروف اور الفاظ کا وزن......رقعے اور بطاقے کا وزن......کسی کام و فعل کا وزن......محبت کا وزن......بغض کا وزن......کیا معنی؟ ان تمام چیزوں کو منوں اور سیروں اور چھٹانکوں یا مادی وزن کی کسی بھی طرح کی اکائیوں میں کیسے تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ ذکر شریف کا ایک رقعہ یا درود شریف کا ایک پرچہ ہزاروں من گناہوں سے بھاری کیسے ہو سکتا ہے؟

یہ بات سمجھنا آج کے سائنسی دور میں بالکل مشکل نہیں رہا۔ ہر لفظ، ہر ارادے اور ہر فعل کی اہمیت کو اللہ تعالیٰ کے طے کیے ہوئے قاعدے کے مطابق حسی وزن میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ دیکھیے! جب ہم لاؤڈ سپیکر کے سامنے بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے مائیک ہماری آواز کو بجلی میں تبدیل کرتا ہے۔ غور فرمایئے انسانی آواز کو بجلی کی شکل میں کیسے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اسے کہتے ہیں ساؤنڈ انرجی کو الیکٹریکل انرجی میں تبدیل کرنا۔ اسکے بعد اس بجلی کو ایمپلی فائر کے ذریعے بڑھایا جاتا ہے اس بڑھانے کے عمل کو Amplification کہتے ہیں۔ ایک Step up ٹرانسفارمر اسے بڑھا دیتا ہے اور اس بڑھانے کو ایک Variable Resistor کے ذریعے کم یا زیادہ کیا جا سکتا ہے جسے Volume Control کہتے ہیں۔ اسکے بعد یہ الیکٹریکل انرجی جب سپیکر تک پہنچتی ہے تو سپیکر اسے دوبارہ آواز یعنی ساؤنڈ انرجی میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اسی طرح T.V سٹیشن سے تصویر کو ٹرانسمٹ نہیں کیا جا سکتا بلکہ تصویر کو E.M Waves میں تبدیل کر کے ان Waves کو ٹرانسمٹ کیا جاتا ہے اور T.V کا ریسیور انہیں ری سیو کر کے اپنی CRT کو دیتا ہے۔ جو اسے دوبارہ تصویر میں تبدیل کر کے سکرین پر ڈسپلے کر دیتی ہے۔ اگر انسان آواز کو بجلی بنا سکتا ہے اور بجلی کو آواز بنا سکتا ہے۔ اگر انسان تصویر کو EM.Waves میں تبدیل کر سکتا ہے جن کا باقاعدہ ناپ تول ممکن ہے اور یہ ناپ تول Amplitude کہلاتا ہے اور پھر دوبارہ E.M.W کو تصویر میں تبدیل کر سکتا ہے جس کا کوئی Amplitud e نہیں تو اللہ تعالیٰ جل شانہ جو انسان کا بھی خالق ہے وہ اعمال کو جسم اور وزن کیوں نہیں دے سکتا؟

مزید ایک مثال دیکھیے! موٹر بجلی کے ذریعے سے چلتی ہے اور بجلی کو میکینیکل حرکت میں تبدیل کرتی ہے۔ اسکے برعکس جنریٹر کا کام یہ ہے کہ میکینیکل انرجی کو الیکٹریکل انرجی میں تبدیل کر دیتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ طیبی کے حوالے سے لکھتے ہیں: وَ اَمَّا الثِّقْلُ فَعَلٰی حَقِیْقَتِهٖ لِاَنَّ الْاَعْمَالَ تَتَجَسَّمُ عِنْدَ الْمِیْزَانِ (فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۴)۔ یعنی اعمال کا بھاری پن حقیقی ہوگا، اسلیے کہ تولنے کے وقت اعمال جسمانی صورت اختیار کر لیں گے۔

سبحان اللہ استغفار نہیں، پھر گناہ کیسے مٹاتا ہے؟

اللہ کی بیوی، بیٹیاں، شریک اور جھوٹ بولنا وغیرہ ثابت کرنے والے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ اللهُ تَعَالٰی كَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ وَ شَتَمَنِیْ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَكْذِیْبُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ یُعِیْدَنِیْ كَمَا بَدَاَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهٖ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لِیْ وَلَدٌ وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا (بخاری: ۳۱۹۳، ۴۹۷۴، ۴۹۷۵، نسائی: ۲۰۷۸)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم کے بیٹے نے مجھے جھٹلایا ہے حالانکہ یہ اس کا حق نہ تھا۔ اور اس نے مجھے گالی دی

ہے حالانکہ یہ بھی اس کا حق نہ تھا۔اس کا مجھے جھٹلانا اس طرح ہے کہ کہنے لگا مجھے اللہ پہلی دفعہ پیدا کرنے کی طرح دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری بار زندہ کرنے سے آسان نہیں اور اس نے مجھے گالی اس طرح دی ہے کہ کہنے لگا خدا کا بھی بیٹا ہے۔ حالانکہ میں کسی کو اپنی بیوی بنانے یا بیٹا بنانے سے پاک ہوں۔

جب کہ سبحان اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی ان تمام عیوب اور نقائص سے پاکی بیان کر کے دشمنانِ خدا کا توڑ کیا جاتا ہے اور ان کی طرف سے ایذاء کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اللہ کریم بھی اپنے ایسے بندے کو جواباً ہر عیب اور گناہ سے پاک کر دیتا ہے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (احسان کا بدلہ احسان ہی تو ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ یہ وظیفہ نہایت وزنی ہے اور گناہوں سے پاک کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ: مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ (بخاری: ٦٤٠٥)۔ یعنی جس نے دن میں ١٠٠ مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا اس کے گناہ جھڑ جائیں گے خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

ایک حدیث شریف میں اس طرح بھی ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور اسے وصیت فرمائی، اور اس وصیت میں ایک بات یہ فرمائی کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ ہر چیز کی نماز ہے، اور اسی کی برکت سے مخلوق کو رزق ملتا ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ فَاِنَّهَا صَلٰوةُ كُلِّ شَيْءٍ، وَ بِهَا يُرْزَقُ الْخَلْقُ (مسند احمد: ٦٥٨٣)۔

صوفیاء علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: ہم اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جس طرح بھی تسبیح کریں اور جس طرح بھی شان بیان کریں، ہماری سوچ محدود اور الفاظ ناقص ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہماری بیان کردہ تسبیح و تعریف سے بھی بلند تر اور پاک ہے۔ اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ یعنی تمہارا رب، رب العزت پاک ہے اس صفت سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (الصافات: ١٨٠)۔

☆......☆......☆

باب سوم:

خلفاءِ راشدین اور دیگر اہم شخصیات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مُرُوۡا اَبَا بَکۡرٍ فَلۡیُصَلِّ بِالنَّاسِ یعنی ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے

(بخاری حدیث: ۶۷۸، مسلم ۹۴۸)

امام الامۃ ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

خَیۡرُ النَّاسِ بَعۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ اَبُوۡبَکۡرٍ وَخَیۡرُ النَّاسِ بَعۡدَ اَبِیۡ بَکۡرٍ عُمَرُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابوبکر ہیں اور ابوبکر کے بعد سب سے افضل عمر ہیں

(ابنِ ابی شیبہ: جلد ۸ صفحہ ۵۷۴، مسند احمد: ۸۳۶، ابنِ ماجہ: ۱۰۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صحابہِ کرام کے الگ الگ خصائص

اللہ کریم جل شانہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہِ کرام اور اہلِ بیت اطہار علیہم الرضوان کو مختلف شانیں عطا فرمائی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کے حالات اور کمالات کا مطالعہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔ لیکن جب مختلف صحابہ کا یکبارگی مطالبہ کیا جائے تو صورتِ حال کچھ اس طرح سامنے آتی ہے۔

حضرت زید بن حارثہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡہَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَہَا (الاحزاب:۳۷)۔

اس امت میں سب سے پہلے تیرانداز سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں (بخاری:۴۳۲۶)۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے سعد کے علاوہ کسی کیلئے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ: تیر چلا تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں (بخاری:۲۹۰۵، مسلم:۶۲۳۳)۔

نبی کریم ﷺ مدینہ شریف پہنچے تو فرمایا: کاش میرے صحابہ میں سے کوئی صالح آدمی ہوتا جو رات کو میرا پہرا دیتا، آپ ﷺ نے اسلحہ کی آواز سنی تو پوچھا کون ہے؟ عرض کیا سعد بن ابی وقاص ہوں، آپ کا پہرا دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں، نبی کریم ﷺ سو گئے (بخاری:۲۸۸۵، مسلم:۶۲۳۰)۔

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے غزوہ بیر معونہ میں شہادت پائی، آپ پہلے شہید ہیں کہ اپنے زخم کا خون ہاتھ میں لیکر اپنے چہرے پر ڈالا اور فرمایا: فُزۡتُ وَرَبِّ الۡکَعۡبَۃِ یعنی ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا (بخاری:۴۰۹۲)۔

جنگِ بدر میں عبیدہ بن سعید لوہے کے لباس میں ملبوس ہو کر میدان میں اترا۔ سیدنا زبیر بن عوام نے اسے پچھاڑا اور اس پر سوار ہو گئے اسکی آنکھ میں نیزہ مار کر اسے قتل کر دیا۔ وہ (یادگار) نیزہ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر سے مانگ لیا۔ پھر وہ نیزہ خلفاء راشدین کے پاس اور پھر عبداللہ بن زبیر کے پاس رہا رضی اللہ عنہم (بخاری:۳۹۹۸)۔

حضرت زبیر بن عوام پہلے صحابی ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تلوار اٹھائی (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰)۔ آپ وہ عظیم مجاہد ہیں جن کا ہر عضو جہاد میں زخمی ہوا (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰)۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف آنے والے تیر کو اپنے ہاتھ پر لیا اور انکا وہ ہاتھ ساری زندگی کیلئے شل ہو گیا (بخاری: ۳۷۲۴)۔

جنگِ احد میں جب لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس سے بکھر گئے تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی ایک ڈھال سے نبی کریم ﷺ کا دفاع کر رہے تھے، آپ نہایت زبردست تیر انداز تھے، آپ نے اس دن تین کمانیں توڑ دیں۔ جب کوئی آدمی تیروں کی تھیلی لیکر وہاں سے گزرتا تو نبی کریم ﷺ اسے فرماتے: انہیں ابو طلحہ کے پاس بکھیر دو، جب نبی کریم ﷺ نے سر مبارک اوپر اٹھا کر کفار کی فوج کو دیکھنا چاہا تو عرض کرنے لگے: میرے ماں باپ فدا سر نیچے کریں، دشمن کا کوئی تیر نہ لگ جائے، آپکی گردن پر میری گردن قربان نَحْرِی دُونَ نَحْرِكَ (بخاری: ۴۰۶۴)۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ حنین میں بیس (۲۰) کافروں کو قتل کیا (مستدرکِ حاکم: ۵۵۹۰، اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۱۴)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لشکر میں ابو طلحہ کی آواز ہزار آدمیوں کی آواز سے بہتر (یعنی دشمن کے لیے خوفناک) ہے (مستدرکِ حاکم: ۵۵۸۸)۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کل میں جھنڈا اس کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اسکا رسول اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ تمام صحابہ رات بھر اس امید پر رہے کہ شاید یہ عزت مجھے ملے گی۔ وَ كُلُّهُمْ يَرْجُوا اَنْ يُّعْطٰى لیکن اگلے دن نبی کریم ﷺ نے یہ اعزاز سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دے دیا (بخاری: ۲۹۴۲، مسلم: ۶۲۲۳)۔

اسی طرح جب رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا سالار بنایا تو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی دوسرے کو سالار بنانے کی تجویز دی اس لیے کہ یہ نوجوان ہیں اور ان میں امارت کی اہلیت نہیں ہے۔ مگر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم اس کا والد مجھے سب سے زیادہ پیارا تھا اور یہ اپنے والد کے بعد مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے اِنْ كَانَ لَاَحَبَّ النَّاسِ اِلَیَّ (بخاری: ۳۷۳۰، مسلم: ۶۲۶۵)۔

اسی طرح جب نجران کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ ایک امانت دار آدمی بھیج دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ امین آدمی بھیجوں گا جیسا کہ امین ہونے کا حق ہے لَاَبْعَثَنَّ مَعَكُمْ رَجُلاً اَمِيْناً حَقَّ اَمِيْنٍ۔تمام صحابہ کرام نے امید باندھ لی کہ شاید یہ عزت مجھے ملے گی فَاسْتَشْرَفَ لَهٗ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوعبیداللہ بن جراح کھڑے ہوجاؤ۔جب وہ کھڑے ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: هٰذَا اَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یہ ہے اس امت کا امین (بخاری:۴۳۸۰، مسلم:۶۲۵۴)۔

اسی طرح تمام صحابہ کرام موجود تھے مگر محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کے مصلے پر کھڑا ہو کر نماز پڑھانے کا حکم دیا۔فرمایا: مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: ابوبکر ایک نرم دل آدمی ہیں، جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ام المومنین نے وہی بات دوہرائی تو فرمایا: ابوبکر سے کہہ لوگوں کو نماز پڑھائے، تم یوسف کے زمانے والیاں ہو۔ابوبکر صدیق کے پاس بلانے والا آیا اور آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں لوگوں کو نماز پڑھائی (بخاری:۶۷۸، مسلم:۹۴۸)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھاتے ہوئے سنا تو فرمایا: لَا لَا لَا لِيُصَلِّ لِلنَّاسِ ابْنُ اَبِيْ قُحَافَةَ نہیں نہیں نہیں، ابوبکر کو چاہیے کہ لوگوں کو نماز پڑھائے (ابوداؤد:۴۶۶۱)۔نیز فرمایا: وَيَاْبَى اللّٰهُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ اللہ اور تمام مومنین (یعنی فرشتے) ابوبکر کے سواء ہر کسی کا انکار کر رہے ہیں (مسلم:۶۱۸۱)۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کیلیے ابوبکر صدیق کا انتخاب فرمایا تو میں بھی ادھر ہی موجود تھا غائب نہیں تھا وَاِنِّيْ اُشَاهِدُ وَ مَا اَنَا بِغَائِبٍ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۲)۔

آپ نے دیکھا کہ کبھی تو تمام صحابہ کی موجودگی میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہو رہا ہے، کبھی تمام صحابہ کی موجودگی میں سیدنا اسامہ بن زید کا انتخاب ہو رہا ہے، کبھی تمام صحابہ کی موجودگی میں سیدنا ابوعبیداللہ بن جراح کا انتخاب ہو رہا ہے اور کبھی تمام صحابہ کی موجودگی میں سیدنا

صدیق اکبر کا انتخاب ہو رہا ہے۔ہم نے سب کی اکٹھی شان بیان کردی ہے۔

ایک حدیث شریف میں مختلف صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مختلف شانوں کا تذکرہ اسطرح موجود ہے: اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْ بَکْرٍ، وَ اَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ، وَ اَصْدَقُھُمْ حَیَاءً عُثْمَانُ، وَاَقْضَاھُمْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَ اَقْرَؤُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ، وَاَفْرَضُھُمْ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَ اَعْلَمُھُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، اَلَا وَاِنَّ لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَمِیْناً وَاِنَّ اَمِیْنَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ بْنُ الْجَرَّاحِ (ترمذی:۳۷۹۱،ابن ماجہ:۱۵۴)۔

ترجمہ: میری امت میں سے اس پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہے، اللہ کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمر ہے، سب سے زیادہ حیاء والا عثمان ہے، سب سے بڑا قاضی علی بن ابی طالب ہے، سب سے بڑا قاری ابی بن کعب ہے، سب سے زیادہ میراث کا ماہر زید بن ثابت ہے، حلال اور حرام کا سب سے بڑا عالم معاذ بن جبل ہے، خبردار! ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے۔

اب ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھیے: سیدنا خالد بن ولید واحد سیف اللہ ہیں جنہوں نے ایک جنگ میں نو تلواریں توڑ دیں (بخاری:۴۲۶۵)۔اسلام کی سب سے پہلی شہید خاتون سیدنا عمار بن یاسر کی والدہ سیدہ سُمَیَّہ ہیں (اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۵۴)۔نبی کریم ﷺ کی دو شہزادیوں کا نکاح صرف سیدنا عثمان غنی سے ہوا (ابن ماجہ : ۱۱۰، مستدرک حاکم : ۷۰۱۱)۔نبی کریم ﷺ کی چار شہزادیاں ہیں مگر جنتی عورتوں کی سردار ہونے کا شرف سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے (بخاری: ۳۶۲۴)۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جنتی بوڑھوں کے سردار سیدنا ابوبکر وعمر ہیں (ترمذی: ۳۶۶۶)۔اور فرمایا: جنتی نوجوانوں کے سردار سیدنا حسن وحسین ہیں (ترمذی:۳۷۶۸)۔مواخاتِ مدینہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی قرار دیا (ترمذی: ۳۷۲۰)۔ازواجِ مطہرات میں سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں (بخاری حدیث: ۳۷۷۵)۔نبی کریم ﷺ نے جب وصال فرمایا تو آپ ﷺ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سینہ مبارک پر ٹیک لگائے ہوئے تھے (بخاری:۴۴۴۶)۔نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

کو حِبْرُ الْاُمَّۃِ کا لقب دیا یعنی اس امت کا عالم (مستدرکِ حاکم: ۶۳۹۰)۔ سیدنا حذیفہ رسول اللہ ﷺ کے رازدان ہیں جس راز کو انکے سواء کوئی نہیں جانتا (بخاری: ۳۷۶۱)۔ سیدنا ابوہریرہ کو حافظہ عطا ہوا (بخاری: ۱۱۸)۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود کا لقب صاحب النعلین ہے (بخاری: ۳۷۴۲)۔ سیدنا انس بن مالک خادم الرسول ہیں (بخاری: ۶۲۳۸)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر پار جہاد کرے گا ان پر جنت واجب ہے۔ سمندر پار سب سے پہلے سیدنا امیر معاویہ نے جہاد کیا (بخاری: ۲۹۲۴، ۲۷۸۸)۔

مختلف صحابہ نے مختلف گستاخوں کو قتل کیا، کعب بن اشرف کو سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا (بخاری: ۲۵۱۰، مسلم: ۴۶۶۴)، ابورافع یہودی کو سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے قتل کیا (بخاری: ۳۰۲۲)، ابنِ خطل کو سیدنا سعید بن حریث رضی اللہ عنہ نے قتل کیا جبکہ وہ کعبہ کے پردہ کے ساتھ چمٹا ہوا تھا (ابن ابی شیبہ: ۸/ ۵۳۵، نسائی: ۴۰۶۷)۔

مختلف جنگوں میں مختلف صحابہ نے اسلامی پرچم اٹھایا، غزوۂ موتہ میں سب سے پہلے حضرت زید نے جھنڈا پکڑا اور شہید ہو گئے، پھر حضرت جعفر نے جھنڈا پکڑا اور شہید ہو گئے، پھر ابن رواحہ نے جھنڈا پکڑا اور شہید ہو گئے اور سب سے آخر میں حضرت خالد سیف اللہ نے جھنڈا پکڑا حتیٰ کہ اللہ نے انہیں فتح عطا فرمائی (بخاری حدیث: ۴۲۶۲)، غزوہ تبوک میں پرچم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا (اسد الغابہ ۳/۲۴۱)۔ فتح خیبر کے موقع پر پرچم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، اللہ نے ان کے ہاتھوں فتح نصیب فرمائی (بخاری: ۲۹۴۲، مسلم: ۶۲۲۳)۔ فتح مکہ کے دن انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ اور نبی کریم ﷺ کا جھنڈا حضرت زبیر بن عوام کے ہاتھ میں تھا (بخاری حدیث: ۴۲۸۰)۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

اچھی طرح واضح ہوا کہ گلستانِ مصطفیٰ کے ہر پھول کی الگ رنگت ہے اور الگ خوشبو ہے اور کوئی بھی اپنے محبوب ﷺ کی خصوصی عنایت سے خالی نہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علی (رضی اللہ عنہ) میں اٹھارہ خوبیاں ایسی ہیں کہ ان میں سے صرف ایک بھی انکی آخرت سنوارنے کے لیے کافی تھی۔ جب کہ انکی تیرہ خوبیاں ایسی ہیں جو صرف انہی کے خصائص ہیں اور اس امت میں کسی دوسرے کو یہ اعزاز حاصل نہیں: لَقَدْ كَانَتْ

لَهٗ ثَلَاثَۃَ عَشَرَ مَنْقِبَۃً لَمْ یَکُنْ لِاَحَدٍ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ (طبرانی اوسط:۸۴۳۲)۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ۱۲ شانیں ایسی حاصل ہیں جو اس امت میں کسی کو حاصل نہیں۔

اسی طرح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو چالیس سے زائد شانیں ایسی حاصل ہیں جو اس امت میں کسی کے پاس نہیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ شانیں ایسی حاصل ہیں جو اس امت میں کسی کو حاصل نہیں۔ کئی آیات میں سے صرف تین آیات اور تقریباً ساٹھ (۶۰) احادیث پیشِ خدمت ہیں، ان میں سے بعض آیات اور احادیث میں ضمناً بیشمار خصوصیات موجود ہیں اور خصائص کی مجموعی تعداد اسی (۸۰) سے بھی زیادہ بنتی ہے۔ اپنی آنکھوں سے پڑھیے، دماغ سے سوچیے اور دل میں اتاریے!

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے خصائص

(۱)۔ قرآن آپ کو ثانی اثنین کہتا ہے، فرمایا:

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهٗ عَلَيْهِ

یعنی اگر تم لوگوں نے رسول کی مدد نہ کی تو بے شک اللہ انکی مدد فرما چکا جب کافروں نے رسول اللہ کو بے وطن کیا، اس حال میں کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے صحابی سے فرما رہے تھے غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ نے اس پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی (التوبہ:۴۰)۔

اس آیت کا ایک ایک لفظ صدیقی مناقب اور خصائص سے لبریز ہے: نَصَرَہُ اللّٰہُ میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ذریعے کی گئی مدد کا ذکر ہے، ثَانِیَ اثْنَیْنِ میں خلیل کی خلوت کا عروج، غار کی تنہائی میں إِذْ ھُمَا کا وصل جسے دیکھ کر مفسرین کی قوتِ ممیزہ جواب دے گئی کہ اَحد کون ہے اور ثانی کون ہے، صَاحِبِہٖ کی اضافت میں اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کا عکس، لَا تَحْزَنْ کی حوصلہ افزائیاں اور إِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا میں معیت کی رعنائیاں سمجھنے کے لیے مرتضیٰ کریم رضی اللہ عنہ کی جیسی بصیرت

چاہیے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اِنَّ اللّٰہَ ذَمَّ النَّاسَ کُلَّھُمْ وَمَدَحَ اَبَا بَکْرٍ فَقَالَ اِلَّا تَنْصُرُوْہُ یعنی اللہ تعالیٰ نے اِلَّا تَنْصُرُوْہُ کے الفاظ میں تمام لوگوں کی مذمت کی ہے اور ابوبکر کی مدح کی ہے (ابن عساکر جلد ۳۰ صفحہ ۲۹۱، درِمنثور ۳/ ۴۵۵، روح المعانی جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۳)۔ یہی بات حضرت سیدنا حسن بصری قدس سرہ العزیز بھی فرماتے ہیں: عَاتَبَ اللّٰہُ جَمِیْعَ اَھْلِ الْاَرْضِ غَیْرَ اَبِی بَکْرٍ رضی اللہ عنہ (نوادرالاصول:۱۰۷۶، درِ منثور ۳/ ۴۵۶، روح المعانی جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۳)۔ یہی بات امام شعبی تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے عَاتَبَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اَھْلَ الْاَرْضِ جَمِیْعاً فِیْ ھٰذِہِ الْآیَۃِ غَیْرَ اَبِی بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ رضی اللہ عنہ (بغوی جلد ۲ صفحہ ۲۸۲)۔ یہی بات حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے۔ قَالَ سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَ: خَرَجَ اَبُوْبَکْرٍ بِھٰذِہِ الْآیَۃِ مِنَ الْمُعَاتَبَۃِ الَّتِیْ فِیْ قَوْلِہٖ: اِلَّا تَنْصُرُوْہُ (قرطبی جلد ۸ صفحہ ۱۳۱)۔

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر مہاجرین میں سے ہوگا۔ سیدنا فاروقِ اعظم نے فرمایا: کون ہے جس میں یہ تین خوبیاں ہوں؟ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ یہ دونوں کون ہیں؟ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ یہ دونوں کون ہیں؟ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا یہ دونوں کون ہیں؟ یہ سن کر سب نے حسین وجمیل طریقے سے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی (السنن الکبریٰ للنسائی:۱۱۲۱۹، نوادرالاصول:۱۰۷۷)۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمہ نے لَا تَحْزَنْ کی تفسیر کرتے ہوئے یہ کہہ کر انتہاء کر دی کہ: اَلصِّدِّیْقُ عِنْدَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِمَنْزِلَتِہٖ عِنْدَ رَبِّہٖ جَلَّ شَانُہٗ یعنی ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں وہی مقام ومرتبہ حاصل ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے رب کی بارگاہ میں حاصل ہے (روح المعانی جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۷)۔

(۲)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقیٰ یعنی اور وہ جہنم سے دور رہے گا جو سب سے بڑا متقی ہے (الیل:۱۷)۔ علامہ ابوالحسن واحدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یَعْنِیْ اَبَا بَکْرٍ فِیْ قَوْلِ الْجَمِیْعِ یعنی اتقیٰ سے مراد ابوبکر صدیق ہیں، یہ پوری امت کا قول ہے (التفسیر البسیط ۲۴/ ۸۸)۔

(۳)۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا یعنی تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ لڑی انکا درجہ بہت بلند ہے۔ اسکے بعد خرچ کرنے والے اور جنگ لڑنے والے انکے برابر نہیں ہو سکتے (الحدید ۱۰:۵۷)۔

تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ ایمان والوں کو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت میں صدیقِ اکبر سب سے ٹاپ پر ہیں لَهُ الْحَظُّ الْاَوْفَرُ۔ اور تمام انبیاء کی امتوں میں سے اس پر عمل کرنے میں سید و سردار ہیں۔ انہوں نے اپنا سارا مال اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر دیا (ابنِ کثیر جلد ۴ صفحہ ۴۰۴)۔

(۴)۔سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے (ترمذی: ۳۷۳۴)۔

(۵)۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا دَعَوْتُ اَحَدًا اِلَى الْاِسْلَامِ اِلَّا كَانَتْ لَهُ عَنْهُ كَبْوَةٌ وَ تَرَدُّدٌ وَ نَظَرٌ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ مَا عَتَّمَ حِيْنَ ذَكَرْتُهُ لَهُ، وَمَا تَرَدَّدَ فِيْهِ یعنی میں نے جسکو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے ٹال مٹول، تردد اور تاخیر سے کام لیا سوائے ابو بکر کے، جب میں نے اسکے سامنے اپنی نبوت کا ذکر کیا تو اس نے بلا تاخیر قبول کیا اور تردد نہیں کیا۔ اور ساتھ ہی یہ الفاظ بھی ہیں کہ: فَلَمْ يَفِرَّ وَلَمْ يُنْكِرْ (سیرۃ نبویۃ لابن اسحاق ۱/ ۱۸۳، سیرۃ نبویۃ لابن ہشام ۱/ ۲۵۲، دلائل النبوۃ للبیہقی حدیث: ۴۷۶)۔

(۶)۔حضرت عامر تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: لوگوں میں سب سے پہلے اسلام کون لایا؟ تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے حضرت حسان کا قول نہیں سنا؟

اِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِنْ اَخِيْ ثِقَةٍ ۔۔۔ فَاذْكُرْ اَخَاكَ اَبَا بَكْرٍ بِمَا فَعَلَا
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ اَتْقَاهَا وَ اَعْدَلُهَا ۔۔۔ اِلَّا النَّبِيُّ وَ اَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا
وَالثَّانِيُ التَّالِيُ الْمَحْمُوْدُ مَشْهَدُهُ ۔۔۔ وَاَوَّلُ النَّاسِ مِنْهُمْ صَدَّقَ الرُّسُلَا

(ابن ابی شیبہ ۸/۴۴۸، الاستیعاب صفحہ ۴۳۰، مستدرکِ حاکم: ۴۴۶۹، طبرانی کبیر: ۱۲۳۹۸)۔

ترجمہ: جب تم اربابِ وفا کی داستانِ غم چھیڑو تو اپنے بھائی ابو بکر کو ضرور یاد کرنا، جو کچھ اس نے کر کے دکھایا۔ وہ نبی کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل اور قابلِ اعتماد تھا اور اپنی ذمہ داری کو سب سے زیادہ نبھانے والا تھا۔ وہ دوسرے نمبر پر تھا، نبی کے پیچھے پیچھے تھا، اسکی رسالت کی گواہی بڑی پسندیدہ تھی، رسولوں کی تصدیق کرنیوالے پہلے لوگوں میں سے تھا۔

ان اشعار میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے سات خصائص کا ذکر ہے۔

(۷)۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ: كَانَ اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مَكَانَ الْوَزِيْرِ، فَكَانَ يُشَاوِرُهُ فِيْ جَمِيْعِ اُمُوْرِهٖ، وَكَانَ ثَانِيَهٗ فِي الْاِسْلَامِ، وَكَانَ ثَانِيَهٗ فِي الْغَارِ، وَكَانَ ثَانِيَهٗ فِي الْعَرِيْشِ يَوْمَ بَدْرٍ، وَكَانَ ثَانِيَهٗ فِي الْقَبْرِ، وَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُقَدِّمُ عَلَيْهِ اَحَداً (مستدرکِ حاکم: ۴۴۶۳)۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیق نبی کریم ﷺ کے لیے وزیر کی طرح تھے، حضور آپ سے تمام معاملات میں مشورہ لیتے تھے، وہ اسلام میں آپ کے ثانی تھے، وہ غار میں آپ کے ثانی تھے، وہ بدر کے دن عریش میں آپ کے ثانی تھے، وہ قبر میں آپ کے ثانی ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ کسی کو ان سے آگے نہیں سمجھتے تھے۔

اس ایک حدیث میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے سات خصائص مذکور ہیں۔

(۸)۔ آپ کے چہرے کے جمال کی وجہ سے آپکو عتیق کہا جاتا تھا، نبی کریم ﷺ نے آپ کا نام عتیق رکھا یعنی جہنم سے آزاد (طبرانی کبیر حدیث: ۴ تا ۱۱)۔

(۹)۔ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيّاً رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَحْلِفُ لَلّٰهُ اَنْزَلَ اسْمَ اَبِيْ بَكْرٍ مِنَ السَّمَآءِ الصِّدِّيْقَ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۴، مجمع الزوائد: ۱۴۲۹۵)۔

ترجمہ: حضرت حکیم بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قسم کھا کر فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ نے آسمان سے ابو بکر کا نام "صدیق" نازل فرمایا۔

(۱۰)۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عُرِجَ بِيْ اِلَى السَّمَآءِ فَمَا مَرَرْتُ بِسَمَآءٍ اِلَّا وَجَدْتُّ فِيْهَا اِسْمِيْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ اَبُوْ بَكْرٍ

الصِّدِّيْقُ خَلْفِيْ یعنی مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو میں جس آسمان سے بھی گزرا، ہر آسمان پر اپنا نام محمد رسول اللہ اور اپنے نام کے پیچھے ابوبکر صدیق لکھا ہوا پایا (مسند ابی یعلی: ۶۶۰۰)۔

(۱۱)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کے بعد حضرت جبریلِ امین علیہ السلام سے فرمایا: میری قوم میری تصدیق نہیں کریگی۔ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ ابوبکر صدیق آپکی تصدیق کریں گے بَلٰی یُصَدِّقُكَ اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّیْقُ (فضائل الصحابہ: ۱۱۶)۔

امام قرطبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: وَ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی تَسْمِیَةِ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّیْقَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ صِدِّیْقاً كَمَا اَجْمَعُوْا عَلٰی تَسْمِیَةِ مُحَمَّدٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ رَسُوْلاً، وَاِذَا ثَبَتَ هٰذَا وَ صَحَّ اَنَّهُ الصِّدِّیْقُ وَ اَنَّهُ ثَانِیْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ یَجُزْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ بَعْدَهٗ اَحَدً یعنی ابوبکر صدیق کا نام صدیق ہونے پر تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے جس طرح سیدنا محمد علیہ السلام کے رسول ہونے پر سب کا اجماع ہے، اور جب یہ بات ثابت ہو گئی اور آپ کا صدیق ہونا صحیح ٹھہرا اور آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثانی ہونا صحیح ٹھہرا تو پھر جائز نہیں کہ کوئی حضور کے بعد آپ سے آگے قدم رکھے (تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۲۶۲)۔

(۱۲)۔ بڑے بڑے صحابہ کرام آپکی ترغیب سے ایمان لائے: سیدنا عثمان غنی، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا عثمان بن مظعون، سیدنا ابوعبیدہ بن جراح، سیدنا عبد الرحمن بن عوف، سیدنا ابوسلمۃ اور سیدنا ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم (الریاض النضرۃ: ۱/۹۱)۔

(۱۳)۔ آپ نے بہت سے غلاموں حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت ام عمیس وغیرہم کو خرید کر آزاد کیا (الریاض النضرۃ جلد ا صفحہ ۱۳۳)۔

(۱۴)۔ صاحب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں مگر جسکی صحابیت کا انکار کفر ہے وہ فقط ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اسلیے کہ قرآن میں آپ کو صَاحِبِهٖ کہا گیا ہے۔

(۱۵)۔ اگلی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر مبارک کیساتھ حضرت ابوبکر کی تصویر بھی اسطرح بنی ہوئی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کو پکڑا ہوا تھا۔ اہل کتاب کا عقیدہ تھا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہے (طبرانی اوسط: ۸۲۳۱، طبرانی کبیر: ۱۵۱۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۲۵۸، ۲۵۹، الوفا صفحہ ۵۶، ۵۷، تفسیر ابن کثیر ۲/۳۴۸)۔

(۱۶)۔آپ رضی اللہ عنہ کی چار پشتیں صحابی ہیں: والد گرامی، خود صدیق اکبر، بیٹا اور پوتا رضی اللہ عنہم (المعجم الکبیر حدیث:۱۱)۔

(۱۷)۔مردوں میں نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ محبوب تھے (بخاری:۳۶۶۲)۔

(۱۸)۔آپ رضی اللہ عنہ کو تہبند لٹکا کر باندھنے کی اجازت تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنا تہبند لمبا رکھا اللہ قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ میرے تہبند کی ایک سائیڈ لٹکی رہتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم تکبر کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے (بخاری:۳۶۶۵)۔

(۱۹)۔ابو بکر صدیق کو جنت کے تمام دروازوں سے پکارا جائے گا (بخاری:۱۸۹۷، ۲۸۴۱،۳۲۱۶،۳۶۶۶، مسلم:۲۳۷۱،۲۳۷۲)۔

(۲۰)۔آپ رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے (مستدرکِ حاکم:۴۵۰۰)۔

(۲۱)۔حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا، پھر جب اپنے خطبے سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے ابو بکر کھڑے ہو جاؤ اور خطاب کرو، ابو بکر کھڑے ہو گئے اور خطاب فرمایا اور نبی کریم ﷺ سے مختصر خطاب کیا، پھر جب ابو بکر اپنے خطاب سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر کھڑے ہو جاؤ اور خطاب کرو، عمر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بھی خطاب فرمایا اور نبی کریم ﷺ اور ابو بکر سے مختصر خطاب کیا (مستدرک حاکم ۴۵۵۲)۔فَكَانَ اَوَّلَ خَطِيْبٍ دَعَا اِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۳ وعزاہ الی ابن عساکر) آپ اللہ اور اسکے رسول کی طرف بلانے والے پہلے خطیب تھے۔

(۲۲)۔عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِنَّ اللهَ بَعَثَنِيْ اِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ صَدَقَ وَوَاسَانِيْ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَهَلْ اَنْتُمْ تَارِكُوْلِيْ صَاحِبِيْ (بخاری حدیث:۳۶۶۱، ۴۶۴۰)۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کے پاس بھیجا تو تم سب نے کہا تم جھوٹے ہو اور ابو بکر کہتا رہا وہ سچا ہے اور

اس نے اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعے میری مدد کی۔ کیا تم لوگ ایسا نہیں کر سکتے کہ میرے یار کو میرے لیے رہنے دو؟

(۲۳)۔ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو عَنْ أَشَدِّ مَا صَنَعَ الْمُشْرِكُونَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ أَبِي مُعَيْطٍ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي فَوَضَعَ رِدَاءَهُ فِي عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ بِهِ خَنْقًا شَدِيدًا فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى دَفَعَهُ عَنْهُ فَقَالَ: أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ [غافر :۲۸] (بخاری حدیث: ۳۶۷۸، ۳۸۵۶)۔

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے بڑا ظلم کون سا کیا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ نبی کریم نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط نے آکر اپنی چادر آپ کے گلے میں ڈال کر آپ کا شدت سے گلا دبانا شروع کر دیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور اس کو دھکا دے کر آپ ﷺ سے دور کیا، پھر یہ آیت پڑھی: کیا تم ایک مردِ خدا کو (معاذ اللہ) اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ یقیناً وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے چمکتی ہوئی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔

یہ حدیث دیگر کتب میں تفصیلاً اس طرح مذکور ہے: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ پر مشرکین کی طرف سے سب سے سخت دن کون سا آیا؟ فرمایا: ایک مرتبہ مشرکین مسجدِ حرام میں بیٹھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ یہ ہمارے بتوں کو اسطرح اسطرح کہتے ہیں۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے۔ وہ سب کھڑے ہو کر پوچھنے لگے کہ آپ ہمارے بتوں کے بارے میں اسطرح اسطرح کہتے ہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں؟ وہ سارے کے سارے ٹوٹ پڑے۔ ایک آدمی چیختا ہوا ابوبکر کے پاس پہنچا اور کہا: (یا صدیق اکبر) اپنے صاحب کو پہنچ۔ ابوبکر فوراً نکل گئے اور انہوں نے زلفیں رکھی ہوئی تھیں، آپ مسجد میں داخل ہوئے اور کہے جا رہے تھے: تم لوگوں کا برا ہو، کیا تم اس مردِ خدا کو معاذ اللہ قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے، انہوں

نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیا اور ابوبکر پر حملہ کر دیا۔ ابوبکر جب ہمارے پاس واپس آئے تو آپ اپنی زلفوں میں سے جہاں بھی ہاتھ لگاتے تو بال اکھڑ کر ہاتھ میں آ جاتے تھے، اور آپ فرماتے تھے: تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (مسندِ حمیدی: ۳۲۴، نوادر الاصول: ۱۰۷۹، مسندِ ابی یعلیٰ: ۵۲، حلیۃ الاولیاء جلد ۱ صفحہ ۶۲، ۶۳)۔ اسنادہٗ صحیح

یہی حدیث مستدرک میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: قَالُوْا: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذَا ابْنُ اَبِيْ قُحَافَةَ الْمَجْنُوْنُ یعنی لوگوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ دوسروں نے جواب دیا یہ ابوقحافہ کا بیٹا ہے، (محبوب کا) دیوانہ (مستدرک حاکم: ۴۴۸۰ صَحِيْحٌ وَافَقَهُ الذَّهَبِي)۔

یہ واقعہ صدیقی خصائص سے لبریز ہے، صرف مال ہی نہیں بلکہ جان کی بازی لگا دینے کے علاوہ ایک ایک سطر میں صدیقِ اکبر کی وفاداریاں اپنی انتہاء کو چھو رہی ہیں۔ مزید دیکھیے:

(۲۴)۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ بہادر تھے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابوبکر تمام لوگوں سے زیادہ بہادر ہیں فَهٰذَا اَشْجَعُ النَّاس (مجمع الزوائد: ۱۴۳۳۳)۔

(۲۵)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن جنگِ بدر اور احد میں کافروں کے ساتھ تھے، انہوں نے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو للکارا تو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق کھڑے ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَتِّعْنَا بِنَفْسِكَ یعنی ہمیں اپنی جان سے استفادہ کا موقع دیجیے (الاستیعاب صفحہ ۴۱۱)۔ مَتِّعْنَا بِنَفْسِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ عِنْدِيْ بِمَنْزِلَةِ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ (السیرۃ الحلبیۃ ۲/ ۴۰۴)۔

جب حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر مسلمان ہوئے تو عرض کیا ابا جان: جنگِ بدر میں آپ کئی بار میری تلوار کی زد میں آئے مگر میں نے آپ سے درگزر کیا، حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: اگر تم میرے سامنے آ جاتے تو میں کبھی درگزر نہ کرتا (سیرت حلبیہ ۲/ ۴۰۴)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ نے نبی کریم ﷺ کی شان میں بے ادبی کی تو آپ نے انہیں تھپڑ مار دیا جس سے وہ گر گئے، نبی کریم ﷺ سے عرض کیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آئندہ ایسا مت کرنا، انہوں نے عرض کیا: اللہ کی قسم اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اسے قتل کر دیتا (درمنثور ۶/۲۹۷، سیرت حلبیہ ۲/۴۰۵)۔

(۲۶)۔ ہجرت والی حدیث میں سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے کم از کم سات خصائص موجود ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیقِ اکبر کو اپنے ساتھ ہجرت کے لیے منتخب فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ صبح شام صدیق اکبر کے گھر تشریف لے جاتے تھے، ابن دغنہ نے صدیقی شان میں وہی الفاظ بولے جو سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے پہلی وحی کے نزول کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بولے تھے، صدیقِ اکبر نے دنیائے اسلام کی پہلی مسجد مکہ شریف میں اپنے گھر میں بنائی تھی، صدیقِ اکبر کے قرآن پڑھنے پر کافروں کی عورتیں اور بچے آپ پر پروانہ وار گرتے تھے، صدیقِ اکبر نے اللہ کے ذمے پر بھروسہ کیا اور ابن دغنہ کا ذمہ واپس کر دیا، صدیقِ اکبر نے سواری کیلیے دو اونٹنیاں خریدیں اور انہیں خصوصی غذا کھلاتے رہے (بخاری: ۲۲۹۷، ۳۹۰۵)۔

(۲۶)۔ ہجرت کی رات صدیقِ اکبر کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے چلتے کبھی پیچھے چلتے کبھی دائیں چلتے اور کبھی بائیں چلتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر یہ کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ سامنے سے دشمن کا ڈر لگتا ہے تو آپکے سامنے آ جاتا ہوں، جب آپکے پیچھے سے دشمن کا ڈر لگتا ہے تو پیچھے آ جاتا ہوں، اسی وجہ سے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہوتا ہوں تاکہ آپ کو نقصان نہ پہنچے۔ اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی انگلیوں کے بل چلتے رہے حتیٰ کہ قدمِ نازک چھل گئے، جب ابوبکر نے یہ دیکھا تو آپکو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور دوڑ پڑے حتیٰ کہ غار تک لے آئے اور اتار دیا (الوفا صفحہ ۲۳۷)۔

(۲۷)۔ ہجرت کے موقع پر کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیقِ اکبر کو پکڑنے والے کے لیے انعام مقرر کیا (مستدرک حاکم حدیث: ۴۴۸۱)۔

(۲۸)۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کی سفارش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہ میرا مددگار ہے الخ۔ پھر جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بات کی تو انہوں نے بھی بالکل وہی الفاظ دہرائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائے

تھے کہ: إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَيْسَ يَعْصِي رَبَّهُ وَهُوَ نَاصِرُهُ الخ (بخاری: ۲۷۳۱)۔

(۲۹)۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے ہر کسی کے احسانوں (یعنی خدمت) کا بدلہ دے دیا ہے، سوائے ابوبکر کے (ترمذی حدیث: ۳۶۶۱)۔

(۳۰)۔ آپ رضی اللہ عنہ جان اور مال سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سب سے آگے تھے (بخاری: ۴۶۷)۔

(۳۱)۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی جگہ اپنی جیب سے خریدی (شرح النووی: ۲/۲۰۰)۔

(۳۲)۔ صدیقِ اکبر نے گھر کا سارا سامان رسول اللہ ﷺ پر قربان کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں کسی معاملے میں ابوبکر سے آگے نہیں بڑھ سکتا وَاللهِ لَا أَسْبِقُهُ إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا (ترمذی: ۳۶۷۵، ابوداؤد: ۱۶۷۸)۔

اسی موقع پر صدیقِ اکبر سے نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ تو آپ نے عرض کیا: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللهَ وَرَسُولَهُ یعنی میں ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ کر آیا ہوں (ترمذی: ۳۶۷۵، ابوداؤد: ۱۶۷۸)۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا صوفیانہ جملہ تھا جو صدیقِ اکبر کی زبان پر آیا۔

(۳۳)۔ نبی کریم ﷺ آپ کے مال میں اس طرح تصرف فرماتے تھے جیسے اپنا ذاتی مال ہو (مصنف عبدالرزاق حدیث: ۲۰۳۹۷)۔

(۳۴)۔ بُنِيَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ عَرِيْشٌ، فَكَانَ فِيْهِ وَأَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَا مَعَهُمَا غَيْرُهُمَا یعنی بدر کی جنگ میں نبی کریم ﷺ کے لیے عرشہ تیار کیا گیا، اسی میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، دونوں کے سواء اور کوئی نہیں تھا (دلائل النبوۃ للبیہقی: ۹۴۱)۔

(۳۵)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ بَدْرٍ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ بِيَدِهِ فَقَالَ حَسْبُكَ فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُولُ: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ [القمر: ۴۵] یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر

کے دن یہ دعا فرمائی: اے اللہ! میں تیرے سامنے تیرا میرے ساتھ وعدہ پیش کرتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے (کہ آج مسلمان ناکام ہوں تو پھر آج کے بعد دنیا میں) تیری عبادت نہیں کی جائے گی، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ اتنا کافی ہے (آپ نے دعا فرمانے میں انتہا کر دی ہے)، پھر نبی کریم ﷺ اپنے خیمہ سے باہر نکلے اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: عنقریب کفار کا لشکر شکست کھائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (بخاری: ۳۹۵۳)۔

(۳۶)۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم ہم جب بھی کسی بھلائی کی طرف بڑھے ابوبکر ہم سے آگے نکل گیا (المعجم الاوسط للطبرانی: ۷۱۶۸، مجمع الزوائد: ۱۴۳۳۲)۔

اس حدیث میں صدیقی خصائص کا سمندر موجود ہے۔

(۳۷)۔ فتح مکہ کے موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے والدِ گرامی سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرانے کیلئے لیکر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے خود انکے پاس جانے کا موقع دیا ہوتا، صدیق اکبر نے عرض کیا: یہ انکی ذمہ داری تھی کہ آپ کے پاس آتے، فرمایا: ہمیں انکا لحاظ ہے انکے بیٹے کے احسانوں (خدمات) کی وجہ سے (مجمع الزوائد: ۱۴۳۳۹)۔

(۳۸)۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِنَّ اللهَ يَكْرَهُ اَنْ يُّخَطَّئَ اَبُوْ بَكْرٍ یعنی اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے کہ ابوبکر سے کوئی غلطی ہو (المعجم الاوسط للطبرانی کمافی مجمع الزوائد: ۱۴۳۲۸، کنز العمال جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۰)۔

(۳۹)۔ لَوْ وُزِنَ اِيْمَانُ اَبِيْ بَكْرٍ بِاِيْمَانِ الْعَالَمِيْنَ لَرَجَحَ یعنی اگر ابوبکر کا ایمان تمام جہانوں کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر کا ایمان بھاری ہے (ابن عدی حدیث: ۱۰۱۲، مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ بِاِسْنَادٍ ضَعِيْفٍ، وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ حدیث: ۳۶ مَوْقُوْفاً عَلٰى عُمَرَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ، فضائل الصحابہ: ۶۵۳ بِسَنَدٍ آخر)۔

اس ایک حدیث میں صدیقی خصائص کی انتہاء کر دی گئی ہے۔

(۴۰)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَاٰى رَسُوْلُ

اللہِ ﷺ اَبَا الدَّرْدَاءِ یَمْشِیْ بَیْنَ یَدَیْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ ، فَقَالَ : یَا اَبَا الدَّرْدَاءِ تَمْشِیْ قُدَّامَ رَجُلٍ لَمْ تَطْلَعِ الشَّمْسُ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ عَلٰی رَجُلٍ اَفْضَلَ مِنْهُ (فضائل الصحابہ:۱۳۷، المعجم الاوسط للطبرانی:۷۳۰۶، مجمع الزوائد:۱۴۳۱۳)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے آگے چلتے دیکھا تو فرمایا تم اس شخص کے آگے کیوں چل رہے ہو جس سے بہتر شخص پر نبیوں کے بعد سورج طلوع نہیں ہوا۔

(۴۱)۔بکر بن عبداللہ مزنی تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِنَّ اَبَا بَکْرٍ لَمْ یَفْضُلِ النَّاسَ بِاَنَّہٗ کَانَ اَکْثَرَھُمْ صَلَاۃً وَّصَوْماً ، اِنَّمَا فَضَلَھُمْ بِشَیْءٍ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ یعنی ابو بکر زیادہ نمازوں اور روزوں کی وجہ سے لوگوں سے آگے نہیں نکلے بلکہ اس راز کی وجہ سے آگے نکلے ہیں جو اِنکے سینے میں ہے (فضائل الصحابۃ:۱۱۸، نوادر الاصول:۱۲۶۹)۔ اِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ

(۴۲)۔سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اس امت میں سے اس امت پر سب سے زیادہ مہربان تھے (ترمذی حدیث:۳۷۹۰)۔

(۴۳)۔نبی کریم ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو آپ کی منقبت پڑھنے کا حکم دیا، فرمایا: قُلْ حَتّٰی اَسْمَعَ یعنی سنا میں سننا چاہتا ہوں (مستدرکِ حاکم:۴۴۶۸)۔

(۴۴)۔صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ بن مسعود نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ: آپ کے ساتھی آپ کو چھوڑ جائیں گے، تو سیدنا صدیقِ اکبر نے اس سے فرمایا: اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ، اَنَحْنُ نَفِرُّ عَنْہُ وَنَدَعُہٗ یعنی اپنے بُت لات کا حسبِ عادت جا کر پیشاب پی، کیا ہم آپ ﷺ سے بھاگیں گے اور آپ ﷺ کو چھوڑ دیں گے؟ (بخاری:۲۷۳۱)۔

(۴۵)۔عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا قَالَتْ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ فِیْ مَرَضِہٖ: اُدْعِیْ لِیْ اَبَا بَکْرٍ ، وَ اَخَاكِ ، حَتّٰی اَکْتُبَ کِتَاباً ، فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍّ وَیَقُوْلَ قَائِلٌ: اَنَا اَوْلٰی، وَیَاْبَی اللہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَکْرٍ (مسلم:۶۱۸۱)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں مجھ سے فرمایا: ابوبکر اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلاؤ، تاکہ میں تحریر لکھ دوں، مجھے ڈر

ہے کہ کوئی خواہش کرنے والا خواہش نہ کرے اور کہنے والا کہتا نہ پھرے کہ میں زیادہ حق دار ہوں ،حالانکہ اللہ اور تمام مومنین (یعنی فرشتے) ابوبکر کے سواء ہر کسی کا انکار کررہے ہیں۔

امام احمد نے یہ الفاظ بھی روایت فرمائے ہیں کہ: مَعَاذَ اللہِ اَنْ یَّخْتَلِفَ الْمُؤْمِنُوْنَ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ یعنی اللہ کی پناہ کہ مومنین ابوبکر پر اختلاف کریں (فضائل صحابہ: ۲۲۷)۔

اس حدیث میں کئی خصائص ہیں جن کی قوتِ الفاظ دنیائے اسلام پر بھاری ہے۔

(۴۶)۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف شدید ہوگئی، تو فرمایا: مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ یعنی ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے، حضرت عائشہ نے عرض کیا وہ نرم دل والے آدمی ہیں، جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، فرمایا: ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ام المومنین نے وہی بات دہرائی، تو فرمایا: ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے، تم لوگ یوسف کے زمانے والیاں ہو، پھر قاصد انکے پاس گیا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں لوگوں کو نماز پڑھائی (بخاری: ۶۷۸، مسلم ۹۴۸)۔

(۴۷)۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی قوم کو زیب نہیں دیتا کہ ابوبکر کی موجودگی میں کوئی دوسرا امامت کرائے (ترمذی: ۳۶۷۳)۔

(۴۸)۔آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں سترہ نمازیں پڑھائیں (فتح الباری ۲ / ۱۹۳)۔

(۴۹)۔قرآنِ میں آپکو سب سے بڑا متقی کہا گیا ہے وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی (اللیل: ۱۶)۔

اس آیت سے صدیقِ اکبر کا افضل، اَعرف اور اَعلم ہونا ثابت ہے۔اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جب صدیقِ اکبر اس امت کے سب سے بڑے متقی ہیں تو لازم ہوا کہ آپ ہی اللہ کے سب سے بڑے عارف ہوں (الزلال الانقی صفحہ ۶۸)۔

(۵۰)۔آپ خوابوں کی تعبیر کے سب سے بڑے ماہر تھے (الریاض النضرۃ ۱/ ۵۹)۔

(۵۱)۔آپ علم الانساب کے سب سے بڑے ماہر تھے (مسلم حدیث: ۶۳۹۵)۔

(۵۲)۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت کو حکم دیا کہ ابوبکر سے اپنی نعتیں درست کروائیں (مسلم: ۶۳۹۵)۔

(۵۳)۔آپ نے سب سے پہلے قرآن جمع فرمایا(بخاری حدیث:۴۹۸۶)۔

(۵۴)۔نبی کریم ﷺ نے جس تکلیف میں وصال فرمایا اسی دوران اپنے سر مبارک پر پٹی باندھے ہوئے نکلے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے، اور اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: إِنَّ اللهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللهِ فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقُلْتُ فِي نَفْسِي مَا يُبْكِي هٰذَا الشَّيْخَ إِنْ يَكُنِ اللهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللهِ فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ا هُوَ الْعَبْدَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَا تَبْكِ إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِنْ أُمَّتِي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ . لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ (بخاری:۴۶۶،۴۶۷،مسلم:۶۱۷۰)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو دنیا کے درمیان اور جو اللہ کے پاس ہے اسکے درمیان اختیار دیا پس اس بندے نے اس کو اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہے، سو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے تو حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا: اس بزرگ کو کیا چیز رلا رہی ہے، اگر اللہ نے ایک بندے کو دنیا کے درمیان اور جو اللہ کے پاس ہے اس میں اختیار دیا ہے اور اس بندے نے اس کو اختیار کر لیا ہے جو اللہ کے پاس ہے؟ پس رسول اللہ ﷺ ہی وہ بندے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم مت رو، بے شک لوگوں میں سب سے زیادہ اپنی صحبت اور مال سے میری خدمت کرنے والا ابوبکر ہے اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلام کے اعتبار سے بھائی ہونے کا رشتہ اور دوستی اپنی جگہ قائم ہے، مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہیں رکھا جائے گا مگر اس کو بند کر دیا جائے گا سوائے ابوبکر کے دروازہ کے۔

اس حدیث میں صدیق اکبر کے کئی خصائص مذکور ہیں۔اس حدیث کے پیشِ نظر اور امامت والی حدیث کے پیش نظر علماء نے پوری امت کا اجماع بیان کیا ہے کہ آپ تمام صحابہ میں سب سے بڑے عالم ہیں (ابنِ بطال: ۲/ ۱۱۵، فتح الباری لابن رجب: ۴/ ۱۱۷، الابانہ عن اصول الدیانہ از امام ابوالحسن اشعری صفحہ ۱۰۵، منہاج السنۃ: ۴/ ۲۱۱، فتاویٰ شامی: ۵/ ۵۵۲)۔

یہی ہے وہ خطبہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری خطبہ ہے، جو حجۃ الوداع کے تین ماہ بعد مسجدِ نبوی میں دیا گیا، آخری یادگار خطبے کے طور پر محبت والوں کے لیے زبانی یاد کرنے کے قابل ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (اپنے زمانے میں) تمام انسانوں سے بڑے عالم تھے اِنَّهٗ كَانَ اَعْلَمَ النَّاسِ (مسندِ احمد: ۲۴۴۳۴)۔

(۵۵)۔آپ نے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت سب سے زیادہ جرأت اور استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب قرآن شریف کی آیت مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ تلاوت فرمائی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کی حیرانی دور ہوگئی اور سب کو یقین آ گیا کہ حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال فرما چکے ہیں۔سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسے لگتا تھا جیسے لوگ اس آیت کا مفہوم آج تک نہیں سمجھ سکے تھے۔جب لوگ وہاں سے رخصت ہوئے تو ہر ایک کی زبان پر یہی آیت تھی وَاللهِ لَكَاَنَّ النَّاسَ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللهَ اَنْزَلَهَا حَتّٰى تَلَاهَا اَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ الخ (بخاری: ۱۲۴۱، ۱۲۴۲)۔

(۵۶)۔صحابہ کرام میں اختلاف ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے، اس بارے میں کسی کے پاس کوئی علم نہیں تھا، مگر صدیقِ اکبر نے بتایا کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی جہاں وفات پاتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں (قرطبی جلد ۴ صفحہ ۲۲۰، ابن ماجہ: ۱۶۲۸)۔

علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ: وَكَانَ مَعَ ذٰلِكَ اَعْلَمَهُمْ بِالسُّنَّةِ ، كَمَا رَجَعَ اِلَيْهِ الصَّحَابَةُ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعٍ يَبْرُزُ عَلَيْهِمْ بِنَقْلِ سُنَنٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْفَظُهَا هُوَ وَيَسْتَحْضِرُهَا عِنْدَ الْحَاجَةِ اِلَيْهَا لَيْسَتْ عِنْدَهُمْ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ سنت کے عالم تھے، جیسا کہ صحابہ نے ایک سے زیادہ مرتبہ آپکی طرف رجوع کیا اور آپ ضرورت کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث لے کر سامنے آئے، جو انہیں حفظ تھی اور دماغ میں حاضر تھی، اور وہ باقی صحابہ کے پاس نہیں تھی (تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۵)۔

(۵۷)۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت سے فرمایا کہ اگر آئندہ آؤ اور مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر سے مل لینا (بخاری: ۷۲۲۰، مسلم: ۶۱۷۹)۔

(۵۸)۔آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

لوگوں سے کئے ہوئے وعدے پورے کیے: مَنْ کَانَ لَہٗ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ دَیْنٌ اَوْ عِدَۃٌ فَلْیَاْتِنَا (بخاری:۳۱۳۷)۔

(۵۹)۔مرتدین اور منکرینِ ختمِ نبوت کا مقابلہ کیا (بخاری:۱۳۹۹،۱۴۰۰)۔

(۶۰)۔سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال شریف کے بعد مرتدین نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَاللّٰہِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ یعنی جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق سمجھا اللہ کی قسم میں اس کے خلاف جنگ کروں گا۔باقی صحابہ کرام علیہم الرضوان اس بات کو سمجھ نہ سکے۔پھر بحث مباحثے کے بعد ان پر واضح ہو گیا کہ صدیقِ اکبر حق پر ہیں۔لہٰذا سب نے صدیقِ اکبر کی بات کی طرف رجوع فرمایا۔قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: فَوَ اللّٰہِ مَا ھُوَ اِلَّا اَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، فَعَرَفْتُ اَنَّہُ الْحَقُّ (بخاری حدیث رقم:۱۳۹۹، مسلم حدیث:۱۲۴)۔

(۶۱)۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ ناپسند کرتا ہے کہ ابوبکر سے خطا ہو (مجمع الزوائد:۱۴۳۲۸)۔

(۶۲)۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات، صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب بنی، آپ کا جسم گھٹتا گیا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی مَا زَالَ جِسْمُہٗ یَجْرِیْ حَتّٰی مَاتَ (مستدرکِ حاکم:۴۴۶۵)، اسی دوران غار والے سانپ کا زہر بھی عود کر آیا ثُمَّ انْتَقَضَ عَلَیْہِ وَکَانَ سَبَبَ مَوْتِہٖ (مشکوٰۃ:۶۰۳۴)۔

(۶۳)۔قرآن وسنت میں سب سے زیادہ تفضیل کے صیغے آپ کے لیے استعمال ہوئے ہیں مثلاً: اَعْظَمُ دَرَجَۃً (الحدید:۱۰)، اَلْاَتْقٰی (الیل:۱۷)، اَفْضَلُ الْاُمَّۃِ (ابوداؤد:۴۶۲۸)، خَیْرُ الصَّحَابَۃِ (بخاری:۳۶۶۸)، اَعْلَمُ (بخاری:۴۶۶)، اَرْحَمُ (ترمذی:۳۷۹۰)، اَمَنُّ النَّاسِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ (بخاری:۴۶۶)، اَحَقُّ بِالْاِمَامَۃِ (مستدرکِ حاکم:۴۴۷۸)، اَشْجَعُ (مجمع الزوائد:۱۴۳۳۳)۔ان میں سے ہر صیغہ آپ کی خصوصیت ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: اَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا وَخَیْرُنَا وَاَحَبُّنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر ہمارے آقا و سردار تھے اور

ہم سب سے بہتر تھے اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیارے تھے (بخاری: ۳۶۶۸ ،ترمذی: ۳۶۵۶، مستدرک: ۴۴۲۷)۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم مجھے اپنی گردن کٹوا دینا منظور ہے مگر میں اس قوم کا امیر نہیں بن سکتا جس میں ابوبکر موجود ہو (بخاری: ۶۸۳۰)۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیقِ اکبر کے سر پہ بوسہ دیا اور فرمایا: اَنَا فِدَاءُ كَ ، وَلَوْلَا اَنْتَ لَهَلَكْنَا یعنی میں قربان جاؤں، اگر آپ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے (الریاض النضرۃ جلد ا صفحہ ۱۴۸)۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول سب سے زیادہ مناقب وخصائص آپ ہی کے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَاللهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ ، لَوْلَا اَنَّ اَبَابَكْرٍ اُسْتُخْلِفَ مَا عُبِدَ اللهُ یعنی اللہ کی قسم جس کے سواء کوئی معبود نہیں، اگر ابوبکر خلیفہ نہ بنائے جاتے تو اللہ کی عبادت نہ کی جاتی (الریاض النصرۃ جلد ا صفحہ ۱۴۸)۔

ابھی ہم نے صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کے اکٹھے خصائص کا ذکر نہیں کیا جن میں اس امت کا کوئی تیسرا فرد شامل نہیں۔ خلفاء ثلاثہ کے خصائص جن میں کوئی چوتھا شامل نہیں ،اور خلفاء اربعہ کے خصائص جن میں کوئی پانچواں شامل نہیں، مگر ابوبکر صدیق ہر جگہ شامل ہیں۔ اگر مناقب شمار کرتے وقت اس نکتے کو ذہن میں رکھیں گے تو انشاءاللہ چشمِ تحقیق روشن ہو جائے گی۔

اے عزیز! خصائصِ صدیق نمبر دیکر لکھتے ہوئے نمبروں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا، صرف بخاری شریف میں ہی آپ کے ''خصائص'' کی تعداد بیس (۲۰) سے زیادہ ہے، یہ تو صرف خصائص کی بات ہے جبکہ سیدنا صدیقِ اکبر کے مناقب گننے سے علماء عاجز آ چکے ہیں۔

امام نووی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں: كَمْ لِلصِّدِّيْقِ مِنْ مَوَاقِفَ وَاٰثَرٍ وَمَنْ يُّحْصِيْ مَنَاقِبَهٗ وَيُحِيْطُ بِفَضَائِلِهٖ غَيْرُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ یعنی صدیق کے کتنے ہی مراتب ہیں اور آپ نے کتنی ہی یادیں چھوڑی ہیں، ان کے مناقب کا شمار اور فضائل کا احاطہ اللہ عزوجل کے سواء کون کرسکتا ہے؟ (تہذیب الاسماء واللغات جلد ۲ صفحہ ۴۷)۔

کتاب اسنی المطالب میں شانِ صدیقِ اکبر

امام شمس الدین محمد بن الجزری رحمہ اللہ متوفیٰ ۸۳۳ ھ نے خوارج کا مقابلہ کرنے کے لیے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مناقب پر کتاب اسنی المطالب فی مناقبِ علی بن ابی طالب تحریر فرمائی، اللہ کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ لیکن اسی کتاب میں شانِ صدیقِ اکبر اور افضلیتِ صدیقِ اکبر پر بھی اس قدر احادیث لے آئے کہ حیران کر دیا، تا کہ کوئی شخص مناقبِ مرتضیٰ کریم کی آڑ میں غلط فائدہ نہ اٹھائے اور افضلیتِ شیخین کے انکار کا دروازہ نہ کھلے۔

امام جزری نے اسنی المطالب میں پچانوے (۹۵) احادیث اور اقوال بیان فرمائے ہیں، لیکن کسی صاحب نے اس کی اردو شرح کے بہانے ۹۵ میں سے صرف "۴۵" احادیث واقوال کی شرح کی ہے جس میں پوری امت اور خود امام جزری کے عقیدے سے بھی اختلاف کیا ہے۔ ہم نے اصل کتاب اسنی المطالب دیکھی تو واضح ہوا کہ ان (۴۵) احادیث واقوال کے اندر بھی اور ان سے آگے مزید افضلیتِ صدیقِ اکبر اور ردِ باطل پر واضح احادیث آرہی تھیں۔ کتاب اسنی المطالب میں ردِ باطل پر احادیث اور شانِ صدیقِ اکبر پر احادیث ملاحظہ کریں:

(۱)۔ امام جزری بخاری شریف کے حوالے سے حدیث لکھتے ہیں: اَمَرَ فِيْ مَرَضِ مَوتِهٖ بِسَدِّ الْاَبْوَابِ اِلَّا بَابَ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ یعنی نبی کریم ﷺ نے وفات شریف کی تکلیف میں تمام دروازے بند کر دینے کا حکم دیا سوائے ابو بکر کے دروازے کے (اسنی المطالب حدیث نمبر ۲۰)۔

کتاب کے مؤلف امام جزری خود اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ حکم صدیقی خلافت اور امامت کے پیشِ نظر تھا (اسنی المطالب صفحہ ۲۴)۔

(۲)۔ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب اسنی المطالب صفحہ ۳۶ پر عنوان باندھا ہے کہ:

مُبَايَعَةُ عَلِيٍّ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ

یعنی سیدنا علی کا سیدنا ابوبکر وعمر کی بیعت کرنا

اس عنوان کے تحت حدیث لکھتے ہیں کہ: مُرُوْا اَبَا بَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ یعنی ابو

بکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے (اسنی المطالب حدیث:۳۹)۔

اسی مقام پر سیدنا مرتضیٰ کریم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے خوب غور کیا، پس جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا ہم نے اسے اپنی دنیا کے لیے بھی پسند کر لیا (اسنی المطالب حدیث نمبر ۳۹)۔

(۴)۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ رَجُلٍ یُصِیبُ ذَنْباً فَیَتَوَضَّأُ ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ وَیَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اِلَّا غُفِرَ لَہٗ یعنی جب بھی کوئی بندہ گناہ کر بیٹھے تو وضو کر کے دو رکعتیں پڑھے اور اللہ سے استغفار کرے تو اللہ اسے ضرور بخش دے گا (اسنی المطالب حدیث نمبر ۴۸)۔

اس حدیث میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے پہنچ رہی ہے اور اس میں یہی شان صدیق اکبر واضح کی گئی ہے۔

امام جزری لکھتے ہیں کہ: میری سند سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ تک جاتی ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پھر ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی صحبت میں رہے، یہ سند سب سے اعلیٰ اور مضبوط ہے (اسنی المطالب صفحہ ۸۳)۔

(۵)۔حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں لوگوں میں کھڑا تھا، لوگ عمر بن خطاب کیلیے اللہ سے دعا کر رہے تھے اور آپ کو اپنی چارپائی پر رکھا گیا تھا، ایک آدمی میرے پیچھے تھا جس نے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھی ہوئی تھی، وہ کہہ رہا تھا: اللہ تجھ پر رحمت فرمائے، مجھے یقین تھا کہ اللہ تجھے تیرے دونوں یاروں سے ملا دے گا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کثرت سے فرماتے ہوئے سنا کرتا تھا کہ: میں اور ابوبکر اور عمر تھے، میں اور ابوبکر اور عمر نے ایسا کیا، میں اور ابوبکر اور عمر گئے، مجھے یقین تھا کہ اللہ تجھے ان دونوں سے ملا دے گا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی بن ابی طالب تھے (اسنی المطالب حدیث نمبر ۶۵)۔

(۶)۔امام جزری صفحہ ۶۴ پر عنوان قائم کرتے ہیں:

اَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ

پھر حدیث لکھتے ہیں: یَا عَلِیُّ ھٰذَانِ سَیِّدَا النَّاسِ لِکُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ

وَشَبَابِهَا بَعۡدَ النَّبِیّٖنَ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ یعنی اے علی ابوبکر اور عمر دونوں نبیوں اور رسولوں کے بعد تمام انسانوں کے سردار ہیں اہلِ جنت کے بوڑھے ہوں یا جوان ہوں (اسنی المطالب حدیث:٦٩)۔

اس حدیث میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو نبیوں کے بعد پوری انسانیت کے سردار سَیِّدَا النَّاس قرار دیا گیا ہے، جنتی بوڑھوں کے سردار اور پھر جنتی نوجوانوں کے بھی سردار کہا گیا ہے، اور حاشیے میں طارق طنطاوی کہتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے۔

(٧)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں ایک قوم نکلے گی انہیں رافضی کہا جائے گا، وہ اسلام سے نکل چکے ہوں گے (اسنی المطالب حدیث نمبر:٧٠)۔

ایک حدیث اس طرح بھی ہے کہ: یَنۡتَحِلُوۡنَ حُبَّ اَهۡلِ الۡبَیۡتِ یعنی یہ لوگ اہلِ بیت کی محبت کا بہانہ کریں گے (طبرانی کبیر حدیث نمبر ١٢٨٢٢)۔

(٨)۔ امام جزری نے صفحہ ٧٢ پر باقاعدہ عنوان قائم کردیا کہ:

اَلۡمَسۡحُ عَلَی الۡخُفَّیۡنِ
یعنی موزوں پر مسح

یہاں حدیث لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسافر تین دن اور تین راتیں، مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کرے (اسنی المطالب حدیث نمبر ٨١)۔

اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد اس قاعدے کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ: اہلِ سنت کی علامت یہ ہے کہ ابوبکر و عمر کو افضل جانو، عثمان اور علی سے محبت کرو اور موزوں پر مسح جائز سمجھو (شرح عقائد نسفی صفحہ ١٥٠، تکمیل الایمان صفحہ ٧٨، فتاویٰ رضویہ جلد ٩ صفحہ ٦١)۔

(٩)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے حوض کے چار کونے ہیں، ایک ابوبکر کے ہاتھ میں ہوگا، دوسرا عمر کے ہاتھ میں، تیسرا عثمان کے ہاتھ میں اور چوتھا علی کے ہاتھ میں۔ جو ابوبکر سے محبت کرتا ہوگا اور عمر سے بغض رکھتا ہوگا ابوبکر اسے نہیں پلائے گا، جو عمر سے محبت رکھتا ہوگا اور ابوبکر سے بغض رکھتا ہوگا عمر اسے نہیں پلائے گا۔ جو عثمان سے محبت کرتا ہوگا اور علی سے بغض رکھتا ہوگا عثمان اسے نہیں پلائے گا۔ جو علی سے محبت کرتا ہوگا اور عثمان سے بغض رکھتا ہوگا علی اسے نہیں پلائے گا۔ اور جس نے ابوبکر کے بارے میں اچھی بات کی اس نے دین کو قائم کیا، جس نے عمر کے بارے میں

اچھی بات کی اس نے حق واضح کیا، جس نے عثمان کے بارے میں اچھی بات کی وہ اللہ کے نور سے چمک اٹھا، جس نے علی کے بارے میں اچھی بات کی اس نے مضبوط رسی کو پکڑا جو ٹوٹ نہیں سکتی، جس نے میرے سارے صحابہ کے بارے میں اچھی بات کی وہ مومن ہے (اسنیٰ المطالب صفحہ ۸۸)۔

اس حدیث کو ذرا غور سے پڑھیں، اس میں چار یارِ مصطفی کا ذکر موجود ہے، شیخین کی جوڑی الگ اور ختنین کی جوڑی الگ بیان ہوئی ہے، پھر تمام صحابہ کا ذکر بھی موجود ہے۔

(۱۰)۔ امام جزری علیہ الرحمہ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت میں افراط وتفریط کرنے والوں کے بارے میں بھی حدیث بیان کردی کہ: اے علی آپ کی مثال عیسیٰ جیسی ہے۔ ان سے یہودیوں نے بغض رکھا حتیٰ کہ ان کی ماں پر الزام لگا دیا اور ان سے عیسائیوں نے محبت کی اور ان کو اس مقام پر مانا جس کے وہ حق دار نہیں تھے۔ پھر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے بارے میں دو طرح کے آدمی ہلاک ہو جائیں گے۔ حد سے زیادہ محبت کرنے والا جو میری شان اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کرے گا جس کا میں حق دار نہیں ہوں اور مجھ سے بغض رکھنے والا جسے میرا بغض مجبور کرے گا کہ مجھ پر الزام لگائے (اسنیٰ المطالب حدیث نمبر ۲۸)۔

محبت میں یہی زیادتی بگاڑ پیدا کرتی ہے اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس سے دیگر مقامات پر بھی منع فرمایا ہے، فرمایا: اَللّٰھُمَّ الْعَنْ کُلَّ مُبْغِضٍ لَنَا وَ کُلَّ مُحِبٍّ لَنَا غَالٍ یعنی اے اللہ ہم سے بغض رکھنے والے ہر شخص پر لعنت بھیج اور ہم سے محبت میں غلو کرنے والے پر بھی لعنت بھیج (ابن ابی شیبہ جلد ۷ صفحہ ۵۰۷)۔ اسی محبت کا بہانہ کرنے والوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یَنْتَحِلُوْنَ حُبَّ اَھْلِ الْبَیْتِ (طبرانی کبیر حدیث نمبر ۱۲۸۲۲)۔ ایسی محبت کو علماء نے بدعت اور فسق لکھا ہے۔ علامہ ابوشکور سالمی رحمت اللہ علیہ اَلْقَوْلُ فِی الرَّافِضَۃِ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: مِنْھُمْ مَنْ قَالَ بِاَنَّ عَلِیًّا کَانَ اَعْلَمَ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَمِنْھُمْ مَنْ قَالَ بِاَنَّ حُبَّ عَلِیٍّ وَاَھْلِ الْبَیْتِ اَوْلٰی وَاَحَقُّ، وَھٰذَا کُلُّہٗ بِدْعَۃٌ وَفِسْقٌ یعنی ان میں سے بعض نے کہا کہ علی زیادہ علم والے ہیں ابوبکر، عمر اور عثمان سے، ان میں سے بعض نے کہا کہ علی اور اہل بیت محبت کے زیادہ حقدار ہیں، یہ سب نظریات بدعت اور فسق ہیں (التمہید ابوشکور سالمی صفحہ ۱۸۲)، زائد محبت والے کو سیدنا علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ کوڑے مارتے تھے (حلیۃ الاولیاء ۶/ ۴۹۲)۔

یہ صرف زائد محبت کی سزا ہے جبکہ اَسی (۸۰) کوڑوں والا فرمان الگ ہے۔ واضح ہوا کہ محبت کا شریعت کے تابع ہونا ضروری ہے، نہ کہ ذاتی جذبات کے تابع۔ حدیث شریف میں ہے کہ: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبْعاً لِّمَا جِئْتُ بِہٖ یعنی تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اسکی خواہشات میری شریعت کے تابع نہ ہوں (شرح السنۃ للبغوی: ۱۰۴)۔ مزید وضاحت دیکھیے:

(۱۱)۔ کتاب کے آخر میں صفحہ ۸۹ پر امام جزری یہ عنوان قائم کرتے ہیں کہ:

مَنْ اَحَبَّ اَبَا بَکْرٍ وَ عُمَرَ فَقَدْ اَحَبَّ عَلِیًّا

یعنی جس نے ابوبکر اور عمر سے محبت کی اسی نے علی سے محبت کی

اس سرخی نے اسنی المطالب کی ہر حدیث کے ساتھ ابوبکر وعمر کو شامل کر دیا، اور بتا دیا کہ جہاں حبِ سیدنا علی کریم کی بات ہوگی وہاں شیخین کریمین پہلے ہوں گے۔ اس عنوان کے تحت چار اشعار بھی لکھے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ امام جزری رحمہ اللہ نے انہی شعروں پر کتاب ختم کردی ہے، وہ اشعار یہ ہیں:

اَشْھَدُ بِاللّٰہِ وَ آیَاتِہٖ　　شَھَادَۃً اَرْجُو بِھَا عِتْقِی
اَنَّ اَبَا بَکْرٍ وَ مَنْ بَعْدَہٗ　　ثَلَاثَۃٌ اَئِمَّۃُ الصِّدْقِ
اَرْبَعَۃٌ بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ ھُمْ　　بِغَیْرِ شَكٍّ اَفْضَلُ الْخَلْقِ
مَنْ لَّمْ یَکُنْ مَذْھَبُہٗ ھٰکَذَا　　فَاِنَّہٗ زَاغَ عَنِ الْحَقِّ

ترجمہ: میں اللہ کی اور اس کی آیات کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں، ایسی گواہی جس سے مجھے اپنے جہنم سے چھٹکارے کی امید ہے، کہ ابوبکر اور اس کے بعد والے تینوں سچے امام ہیں۔ یہ چاروں نبیوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں، جس کا یہ مذہب نہ ہو وہ حق سے ہٹا ہوا شخص ہے (اسنی المطالب آخری صفحہ)۔

☆......☆......☆

شانِ صدیق سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی

(۱)۔عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ: قُلْتُ لِاَبِيْ: اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: اَبُوْبَكْرٍ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عُمَرُ، وَخَشِيْتُ اَنْ يَّقُوْلَ عُثْمَانُ، قُلْتُ: ثُمَّ اَنْتَ؟ قَالَ: مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ یعنی حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (سیدنا علی) سے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں افضل کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر، میں نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: پھر عمر، اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اب یہ نہ کہیں کہ عثمان، میں نے عرض کیا پھر آپ ہوں گے، فرمایا: میں مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں (بخاری: ۳۶۷۱، ابوداؤد: ۴۶۲۹)۔

(۲)۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا اسْتَبَقْنَا اِلٰی خَيْرٍ قَطُّ اِلَّا سَبَقَنَا اِلَيْهِ اَبُوْ بَكْرٍ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ہم جب بھی کسی بھلائی کی طرف بڑھے ہیں ابوبکر ہم سے سبقت لے گیا ہے (مجمع الزوائد حدیث: ۱۴۳۳۲)۔

(۳)۔عَنْ عَلِيٍّ وَ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اِنَّا نَرٰی اَبَابَكْرٍ اَحَقَّ النَّاسِ بِهَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَنَّهٗ لَصَاحِبُ الْغَارِ وَ ثَانِيْ اثْنَيْنِ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ بِشَرَفِهٖ وَ كِبَرِهٖ وَلَقَدْ اَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالصَّلٰوةِ بِالنَّاسِ وَهُوَ حَيٌّ یعنی حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر کو خلافت کا سب سے زیادہ حق دار سمجھتے تھے اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ صاحبِ غار اور ثانی اثنین تھے۔ اور ہم آپکے شرف اور عظمت کو جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی موجودگی میں انہیں لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا (مستدرک حدیث: ۴۴۷۸)۔

(۴)۔سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! مجھے بتاؤ تمام لوگوں سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین آپ، فرمایا: میں نے ہمیشہ اپنے برابر والے کو للکارا ہے، مجھے بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا ہم نہیں جانتے، آپ بتائیے کون

بہادر ہے؟ فرمایا: ابوبکر۔ جب بدر کا دن آیا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک عرشہ تیار کیا، ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا تا کہ کوئی مشرک آپ کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ کرے؟ تو اللہ کی قسم ہم میں سے کوئی قریب نہ گیا سوائے ابوبکر کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پہ تلوار لہرائے پہرہ دے رہا تھا، جب بھی کوئی دشمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھتا تو ابوبکر اسے آڑے ہاتھوں لیتے، تو یہی ہے تمام لوگوں سے زیادہ بہادر فَهٰذَا اَشْجَعُ النَّاسِ۔

پھر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ قریش آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کیا آپ ہی ہمارے خداؤں کی بجائے ایک خدا کی بات کرتے ہیں؟ تو اللہ کی قسم ہم میں سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب نہ گیا سوائے ابوبکر کے۔ ابوبکر کسی کو مار رہے تھے، کسی کو گھسیٹ رہے تھے اور کسی کو دھکے دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے: تم لوگوں کا برا ہو، کیا تم اُس مردِ خدا کو (معاذ اللہ) قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ پھر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر والی چادر اٹھائی اور اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہو گئی، پھر فرمایا: لوگو! میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ: کیا آلِ فرعون کا مومن افضل ہے یا ابوبکر؟ لوگ خاموش ہو گئے، فرمایا: مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ اللہ کی قسم ابوبکر کا ایک لمحہ آلِ فرعون کے مومن جیسوں سے افضل ہے، اُس نے تو اپنا ایمان چھپایا تھا مگر یہ وہ مرد ہے جس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا تھا (مجمع الزوائد: ۱۴۳۳۳)۔

(۵)۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے مرتبے اور ابوبکر کے مرتبے کو خوب سمجھ کر فیصلہ دیا اور فرمایا: ابوبکر کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ آپ نے مجھے نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس شخص کو ہمارا دینی پیشوا بنانے پر راضی ہیں ہم اسے اپنا دنیاوی پیشوا بنانے پر کیوں نہ راضی ہوں (اسنی المطالب فی مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حدیث: ۴۳، الریاض النضرۃ جلد ۱ صفحہ ۸۱)۔

(۶)۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ نے ابوبکر کو ہم سب سے بہتر جانا اور اسے ہم پر ولایت دے دی (مستدرکِ حاکم حدیث: ۴۴۵۶)۔

(۷)۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم، اللہ نے آسمان سے

ابوبکر کا نام "صدیق" نازل فرمایا (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث: ۱۴، مجمع الزوائد: ۱۴۲۹۵)۔

(۸)۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ابوبکر سے بہتر شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ (الریاض النضرہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۶)۔

(۹)۔عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَبُوْبَكْرٍ وَ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ اَبِيْ بَكْرٍ عُمَرُ یعنی حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابوبکر ہیں اور ابوبکر کے بعد سب سے افضل عمر ہیں (ابنِ ابی شیبہ: جلد ۸ صفحہ ۵۷۴، مسند احمد: ۸۳۶، ابنِ ماجہ: ۱۰۶، السنۃ لعبداللہ ابن احمد: ۱۲۹۸، السنۃ لابن ابی عاصم: ۱۲۳۴)۔

(۱۰)۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: اِنِّيْ لَوَاقِفٌ فِيْ قَوْمٍ، فَدَعَوا اللهَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَقَدْ وُضِعَ عَلٰى سَرِيْرِهٖ اِذَا رَجُلٌ مِنْ خَلْفِيْ قَدْ وَضَعَ مِرْفَقَهٗ عَلٰى مَنْكِبِيْ يَقُوْلُ: يَرْحَمُكَ اللهُ اِنْ كُنْتُ لَاَرْجُوْ اَنْ يَّجْعَلَكَ اللهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ، لِاَنِّيْ كَثِيْراً مِمَّا كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: كُنْتُ وَأَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ، وَفَعَلْتُ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَانْطَلَقْتُ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ، فَاِنْ كُنْتُ لَاَرْجُوْ اَنْ يَّجْعَلَكَ اللهُ مَعَهُمَا، فَالْتَفَتُّ فَاِذَا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ (مسلم: ۶۱۸۷، بخاری: ۳۶۷۷، ۳۶۸۵، ابن ماجہ: ۹۸، شرح السنۃ: ۳۸۹۰)۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں لوگوں میں کھڑا تھا، لوگ عمر بن خطاب کیلیے اللہ سے دعا کر رہے تھے اور آپ کو اپنی چارپائی پر رکھا گیا تھا، ایک آدمی میرے پیچھے تھا جس نے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھی ہوئی تھی، وہ کہہ رہا تھا: اللہ تجھ پر رحمت فرمائے، مجھے یقین تھا کہ اللہ تجھے تیرے دونوں یاروں سے ملا دے گا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کثرت سے فرماتے ہوئے سنا کرتا تھا کہ: میں اور ابوبکر اور عمر تھے، میں اور ابوبکر اور عمر نے ایسا کیا، میں اور ابوبکر اور عمر گئے، مجھے یقین تھا کہ اللہ تجھے ان دونوں سے ملا دے گا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی بن ابی طالب تھے۔

(۱۱)۔سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب کون تھا؟ آپ نے فرمایا: وہی لوگ قریب تھے جو کہ آج بھی قریب ہیں اور آپ کے پہلو میں آرام فرمارہے ہیں (مسند احمد: ۱۴/۱۶۷،فضائل الصحابۃ للدارقطنی: ۳۵)۔

(۱۲)۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لَا اَجِدُ اَحَداً فَضَّلَنِیْ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ اِلَّا جَلَّدْتُہٗ حَدَّ الْمُفْتَرِیْ یعنی میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتا ہے اسے مفتری کی سزا کے طور پر اسی کوڑے ماروں گا (فضائل الصحابہ لاحمد: ۴۹، ۳۸۷،المؤتلف والمختلف ۳/۹۲)۔

(۱۳)۔عَنْ اِبْرَاھِیْمَ قَالَ ضَرَبَ عَلْقَمَۃُ ھٰذَا الْمِنْبَرَ فَقَالَ: خَطَبَنَا عَلِیٌّ عَلٰی ھٰذَا الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللہَ وَ اَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ ذَکَرَ مَا شَاءَ اللہُ اَن یَّذْکُرَ ثُمَّ قَالَ: اَلَا اَنَّہٗ بَلَغَنِیْ اَنَّ قَوماً یُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ وَلَوْ کُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِیْ ذَالِکَ لَعَاقَبْتُ فِیْہِ وَلٰکِنْ اَکْرَہُ الْعُقُوْبَۃَ قَبْلَ التَّقَدُّمِ، مَنْ قَالَ شَیْئاً مِنْ ذَالِکَ فَھُوَ مُفْتَرٍ عَلَیْہِ مَا عَلَی الْمُفْتَرِیْ، خَیْرُ النَّاسِ کَانَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللہِ اَبُوْ بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اَحْدَثْنَا بَعْدَھُمْ اِحْدَاثاً یَقْضِی اللہُ فِیْھَا (السنۃ لعبداللہ حدیث: ۱۳۲۲،السنۃ لابن ابی عاصم حدیث: ۱۰۲۷)۔

ترجمہ: حضرت علقمہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے منبر پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ہمیں علی (رضی اللہ عنہ) نے اس منبر پر بیٹھ کر خطاب فرمایا، آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر اللہ کو جس قدر منظور تھا بیان فرمایا، پھر فرمایا: خبردار! مجھے اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر اور عمر پر فضیلت دیتے ہیں، اگر میں نے اسکے بارے میں پہلے سزا کا اعلان کردیا ہوتا تو میں اُن لوگوں کو سزا دیتا،لیکن میں اعلان سے پہلے سزا کو ناپسند کرتا ہوں،جس نے آئندہ ایسا کہا وہ بہتان باندھنے والا ہوگا اور اسے بہتان باندھنے والے مفتری والی سزا ملے گی،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر اِن لوگوں کے بعد ہم میں نئے نئے واقعات ہوئے جن کا فیصلہ اللہ فرمائے گا۔

(۱۴)۔امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ: ایک آدمی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے آپ سے بہتر کوئی نہیں دیکھا۔آپ نے فرمایا: کیا تم نے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: کیا تم نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: اگر تم کہتے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے تو میں تمہیں قتل کر دیتا، اور اگر تم کہتے کہ میں نے ابوبکر اور عمر کو دیکھا ہے تو میں تمہیں کوڑے مارتا لَوْ اَخْبَرْتَنِيْ اَنَّكَ رَأَيْتَ اَبَابَكْرٍ وَّ عُمَرَ لَاَوْجَعْتُكَ عُقُوْبَةً (کتاب الآثار لابی یوسف حدیث: ۹۲۴)۔

(۱۵)۔ حضرت ابراہیم نخعی تابعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی نے کہا: مجھے ابوبکر اور عمر کی نسبت علی سے زیادہ محبت ہے، آپ نے فرمایا: ایسی باتیں کرنی ہیں تو ہماری مجلس میں مت بیٹھ، اگر تمہاری بات سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سن لی تو وہ تمہاری پشت پر کوڑے ماریں گے لَا تُجَالِسْنَا بِمِثْلِ هٰذَا الْكَلَامِ ، اَمَّا لَوْ سَمِعَكَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ لَاَوْجَعَ ظَهْرَكَ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم جلد ۶ صفحہ ۴۹۲)۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اتنے خطبات اور فیصلے ابوبکر و عمر کی مدح وثناء میں منقول ہیں کہ ان پر اطلاع پانے کے بعد کسی باغی کے پاس بھی دم مارنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ اگر علماءِ اہلِ سنت ابوبکر و عمر کی افضلیت بلکہ اسکی قطعیت پر استدلال کرنے کیلئے صرف ان دلائل پر ہی اکتفا کرلیں تو یہ دلائل اس مقصد کیلئے کافی وافی ہیں گر علماء اهل سنت وجماعت در افضلیت ابوبکر و عمر بلکه در قطعیت آں بهماں اکتفا نمایند و استدلال کنند کافی وافی بود (تکمیل الایمان صفحہ ۶۴)۔

تمام صحابہ کرام اور پوری امت کا فیصلہ

(۱)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم کسی کو ابوبکر کے برابر نہیں سمجھتے تھے پھر عمر پھر عثمان كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ (بخاری حدیث: ۳۶۹۷، ابوداؤد حدیث: ۴۶۲۷)۔

(۲)۔ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ یعنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم (فقہ اکبر صفحہ ۳)۔

(۳)۔امام مالک فرماتے ہیں: اَبُوْ بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ اَوَفِیْ ذَالِکَ شَكٌّ یعنی سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر، کیا اس میں کوئی شک ہے؟ (صواعق محرقہ صفحہ ۵۷، فتح المغیث ۳/۱۲۷)۔

(۴)۔امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔تمام لوگ ابوبکر صدیق کی خلافت پر متفق ہو گئے، یہ اس لیے ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگ مجبور ہو گئے تو آسمان کی چھت کے نیچے ابو بکر سے افضل کسی کو نہ پایا، بس اپنی گردنیں اس کے حوالے کر دیں فَوَلَّوْهُ رِقَابَهُمْ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۴)۔

(۵)۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ اس طرح ہے: کَانَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلَ یَذْهَبُ فِی التَّفْضِیْلِ اَبُوْ بَکْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَ عَلِیٌّ یعنی امام احمد بن حنبل افضلیت کی ترتیب یوں بتاتے تھے: ابوبکر، عمر، عثمان، علی (السنۃ للخلال حدیث:۶۰۷)۔

(۶)۔امام بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: تمام صحابہ میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی۔ میں اسی عقیدے پر زندہ رہا، اسی پر مروں گا اور انشاء اللہ اسی پر قیامت کے دن اٹھوں گا عَلٰی هٰذَا حَیِّیْتُ وَعَلَیْهِ اَمُوْتُ وَاُبْعَثُ اِنْشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی (تہذیب التہذیب: ۵/۴۸۰)۔

(۷)۔امام ابوالحسن اشعری رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں: کَانَ اَفْضَلَ الْجَمَاعَةِ فِیْ جَمِیْعِ الْخِصَالِ الَّتِیْ یُسْتَحَقُّ بِهَا الْاِمَامَةُ مِنَ الْعِلْمِ وَالزُّهْدِ وَقُوَّةِ الرَّأْیِ وَسِیَاسَةِ الْاُمَّةِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ یعنی ابوبکر صدیق پوری جماعت میں تمام خصلتوں میں سب سے افضل تھے جن کی بناء پر امامت کا حقدار بنا جاتا ہے، علم کے لحاظ سے، زہد کے لحاظ سے، قوتِ رائے کے لحاظ سے اور امت کی سیاست کے لحاظ سے اور اس کے علاوہ دیگر وجوہ کی بناء پر (الابانۃ از امام ابوالحسن اشعری متوفی ۳۲۴ھ صفحہ ۱۰۵)۔

(۸)۔دنیا میں تصوف کی پہلی کتاب التعرف میں لکھا ہے کہ: وَاَجْمَعُوْا عَلٰی تَقْدِیْمِ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ یعنی تمام صوفیاء کا اجماع ہے کہ سب سے مقدم ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی (التعرف لابی بکر محمد بن اسحاق م ۳۸۰ھ، صفحہ ۶۲)۔

(۹)۔قاضی باقلانی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۴۰۳ھ لکھتے ہیں: ہر مسلمان عاقل بالغ پر یہ جاننا واجب ہے کہ: امام المسلمین اور امیر المومنین، مہاجرین وانصار میں سے نبیوں اور رسولوں کے بعد اللہ کی تمام تر مخلوقات سے آگے ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ عنہ۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پوری امت سے افضل تھے، ایمان میں راجح تھے، آپ کا فہم سب سے کامل تھا، علم سب سے وافر تھا، حلم سب سے زیادہ تھا، اور اسی چیز کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان واضح کررہا ہے کہ: وَلَو وُزِنَ اِیْمَانُ اَبِی بَکْرٍ بِاِیْمَانِ اَھْلِ الْاَرْضِ لَرَجَحَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ عَلٰی اِیْمَانِ اَھْلِ الْاَرْضِ یعنی اگر ابوبکر کا ایمان تمام روئے زمین والوں کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر کے ایمان کا پلڑا بھاری ہے (اَلْاِنْصَافُ فِیْمَا یَجِبُ اِعْتِقَادُہٗ وَلَا یَجُوْزُ الْجَھْلُ بِہٖ صفحہ ۱۳۰)۔

(۱۰)۔حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام مخلوقات سے آگے ہیں اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان سے آگے قدم رکھے روا نہ باشد کہ الخ (کشف المحجوب صفحہ ۶۹)۔

اِنَّ الصَّفَا صَفَا الصِّدِّیْقِ

اِنْ اَرَدْتَ صُوْفِیًا عَلَی التَّحْقِیْقِ

ترجمہ: اگر تم تحقیق کے ساتھ کسی صوفی کا نام جاننا چاہتے ہو تو وہ ابوبکر صدیق ہے (کشف المحجوب صفحہ ۳۲)۔

(۱۱)۔حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَبُوْ بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِیٌّ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمْ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب لوگوں میں افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہ (احیاء العلوم صفحہ ۱۱۹)۔

(۱۲)۔سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: خلفائے راشدین نے خلافت بزورِ شمشیر یا جبراً حاصل نہیں کی تھی بلکہ معاصرین پر ان کو فضیلت حاصل تھی لِفَضْلِ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْھُمْ فِیْ عَصْرِہٖ وَزَمَانِہٖ عَلٰی مَنْ سِوَاہُ مِنَ الصَّحَابَۃِ (غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۵۸)۔

(۱۳)۔شیخِ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَيْسَ فِيْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَنْ هُوَ اَفْضَلُ مِنْ اَبِيْ بَكْرٍ غَيْرُ عِيْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ یعنی جان لو کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ابو بکر سے افضل ہو سوائے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (فتوحاتِ مکیہ باب ۹۳ کمافی الیواقیت والجواہر صفحہ ۴۳۸)۔

(۱۴)۔معروف درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے کہ: اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ نَبِيِّنَا اَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ یعنی تمام انبیاء کے بعد سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۵۰)۔

(۱۵)۔اہلِ سنت کے عقائد کی تقریباً ہر کتاب میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول موجود ہے کہ اہلِ سنت کی علامت یہ ہے: تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ وَ حُبُّ الْخَتَنَيْنِ یعنی ابوبکر وعمر کو افضل ماننا اور عثمان وعلی سے محبت کرنا (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۵۰، التمہید لابی الشکور السالمی صفحہ ۱۶۵، قاضی خان جلد ۱ صفحہ ۴۶، تکمیل الایمان صفحہ ۷۸، نبراس صفحہ ۳۰۲، شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۳، فتاویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۶۱، البحر الرائق جلد ۱ صفحہ ۲۸۸، بنایہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۶)۔

(۱۶)۔امام شرف الدین نووی اور امام سیوطی رحمت اللہ علیہما فرماتے ہیں: اِتَّفَقَ اَهْلُ السُّنَّةِ اَنَّ اَفْضَلَهُمْ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ یعنی اس پر اہلِ سنت کا اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ (شرح نووی علیٰ مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۲، تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۷)۔

(۱۷)۔امام قرطبی شارح مسلم علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: وَأَفْضَلِيَّتُهٗ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ،وَهُوَ الَّذِيْ يَقْطَعُ بِهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ:أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، ثُمَّ عُمَرُ الْفَارُوْقُ، وَلَمْ يَخْتَلِفْ فِيْ ذٰلِكَ أَحَدٌ مِّنْ أَئِمَّةِ السَّلَفِ، وَلَا الْخَلَفِ (المفہم شرح مسلم جلد ۶ صفحہ ۲۳۸)۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صدیق اکبر کی افضلیت اہل سنت کا عقیدہ ہے، یہ ایسا عقیدہ ہے جسے قرآن اور سنت قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ہے، پھر عمر فاروق۔ اس میں اگلے پچھلے ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

انہی کے شاگرد مفسر قرطبی لکھتے ہیں: جو عقیدہ کتاب وسنت اور علمائے امت کے اقوال سے قطعی طور پر ثابت ہے اور جس پر دلوں کا اور دلوں کی گہرائی کا ایمان لانا واجب ہے وہ یہ ہے کہ ابو بکر صدیق تمام صحابہ سے افضل ہیں (تفسیر القرطبی زیر آیت ثانی اثنین)۔اہل علم سے درخواست ہے کہ تفسیر قرطبی کا یہ مقام کھول کر اس سے اگلی عبارت خود اپنی آنکھوں سے ضرور پڑھ لیں۔

(۱۸)۔مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ : افضلیت شیخین بر باقی امت قطعی است، انکار نہ کند مگر جاھل یا متعصب یعنی شیخین کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے، انکار وہی کرے گا جو جاہل ہو یا متعصب ہو (مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۳۶)۔

(۱۹)۔حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کے خلیفہ بدر الدین سرہندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تمام سلسلوں کو درحقیقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے انتساب ہے (حضرات القدس صفحہ ۲۳)۔

(۲۰)۔حضرت عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی امت میں ایک شخص بھی حضرت ابوبکر کا فیض برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی آپ کے قریب آنے کی طاقت رکھتا تھا، خواہ صحابہ میں سے ہو یا انکے علاوہ فتحِ کبیر کے افراد میں سے (جواہر البحار ۲/۳۵۹)۔

(۲۱)۔امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: محمدی اولیاء میں سب سے افضل ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی (الیواقیت والجواہر صفحہ ۴۳۷)۔

(۲۲)۔علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : يَجِبُ عَلَى الْعُلَمَآءِ الْاِهْتِمَامُ بِمَسْئَلَةِ الْاَفْضَلِيَّةِ یعنی علماء پر واجب ہے کہ مسئلہِ افضلیتِ صدیق وعمر کو خصوصی اہمیت دیں (نبراس صفحہ ۳۰۲)۔

(۲۳)۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہلِ سنت کی تمام کتبِ عقائد میں افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر ہے (فتاویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۶۱)۔نیز اعلیٰ حضرت نے چاروں خلفائے راشدین کو اپنے اپنے زمانے کا غوث قرار دیا ہے (ملفوظات صفحہ ۲۳۷)۔

(۲۴)۔ہمارے مرشد کریم قطب الاقطاب فقیہِ اعظم حضرت پیر سائیں مفتی محمد قاسم

مشوری قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس اِرقام فرماتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اہل سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما (قاسمِ ولایت صفحہ ۲۰۲)۔

(۲۵)۔حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: بعد انبیاء ابوبکر صدیق کا بڑا پرہیز گار ہونا بھی قرآن سے ثابت اور بڑے پرہیز گار کا افضل ہونا بھی قرآن سے ثابت، لہٰذا افضلیتِ صدیق قطعی ہے، اس کا منکر گمراہ ہے (تفسیر نور العرفان صفحہ ۹۸۳)۔

(۲۶)۔حضرت شیخ الاسلام والمسلمین خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :وَاَنْتَ لَوْ فَكَّرْتَ وَ تَدَبَّرْتَ ذٰلِكَ لَعَلِمْتَ فَضْلَ اَبِىْ بَكْرٍ وَ زُهْدَهٗ عَلٰى جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ وَ يَكْفِيْهِ فَضْلاً وَ كَمَالاً وَ مَرْتَبَةً قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّمَ لِاَبِىْ بَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنْتَ مِنِّىْ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالرُّوْحِ وَ قَدْ مَرَّ بَيَانُهٗ بِبَيَانِىْ یعنی اگر تم غور اور تدبر سے کام لو، تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ابوبکر فضیلت اور زہد میں جمیع صحابہ سے آگے ہیں، آپکے فضل و کمال اور مرتبے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی کافی ہے کہ ابوبکر میرے کان، آنکھ اور روح کے بمنزلہ ہیں (مذہبِ شیعہ صفحہ ۸۵)۔

(۲۷)۔حضرت غزالیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سیدنا صدیق اکبر و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفضیل جمیع صحابۂ کرام بشمول حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔اس عقیدہ کا مخالف سنی نہیں ہے۔اس کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ فاسق کہنے والا ہرگز سنی نہیں ہے۔تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق واجب الاحترام ہیں۔اس لیے ایسے شخص کی اقتداء بھی درست نہیں۔(سید احمد سعید کاظمی غفرلہ 9 اگست 1969ء)

(۲۸)۔حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انبیاء و مرسلین

کے بعد تمام مخلوقاتِ الٰہی جن وانس وملائکہ سے افضل صدیقِ اکبر پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں (دینِ مصطفی صفحہ ۱۶۲)۔

(۲۹)۔حضرت ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: واضح رہے کہ خلیفہ رسول سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اتقیٰ، اکرم، اعظم درجۃ، ارحم، افضل الامۃ، اَعلم، اعلم بالسنۃ، اشجع جیسے اسمِ تفضیل کے صیغوں سے ملقب ہیں (سرمایہ ملت کا نگہبان صفحہ ۱۶۳)۔

(۳۰)۔حضرت علامہ غلام رسول صاحب سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: تمام صحابہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ علم اور فضل والے تھے (نعمۃ الباری جلد ۲ صفحہ ۵۵۵)۔

(۳۱)۔عشقِ رسول اور خدمت کا میدان ہو یا فنا فی الرسول کے مرتبہ کی بات چلے، جہاد اور ختمِ نبوت کا معرکہ ہو یا افضلیت واعلمیت کی بحث ہو، صدیق کے بغیر قدم نہیں اٹھتا۔

قرآنی اشاروں میں، احادیث کی تصریحات میں، فقہ کی کتابوں کے اندر امامت کے ابواب میں، عقائد کی ہر ہر کتاب میں، صوفیاء کی کتابوں میں التعرف سے لیکر سیف الملوک تک، دیوانِ قلندر سے لیکر شاہ جو رسالو تک، قدیم مجددینِ ملت رضی اللہ عنہم سے لیکر جدید محققین تک کی کتب میں چاروں خلفائے راشدین علیہم الرضوان کو بالترتیب بیان کیا جارہا ہے، حتیٰ کہ جمعہ کے خطبوں میں خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْق کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ ہر منصف مزاج اور تحقیق شعار کو ماننا پڑتا ہے:

نعرۂ صدیقی یا صدیقِ اکبر نعرۂ فاروقی یا فاروقِ اعظم

نعرۂ عثمانی یا عثمانِ غنی نعرۂ حیدری یا علی

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

☆......☆......☆

چاروں خلفائے راشدین کے سلسلے

ہادیِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فَعَلَيۡكُمۡ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الۡخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيۡنَ الۡمَهۡدِيِّيۡنَ یعنی تم پر لازم ہے کہ میری سنت پر چلو اور میرے خلفاءِ راشدین مہدیین کی سنت پر چلو (ابوداؤد: ۴۶۰۷، ترمذی: ۲۶۷۶، ابن ماجہ: ۴۲)۔

نیز فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اخۡتَارَ اَصۡحَابِيۡ عَلٰى جَمِيۡعِ الۡعَالَمِيۡنَ سِوَى النَّبِيِّيۡنَ وَالۡمُرۡسَلِيۡنَ وَاخۡتَارَ لِيۡ مِنۡهُمۡ اَرۡبَعَةً اَبَابَكۡرٍ وَعُمَرَ وَعُثۡمَانَ وَعَلِيًّا فَجَعَلَهُمۡ خَيۡرَ اَصۡحَابِيۡ وَفِيۡ اَصۡحَابِيۡ كُلِّهِمۡ خَيۡرٌ یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو نبیوں اور رسولوں کے سواء سارے جہانوں پر ترجیح دیتے ہوئے پسند فرمالیا ہے اور ان میں سے خصوصاً میرے لیے چار صحابہ کو پسند فرمایا ہے، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی۔ اور انہیں میرے صحابہ میں سے افضل بنایا ہے، ویسے میرے سارے صحابہ میں بھلائی ہی بھلائی ہے (الشفا جلد ۲ صفحہ ۴۲، الریاض النضرۃ جلد ا صفحہ ۴۷)۔

ان دونوں حدیثوں پر غور کیجیے! جو اللہ کے پیارے: خلفاء بھی ہوں، راشد بھی ہوں، مہدی بھی ہوں، چنے ہوئے بھی ہوں، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ طریقت کے امام نہ بن سکیں؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر بیعت اور صحبت کا اعتبار کیا جائے تو شیخین کے سلاسل مولائے مرتضیٰ سے زیادہ ثابت ہوتے ہیں بلکہ خود سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی شیخین سے فیض پہنچتا ہے (قرۃ العینین صفحہ ۳۰۰)۔

حضرت شیخ محمد اکرم صابری قدوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ فقیر راقم الحروف کہتا ہے کہ خلافتِ کبریٰ وصغریٰ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کو پہنچی اور ان کے بعد حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عثمان کو ملی اور پھر حضرت علی تک پہنچی اور یہی بات صحیح ہے (اقتباس الانوار صفحہ ۱۰۶)۔

امام جزری لکھتے ہیں کہ: میری سند سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ تک جاتی ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پھر ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی صحبت میں رہے، یہ سند سب سے اعلیٰ اور مضبوط ہے (اسنی المطالب ۸۳)۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنا مکمل سلسلۂ مشائخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اسد اللّٰہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللّٰہ وجھہ وایشاں نیز جامع دو نسبت اند۔ یکے از آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم بے واسطہ۔ و دوم بواسطہ خلفاء ثلاثہ رضی اللّٰہ عنھم . . . . . . ونسبتِ دیگر امام جعفر رضی اللّٰہ عنہ بہ پدر مادر خود است قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق کہ از فقہاء سبعہ بودہ اند واز کبار ائمہ دین اند وایشاں را بحضرت سلمان فارسی رضی اللّٰہ عنہ است وایشاں را نیز دو نسبت اس، یکے از آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم بلاواسطہ۔ و نسبت دیگر بواسطہ خلفائے اربعہ رضی اللّٰہ عنھم۔ لیکن از ہر یکے از خلفاء نسبتے خاص یافتہ و در طریق ذکر خفیہ قلبی و توجہ و مراقبہ باطن منسوب اند بحضرت صدیق اکبر رضی اللّٰہ عنہ کہ طریق خاص ایشاں بودہ و حضراتِ خواجگان قدس تعالیٰ اسرارھم ورزش ایں نسبت نمودہ اند بدانچہ منسوب بحضرت صدیق اکبر اند رضی اللّٰہ عنہ **یعنی اسد اللہ الغالب سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھی دو نسبتیں حاصل ہیں۔ ایک حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست۔ دوسری تین خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے واسطے سے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی دوسری نسبت اپنے والد اور والدہ ماجدہ دونوں کی طرف سے ہے، قاسم بن محمد بن ابی بکر آپ کے نانا بھی ہیں اور مرشد بھی، وہ فقہاءِ سبع میں سے ہیں اور دین کے عظیم اماموں میں سے ہیں۔ انہیں حضرت سلمان فارسی سے نسبت حاصل ہے اور حضرت سلمان فارسی کو دو نسبتیں حاصل ہیں۔ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ اور دوسری چاروں خلفاء کے واسطے سے۔ لیکن ہر خلیفہ سے خاص نسبت بھی آپ کو حاصل ہے اور ذکر خفی قلبی کے طریقے اور توجہ اور مراقبہ باطن کے لحاظ سے صدیقِ اکبر کی طرف منسوب ہیں جو اِن حضرات کا خاص طریقہ ہے۔ اور حضرات خواجگان قدست اسرارہم جس نسبت میں مشغول رہتے ہیں وہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف ہی منسوب ہے (رسالہ مشائخ طرقِ اربعہ، منصفہ حضرت خواجہ محمد باقی**

باﷲ قدس سرہ العزیز کمافی سالنامہ نقوش لاہور شمارہ ۱۳۹ صفحہ ۱۵۲، ۱۵۳)۔

آج بھی صوفیائے کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے کہ اپنے مریدین کو فنا فی اللہ کے فوراً بعد چار یار کی مجلس میں بٹھا کر انہیں فیضیاب کرتے ہیں۔ شیخ المشائخ حضرت پیر سائیں محمد یاسین راشدی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: مجلس نبوی کی چار یاروں کے ساتھ اس طرح فکر کرے کہ اخفیٰ میں نورِ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصور کرے، اور لطیفہ خفی میں نور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور لطیفہ سری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور لطیفہ روحی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور لطیفہ قلبی میں نور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ و وجوہ آلہ الکرام ورضی اللہ عنہ کا تصور کرے۔ اس مجلس کی فکر کا کمال یہ ہے کہ ان سب بزرگوں کو اکٹھا حاضر سمجھے (صراط الطالبین سندھی صفحہ ۵۷)۔

یہی بات حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے، لکھتے ہیں: جو کوئی شخص مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں داخل ہوجاتا ہے تو سب سے پہلے اس کے وجود پر چار ہستیوں کی نگاہ تاثیر کرتی ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہ سے طالب کے وجود میں صدق کی تاثیر پیدا ہوتی ہے، جھوٹ اور منافقت اس کے وجود سے خارج ہوجاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ سے طالب کے وجود سے نفسانی خواہشات کے خطرات ختم ہوجاتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نگاہ سے طالب کے وجود میں ادب و حیا پیدا ہوجاتے ہیں اور بے ادبی و بے حیائی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ سے طالب کے وجود میں علم و ہدایت اور فقر پیدا ہوجاتے ہیں اور اس کے وجود سے جہالت اور حبِ دنیا نکل جاتی ہے (کلیدِ جنت صفحہ ۱۱۴)۔

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: مخدوم شیخ فرید گنج شکر قدس اللہ روحہٗ کے ملفوظات میں ہے کہ کلاہِ اصل میں حضرت حق جل وعلا کی جانب سے ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام بہشت سے چار ٹوپیاں لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یک ترکی، دوترکی، سہ ترکی، چہار ترکی (ایک گوشہ، دو گوشہ، تین گوشہ اور چار گوشہ والی) اور عرض کیا کہ فرمانِ باری یہ ہے کہ آپ یہ چاروں ٹوپیاں سر مبارک پر رکھیں، پھر جسے چاہیں عطا فرمادیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چاروں ٹوپیاں سر اقدس پر رکھیں۔ اس کے بعد کلاہ یک ترکی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے چاہو دو اور کلاہِ دو

ترکی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے چاہو بخش دو اور کلاہِ سہ ترکی حضرت عثمان کے سر پر رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے چاہو سونپ دو اور کلاہِ چہار ترکی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر مبارک پر رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے اس کے لائق دیکھو اور جو اس کا حق ادا کر سکے اسے عطا کر دو۔ مجھے یہ فرمان تھا کہ کلاہِ چہار ترکی تمہیں پہناؤں در ملفوظ مخدوم شیخ فرید شکر گنج قدس اللہ روحہ نبشت کہ الخ (سبع سنابل فارسی صفحہ ۴۴، ۴۵)۔

شمس بریلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: اکثر سلاسلِ تصوف سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ہی منتہی ہوتے ہیں (مقدمہ کشف المحجوب صفحہ ۱۰)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جنیدی اور نوری سلسلے چاروں خلفاءِ راشدین سے فیض یافتہ ہیں اور انہی کی مناسبت سے یہ سب راشدی سلسلے ہیں۔

باقی صحابہ کے بے شمار سلاسل

قرآن کی آیت: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (البقرۃ:۱۲۹) سے صاف ثابت ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کو تصوف سکھایا، اور إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر:۱) کا عین تقاضا ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض تمام صحابہ کے ذریعے اطرافِ عالم میں پھیلا ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ: اَصْحَابِي كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اِهْتَدَيْتُمْ یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے (مشکوٰۃ حدیث:۶۰۱۸)۔ یہ حدیث صوفیاء کے نزدیک کشفاً صحیح ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ: مَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ اَصْحَابِي يَمُوْتُ بِاَرْضٍ اِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَنُوْرًا لَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی میرا کوئی ایک صحابی بھی جس زمین پر بھی وفات پائے گا، اس علاقے کے لوگوں کے لیے قیامت کے دن قائد اور نور ہو گا (ترمذی حدیث:۳۸۶۵)۔

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: آنکہ مخدوم شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ این حدیث در عوارف نقل

کردہ کہ مَا صَبَّ اللهُ فِیْ صَدْرِیْ شَیْئاً اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُهٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ در باب جملہ اصحابہ ست و تخصیص ابوبکر بجہت فضل و شرف او ست و ھمچنین حدیث اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا تخصیص ذکر مرتضیٰ بجہت فضل و شرف او ست و گرنہ جملہ اصحاب ابواب ایں مدینہ بودہ علوم دین ازیں ابواب بسائر علمای امت رسیدہ است **یعنی وہ حدیث جو مخدوم شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے عوارف میں نقل کی ہے کہ: مَا صَبَّ اللهُ فِیْ صَدْرِیْ شَیْئاً اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُهٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں کوئی چیز القاء نہ فرمائی مگر میں نے وہ ابوبکر کے دل میں ڈال دی۔ وہ تمام اصحاب کے حق میں ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خصوصیت سے ذکر فرمانا ان کے مزید فضل وشرف کی وجہ سے ہے اور ایسے ہی وہ حدیث پاک کہ: اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ۔ اس میں بھی مرتضیٰ کا ذکر ان کے مزید فضل وشرف کی وجہ سے ہے ورنہ تمام صحابہ اس شہر کے دروازے ہیں اس لیے کہ دین کے تمام علوم امت کے جملہ علماء کو انہیں دروازوں سے پہنچے ہیں اور وہ جو رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والتحیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: یَا اَبَا بَکْرٍ لَیْسَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ فَرْقٌ اِلَّا اِنِّیْ بُعِثْتُ یعنی اے ابوبکر مجھ میں اور تم میں صرف یہی فرق ہے کہ میں مبعوث فرمایا گیا ہوں، اور وہ ارشاد کہ: یَا عُمَرُ لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ یعنی اے عمر اگر میں مبعوث نہ فرمایا گیا ہوتا تو تم پیغمبر ہوتے، یہ بھی تمام اصحاب تابعین، تبع تابعین اور امت کے تمام علماء کے حق میں وارد ہے (سبع سنابل فارسی صفحہ ۱۶، ۱۷)۔**

ان حدیثوں سے اور حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے واضح ہو گیا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے پیر اور مرشد ہیں۔ اے عزیز غور کریں، جس صحابی کے لیے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہو کہ: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ ھَادِیاً مَّھْدِیّاً وَّاھْدِ بِهٖ اے اللہ اسے ہدایت دینے والا بنا اور اسے ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے، آقا کی دعا کیوں نہ قبول ہوئی ہو گی اور وہ صحابی کیوں نہ مرشد و مربی بنے ہوں گے؟ ان کا نام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہے (ترمذی حدیث: ۳۸۴۲)۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دوسری نسبت سیدنا عثمان غنی سے اور تیسری نسبت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی باقاعدہ تربیت فرمائی اور ان کی اصلاحِ نفس کے لیے انہیں کوڑوں سے بھی مارا (الاصابہ: ۳/۱۸۵۷)۔ محدثین علیہم الرضوان بھی فرماتے ہیں کہ: رَوَىٰ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۲۹)۔

حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''کتاب اللمع'' میں صحابہ کرام کے عنوان سے ایک مکمل کتاب قائم فرمائی ہے۔ حدیث اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ کو نقل کرنے کے بعد ثابت کرتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے صحابہ کی پیروی کرنے والے ہدایت یافتہ ہیں۔

علومِ باطنیہ کے لیے اس حدیث کو بیان فرمایا ہے: اِقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (ترمذی حدیث: ۳۶۶۲، ابن ماجہ حدیث: ۹۷)۔

اس کے بعد چاروں خلفاء راشدین کے الگ الگ باب قائم کیے ہیں اور انہیں اس امت کے ائمہ اربعہ قرار دیا ہے۔ ان کے فوراً بعد اصحابِ صفہ کا عنوان قائم کر کے ان کا ذکرِ خیر فرمایا ہے، اور اس کے فوراً بعد دیگر تمام صحابہ کا عنوان قائم کر کے ان کی صوفیانہ تعلیمات کو بیان فرمایا ہے (ملاحظہ ہو کتاب اللمع فی التصوف صفحہ: ۱۹۱ تا ۲۲۲)۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ (بخاری حدیث: ۲۷۰۴)۔ آپ کو دو نسبتیں حاصل ہیں۔ ایک براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوسری اپنے والد گرامی سیدنا علی کریم رضی اللہ عنہ کی جانب سے، حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الاقدس کو نسبی لحاظ سے حسنی اور حسینی دونوں نسبتیں حاصل ہیں اور دونوں اطراف سے روحانی فیض بھی میسر ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں (ترمذی حدیث: ۳۷۴۷)۔ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے عمامہ باندھا عَمَّمَهٗ بِيَدِهٖ وَسَدَلَهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ (الاستیعاب صفحہ ۴۲۱، الانتباہ فی سلاسل الاولیاء صفحہ ۳)۔ اور فرمایا:

عَبۡدُ الرَّحۡمٰنِ بۡنُ عَوۡفٍ سَیِّدٌ مِنۡ سَادَاتِ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (الاستیعاب صفحہ ۴۲۱)۔

حدیث شریف میں ۱۴ صحابہ کا ذکر ہے جو نجیب کے روحانی عہدہ پر فائز تھے:

عَنۡ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ سَبۡعَۃَ نُجَبَآءِ رُقَبَآءِ وَأُعۡطِیۡتُ اَنَا أَرۡبَعَۃَ عَشَرَ قُلۡنَا: مَنۡ ھُمۡ؟ قَالَ: أَنَا وَابۡنَایَ وَجَعۡفَرُ وَحَمۡزَۃُ وَأَبُوۡ بَکۡرٍ وَعُمَرُ وَمُصۡعَبُ بۡنُ عُمَیۡرٍ وَبِلَالٌ وَسَلۡمَانُ وَعَمَّارٌ وَعَبۡدُ اللّٰہِ بۡنُ مَسۡعُوۡدٍ وَأَبُوۡ ذَرٍّ وَالۡمِقۡدَادُ یعنی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے ساتھ نجیب رقیب ہوتے ہیں، اور مجھے ۱۴ عطاء ہوئے ہیں: ہم نے عرض کیا وہ کون ہیں؟ فرمایا: علی، حسن، حسین، جعفر، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، عبداللہ بن مسعود، ابوذر اور مقداد (ترمذی حدیث: ۳۷۸۴، مشکوۃ حدیث: ۶۲۵۵)۔

ابدالوں کا ذکر اس حدیث شریف میں ہے:

عَنۡ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوۡلُ: اَلۡاَبۡدَالُ یَکُوۡنُوۡنَ بِالشَّامِ وَھُمۡ اَرۡبَعُوۡنَ رَجُلاً، کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبۡدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ رَجُلاً یُسۡقیٰ بِھِمُ الۡغَیۡثُ وَیُنۡتَصَرُ بِھِمۡ عَلَی الۡاَعۡدَآءِ وَیُصۡرَفُ عَنۡ اَھۡلِ الشَّامِ بِھِمُ الۡعَذَابُ یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ابدال شام میں ہوں گے اور وہ چالیس مرد ہوں گے۔ جب بھی ایک مرد فوت ہوگا تو اللہ اس کی جگہ دوسرا مرد بدل دے گا۔ انکی برکت سے بارشیں ہوں گی اور ان کی برکت سے دشمنوں کے خلاف مدد حاصل کی جائے گی اور انکی برکت سے اہلِ شام پر سے عذاب ٹلا رہے گا (مسند احمد حدیث: ۸۹۹)۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق شام سے ۲۰ سال تک رہا ہے اور ان کے بارے میں حدیث میں خصوصی دعا موجود ہے کہ: اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡہُ ھَادِیاً مَھۡدِیّاً وَاھۡدِ بِہٖ۔ یہ بھی واضح رہے کہ ابدال نہایت وسیع المشرب ہوا کرتے ہیں، بلکہ قلندر ہوا کرتے ہیں (انوار الاقتباس صفحہ ۶۲)۔ شام کے بارے میں محبوب

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا یعنی اے اللہ ہمارے لیے شام میں برکت پیدا فرما (بخاری حدیث: ۷۰۹۴، ترمذی حدیث: ۳۹۵۳)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں: اَلْحَسَنُ الْبَصَرِيُّ صَحِبَ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ اَنَسٌ خَادِمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَافِظُ السُّنَّةِ یعنی حضرت حسن بصری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صحبت اختیار کی، ان صحابہ میں انس بن مالک ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور سنت کے حافظ ہیں (الانتباہ فی سلاسل الاولیاء صفحہ ۱۳)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا حسن بصری کو سیدنا انس بن مالک کی صحبتِ خاص طویل عرصے تک حاصل رہی اور حضرت انس بن مالک اس امت کے مرشدِ خاص ہیں۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سَلُوا الْحَسَنَ فَإِنَّهُ حَفِظَ وَ نَسِيْنَا یعنی حسن سے پوچھا کرو، اس کا حافظہ مضبوط ہے اور ہم بعض اوقات بھول جاتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۴)۔ آستانے کو عربی میں زاویہ کہتے ہیں اور زاویہ کی یہ اصطلاح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گاؤں کے نام سے ہی رائج کی گئی ہے:

كَانَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي قَصْرِهِ أَحْيَانًا يُجَمِّعُ وَأَحْيَانًا لَا يُجَمِّعُ، وَهُوَ بِالزَّاوِيَةِ عَلَىٰ فَرْسَخَيْنِ [البخاری قبل حدیث رقم: ۹۰۲ ترجمۃ الباب]۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے محل میں کبھی جمعہ کی نماز پڑھاتے اور کبھی نہ پڑھاتے اور ان کا محل زاویہ کے مقام پر دو فرسخ کے فاصلے پر تھا۔

جہاں تک حصولِ فیض کا تعلق ہے تو یہ چیز حضرت حسن بصری کو ایک سو بیس (۱۲۰) صحابہ علیہم الرضوان سے حاصل ہے۔ ان صحابہ میں سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا ابو موسیٰ، سیدنا ابو بکرۃ، سیدنا عمران بن حصین، سیدنا جندب، سیدنا ابن عمر، سیدنا ابن عباس، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص، سیدنا معاویہ، سیدنا معقل بن یسار، سیدنا انس بن مالک اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہم شامل ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۴، الانتباہ فی سلاسل الاولیاء صفحہ ۱۶۲)۔

یہ بھی واضح ہو گیا کہ سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ذریعے جاری ہونے والے

سلاسل کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ارتباط سیدنا علی کریم رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات پر موقوف نہیں۔ یہ ایک اعزاز ضرور ہے لیکن سند اور سلسلہ کا اتصال انہیں دوسرے صحابہ کے ذریعے بھی میسر ہے۔اس لیے کہ آپ ۲۰ ہجری میں پیدا ہوئے، جب ۲۰ سال کے تھے کہ سیدنا علی کریم رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی۔اس کے بعد آپ ۷۰ سال زندہ رہے اور ۹۰ سال کی عمر میں ۱۱۰ ہجری میں وفات پائی اور یہ سارا زمانہ صحابہ کرام کا زمانہ ہے۔

کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ ان تمام صحابہ سے اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمیت تمام خلفاء راشدین سے صرف سیدنا حسن بصری نے ہی فیض حاصل کیا اور کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت حبیب عجمی قدس سرہ العزیز نے صرف حضرت حسن بصری سے ہی فیض پایا اور کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت داؤد طائی قدس سرہ نے صرف اور صرف حضرت حبیب عجمی سے ہی فیض پایا۔ایک ایک بزرگ کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں مشائخ علیہم الرضوان کی صحبت میسر رہی اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلاسل طریقت کے مخصوص شجرے آج تک قطعیت کے ساتھ بیان نہیں ہوسکے۔ہاں سہولت کی خاطر ہر دور میں ایک ایک اہم ہستی کا نام منتخب کر کے شجرے تیار کر دیے گئے اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں تھی۔لیکن اگر کوئی شخص انہیں قطعیت کا درجہ دے یا باقی صحابہ و تابعین و تبع تابعین کو ولایت اور فیض سے خالی سمجھے تو یہ اس کی طرف سے ناانصافی اور زیادتی بلکہ بے ادبی ہوگی۔

ایک ایک تابعی کی سینکڑوں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ملاقات صحبت اور شاگردی ثابت ہے۔تو پھر کثیر صحابہ کا فیض کثیر سلاسل میں موجود سمجھنا کونسا شجر ممنوعہ ہے۔بعض سلسلوں کا شہرت پا جانا دیگر سلاسل کی نفی کے لیے کافی نہیں ہے۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ: حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ کو حضرت عمران بن موسیٰ اور حضرت زید راعی سے بھی خلافت حاصل تھی۔ حضرت زید راعی کو حضرت خواجہ اویس قرنی سے خلافت ملی تھی اور حضرت معمر الجیلی رضی اللہ عنہ سے بھی خلافت ملی تھی جن کا شمار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتا ہے (اقتباس الانوار صفحہ ۲۴۷)۔گویا یہ سلسلہ بھی خلفاءِ راشدین کے علاوہ ایک صحابی سے شروع ہو رہا ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امام اہلِ سنت فرماتے ہیں : ایک سلسلہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے، ایک عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے، ایک عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ایک عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تھا (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت صفحہ ۴۴۴)۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نہایت فراغت کے ساتھ اس امت کی اصلاح فرمائی اور کوفہ میں ہزاروں لوگوں کو فیض یاب فرمایا۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بے شمار تابعین تک آپ کا فیض بالواسطہ یا بلا واسطہ جاری ہوا۔

ناصر بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بلخ میں گئے اور انہی کی اولاد میں سے حضرت ابراہیم بن ادھم پیدا ہوئے جن کا نسب اس طرح ہے۔ابراہیم بن ادھم بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔یہی وہ حضرت ناصر بلخی ہیں جن کے دوسرے بیٹے ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمت اللہ علیہ پیدا ہوئے۔فقیر کا گمان یہ ہے کہ قلندری سلسلہ کے بانی یہی حضرت ادھم قدس سرہ ہیں جو سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے ہیں۔یہ ہاتھ میں کشکول رکھتے تھے۔لیکن بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ قلندری سلسلے کے بانی محمد قلندر نامی ایک بزرگ ہیں، جنہوں نے یہ شعر لکھا ہے:

ما ز دریا یم دریا ہم ز ماست
ایں سخن داند کسے کو آشنا است

ترجمہ: ہم دریا سے ہیں اور دریا بھی ہم سے ہے، یہ بات وہی جانتا ہے جو آشنا ہے۔

(انوار الاقتباس صفحہ ۶۵)۔

ہاشمی خاندان کے ایک عظیم چشم و چراغ، عظیم تابعی، حضرت پیر عبدالرحمن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم ہندوستان میں تشریف لائے ان کے سگے چچا کا خون نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر معاف فرمایا تھا (مسلم حدیث : ۲۹۵۰)۔ان کا مزار پر انوار ضلع جھنگ تحصیل احمد پور سیال میں ہے اور ان کا قصبہ پیر عبدالرحمن کے نام سے ہی مشہور ہے۔اس مزار سے حضرت داتا گنج بخش، حضرت عثمان مروندی المعروف بہ لعل شہباز قلندر، حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر، حضرت سلطان باہو اور دیگر بے شمار صوفیاء نے

چلے کاٹ کاٹ کر فیض حاصل کیا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت پیر عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ ۳۷ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰۱ ہجری میں وصال فرمایا۔

تابعین میں چوٹی کے اولیاء مندرجہ ذیل ہیں: حضرت سیدنا اویس قرنی، حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن مسیب، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت کمیل بن زیاد، حضرت معاویہ بن یزید، حضرت عبداللہ بن مبارک ، حضرت عمرو بن شرحبیل ہمدانی ، حضرت سعید بن جبیر ، حضرت امام زین العابدین ، حضرت امام باقر، حضرت سفیان ثوری ، حضرت امام محمد بن حنفیہ، حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر، حضرت امام جعفر صادق، امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت حبیب عجمی ، حضرت ابو حازم مدنی ، حضرت حبیب بن سلیم راعی اور بے شمار دوسرے تابعین جنھوں نے دنیا کے کونے کونے میں جا کر اسلام پھیلایا اور خدا کی مخلوق کو فیضانِ مصطفوی سے سیراب کیا۔

انکے فوراً بعد حضرت داؤد طائی (م ۱۶۵ھ)، حضرت ابراہیم بن ادھم (م ۱۶۳ھ)، حضرت عبدالواحد بن زید (م ۱۷۷ھ)، حضرت امام مدینہ امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) کا دور آتا ہے۔

اس کے فوراً بعد، حضرت امام محمد موسیٰ کاظم (م ۱۸۳ھ)، حضرت فضیل بن عیاض (م ۱۸۷ھ)، حضرت شفیق بلخی (م ۱۹۴ھ)، حضرت معروف کرخی (م ۲۰۰ھ)، امام محمد بن ادریس شافعی (م ۲۰۴ھ) علیہم الرحمۃ۔

ان سے متصل بعد حضرت ابوتراب رملی (م ۲۱۳ھ)، حضرت ابوسلیمان عبدالرحمن دارانی (م ۲۱۵ھ)، حضرت احمد بن ابی الحواری (م ۲۲۰ھ)، حضرت حاتم اصم (م ۲۲۷ھ) ، حضرت بشر حافی (م ۲۲۹ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۲ھ)، حضرت حارث بن اسد محاسبی (م ۲۴۳ھ)، حضرت ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ) وغیرہم علیہم الرحمۃ کا دور ہے۔

ان سے متصل بعد حضرت ابوتراب بخشی (م ۲۴۵ھ)، حضرت احمد بن خضرویہ بلخی (م ۲۴۶ھ)، حضرت سری سقطی (م ۲۵۳ھ)، حضرت ابویزید بسطامی (م ۲۶۱ھ)، حضرت یحییٰ بن معاذ رازی (م ۲۵۸ھ)، حضرت ابوحفص حداد (م ۲۶۴ھ)، حضرت سہل بن عبداللہ تستری (م ۲۸۳ھ) وغیرہ علیہم الرضوان کا دور ہے۔

ان کے فوراً بعد حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۹۷ھ میں ہوئی۔ آپ

کے معاصرین مشائخ میں حضرت ابو حمزہ بغدادی (م ۲۸۹ھ)، حضرت حمزہ خراسانی (م ۲۹۰ھ)، حضرت عمر بن عثمان مکی (م ۲۹۱ھ)، حضرت ابراہیم خواص (م ۲۹۱ھ)، حضرت ابو الحسن نوری (م ۲۹۵ھ)، حضرت ابو عثمان حیری (م ۲۹۸ھ)، حضرت شاہ شجاع کرمانی (م ۲۹۸ھ)، حضرت ابو عبداللہ مغربی (م ۲۹۹ھ)، حضرت ممشاد دینوری (م ۲۹۹ھ)، حضرت ابو العباس احمد بن محمد مسروق (م ۲۹۹ھ)، حضرت ابو محمد رویم (م ۳۰۳ھ) اور حضرت یوسف بن حسین (م ۳۰۴ھ) وغیرہم شامل ہیں علیہم الرحمۃ والرضوان۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس عرصہ میں کتنے مشائخ نے کتنے مشائخ سے فیض حاصل کیا ہوگا اور کس قدر مرکب سلاسل جاری ہوئے ہوں گے جب کہ اس دور تک محض صحبت سے ہی فیض جاری ہوتا تھا (الانتباہ صفحہ ۲، ۳)۔

اویسی سلسلہ

محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض کا اجراء دو طریقوں سے ہوا۔ ایک صحبت کے ذریعے سے جیسے تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان نے محبت میں رہ کر ہی فیوض و برکات حاصل کیے اور درجہ بہ درجہ تربیت پائی۔ دوسرے محبت کے ذریعے۔ جیسے خیر التابعین سیدنا اویس قرنی رضی اللہ علیہ نے دور بیٹھ کر صرف صحبت اور اتباع کے ذریعے فیض حاصل کیا۔ آج بھی جب کسی بزرگ سے ملاقات کیے بغیر روحانی طور پر یا ان کی قبر سے فیض حاصل کیا جائے تو اس طریقے کو اویسی طریقہ کہا جاتا ہے۔

خیر التابعین حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو صحابہ کرام خصوصاً سیدنا فاروقِ اعظم اور سیدنا علی المرتضیٰ کی صحبت کثرت سے ملی۔ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ کو حضرت عمران بن موسیٰ اور حضرت زید راعی سے بھی خلافت حاصل تھی۔ حضرت زید راعی کو حضرت خواجہ اویس قرنی سے خلافت ملی تھی (انوار الاقتباس صفحہ ۲۴۷)۔

ائمہ اربعہ کے سلاسلِ طریقت

صوفیاء نے اور خصوصاً داتا صاحب نے کشف المحجوب میں ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ،

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ کو صوفیاء میں شمار کیا ہے اور ان کے عنوانات قائم کر کے ان کے صوفیانہ کمالات اور تعلیمات کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر ان بزرگوں کے مشائخ اور ان کے سلسلۂ طریقت کو بیان نہیں کیا جاتا۔ آیئے! ٹھوس شواہد کی روشنی میں ہم ان کے سلسلے بیان کرتے ہیں۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے فیض حاصل کیا جو حضرت قاسم بن محمد بن بکر کے خلیفہ ہیں اور وہ حضرت سلمان فارسی کے اور وہ سیدنا صدیق اکبر کے خلیفہ ہیں۔ امامِ اعظم کا دوسرا سلسلہ، سلسلۃ الذہب ہے جو ائمۂ اہل بیت کے ذریعے سیدنا علی المرتضیٰ تک جاتا ہے۔ آپ کا تیسرا سلسلہ براہِ راست حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منسلک ہے۔ چوتھا سلسلہ حضرت حماد، ابراہیم اور علقمہ کے ذریعے سیدنا ابنِ مسعود تک پہنچتا ہے۔ پانچواں سلسلہ حضرت سعید بن جبیر کے ذریعے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ آپ نے کئی صحابۂ کرام سے فیض حاصل کیا، ہر ایک سے جداگانہ سلسلہ کا اجراء ثابت ہو رہا ہے، اور بے شمار تابعین سے فیض حاصل کیا ہے جو خلفائے اربعہ سمیت بے شمار صحابہ سے فیض یاب ہیں رضی اللہ عنہم۔ دوسری طرف حضرت داؤد طائی رحمت اللہ علیہ کو امامِ اعظم سے شرفِ تلمذ حاصل رہا اور مسلسل بیس سال ان سے پڑھتے رہے (تذکرۃ الاولیاء صفحہ:۱۴۶)۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی کئی مشائخ سے مستفیض ہوئے۔ ایک سلسلہ اس طرح ہے۔ امام مالک نے دنیائے اسلام کے معروف صوفی حضرت عبداللہ بن دینار سے فیض حاصل کیا۔ عبداللہ بن دینا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فیض پایا۔ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پایا۔ بلکہ یہ سند تو موطا امام مالک میں بھی مذکور ہے۔ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ (موطا امام مالک صفحہ ۱۵۷)۔ آپ حضرت یحییٰ بن سعید کے ذریعے حضرت سعید بن مسیب سے بھی مستفیض ہوئے جو تابعی ہیں (مؤطا صفحہ ۱۶۴) اور بقول داتا صاحب ایک عظیم صوفی بزرگ ہیں۔ حضرت سعید بن مسیّب نے سیدنا فاروقِ اعظم اور عثمانِ غنی دونوں سے فیض حاصل کیا (مؤطا امام مالک صفحہ ۱۳۶)۔ آپ نے بھی بے شمار تابعین سے فیض حاصل کیا اور ان گنت صحابہ تک آپ کی سند پہنچتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ، عن مسلم، عن ابن جریج، عن عطا، عن ابن زبیر، عن ابی بکر صدیق (حلیۃ الاولیاء جلد ۷ صفحہ ۲۷۴)۔ آپنے امام مالک اور دیگر اولیاء علیہم الرحمۃ سے بھی فیض پایا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ذوالنون مصری، حضرت بشر حافی، حضرت سری سقطی اور حضرت معروف کرخی علیہم الرحمۃ سے فیض حاصل کیا (کشف المحجوب صفحہ ۱۲۳)۔ حضرت ذوالنون مصری نے امام مالک سے مؤطا پڑھی۔ بشر حافی نے حضرت فضیل بن عیاض سے خاص صحبت پائی، حضرت فضیل بن عیاض نے حضرت شیخ المشائخ ابوغیاث بن منصور بن معمر سلمی کوفی سے خلافت حاصل کی، انہوں نے شیخ محمد بن حبیب نوفلی سے خلافت حاصل کی، انہوں نے حضرت شیخ حبیب مطعم قرشی سے خلافت حاصل کی اور حضرت شیخ حبیب قرشی نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خلافت پائی (اقتباس الانوار صفحہ ۲۳۵)۔ حضرت سری سقطی اور حضرت معروف کرخی علیہما الرحمۃ کے ذریعے یہ سلسلہ معروف طریقے سے سیدنا علی کریم رضی اللہ عنہ اور بے شمار صحابہ تک بھی جاتا ہے۔

ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ کے سلاسل: صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، مسعودی، عباسی، انسی وغیرہ ثابت ہوئے۔

نوری سلاسلِ طریقت

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۵ھ) حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کے ہم عصر ہیں۔ دونوں کی آپس میں ملاقات رہی اور بقول حضرت علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوالحسن نوری نسبتاً بلند رتبہ بزرگ تھے (نفحات الانس صفحہ ۲۲۳)۔ آپ حضرت سری سقطی، حضرت ابن ابی الحواری، شیخ محمد قصاب اور حضرت ذوالنون مصری کی صحبت میں رہے (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۵۹، نفحات الانس صفحہ ۲۲۳)۔ حضرت ذوالنون حضرت امام مالک کی صحبت میں رہے اوران سے مؤطا پڑھی (نفحات الانس صفحہ ۱۶۲)۔ وہ امام ابوحنیفہ کی صحبت میں رہے اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہے۔

حضرت ابوالحسین نوری علیہ الرحمۃ کا دوسرا سلسلہ اس طرح ہے: حضرت ابوالحسین

نوری، ابن ابی الحواری کی صحبت میں رہے۔ حضرت ابن ابی الحواری علیہ الرحمہ، حضرت ابوسلیمان عبدالرحمن بن عطیہ دارانی علیہ الرحمۃ کی صحبت میں رہے (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۴۹، طبقاتِ صوفیہ صفحہ ۱۹۲)۔ حضرت ابوسلیمان دارانی نے یحییٰ بن سعید انصاری سے فیض حاصل کیا (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۵۶)۔ حضرت یحییٰ بن سعید نے حضرت انس بن مالک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا (مسندِ امامِ اعظم حدیث: ۱۳۲)۔ حضرت ابوسلیمان دارانی نے براہِ راست حضرت معاذ بن جبل سے بھی علم حاصل کیا (تذکرۃ الاولیاء صفحہ: ۱۵۴)۔

تیسرا سلسلہ اس طرح ہے کہ: حضرت یحییٰ بن سعید نے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر سے فیض پایا اور وہ نقشبندی سلسلہ کے معروف شیخ ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۴۸)۔

چوتھا سلسلہ اس طرح ہے کہ حضرت یحییٰ بن سعید نے حضرت سعید بن مسیب قدس سرہٗ سے فیض حاصل کیا (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۴۸)۔

حضرت ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ کا پانچواں سلسلہ حضرت سری سقطی کے ذریعے خلفائے اربعہ، حضرت انس بن مالک بلکہ بے شمار صحابہ تک پہنچتا ہے۔

☆......☆......☆

مناقب اُم المومنین عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مناقب اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

قرآن میں فضائل

اللہ کریم جل جلالہ کا ارشادِ گرامی ہے: اَلنَّبِيُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَ اَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ یعنی نبی مومنوں کی جانوں سے بھی بڑھ کر ہے اور اسکی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں (الاحزاب:٦)۔

اس آیت میں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مومنوں کی جانوں سے بڑھ کر ہونا اور اسکے فوراً بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کا مومنوں کی مائیں ہونا مذکور ہوا ہے۔ ان دونوں باتوں کا آپس میں تعلق یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپکی ازواجِ مطہرات کا ادب بھی اسی اَولوِیّت کی بناء پر لازم ہے اور انکے ساتھ نکاح کی کسی امتی کو اجازت نہیں، اور انہیں اپنی مائیں تسلیم نہ کرنا ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِيۡ فِيۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا وَقَرۡنَ فِيۡ بُيُوۡتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِيَّةِ الۡاُوۡلٰى وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيۡنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا یعنی اے نبی کی بیویو، آپ عام عورتوں میں سے کسی ایک کی طرح بھی نہیں ہو اگر تم اللہ سے ڈرو، پس اپنی آواز کو نرم نہ رکھو تا کہ جس کے دل میں مرض ہے ایسا آدمی طمع نہ کر سکے اور اچھی بات کہو، اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو، اور زمانہِ جاہلیت کی طرح بے پردہ ہو کر نہ نکلو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اے اہلِ بیت اللہ چاہتا ہے کہ آپ لوگوں سے ہر الزام کو دور کر دے اور آپ کو خوب پاک کر دے (الاحزاب: ٣٢، ٣٣)۔

ان دو آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو نصیحت فرمائی جارہی ہے اور پوری عبارت پڑھ کر دیکھ لیجیے، حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اہلِ بیت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت ہونا قرآن کی اس نص سے ثابت ہے اوران کے اہلِ بیت ہونے کا انکار کفر ہے۔ دوسری طرف حدیث شریف کی روشنی میں حسنین کریمین، سیدۃ النساء اور سیدنا علی کریم رضی اللہ عنہم کا اہلِ بیت ہونا بھی تصریح کے ساتھ ثابت ہے۔ ازواجِ مطہرات کے اہلِ بیت ہونے کا انکار رافضیت ہے اور مذکورہ چار ہستیوں کے اہلِ بیت ہونے کا انکار خارجیت ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر منافقین نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف پراپیگنڈا کیا اوران پر الزام تراشی کی۔ آپکی پاکدامنی واضح کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کے دو رکوع نازل فرمائے اور الزام لگانے والوں میں سے ہر ایک کو اَسی (۸۰) کوڑے مارنے کا حکم دیا (ملاحظہ ہو سورۃ نور آیت نمبر ۴)۔ آپ دنیا کی واحد انسان ہیں جن کو اللہ کریم نے اپنے اس قدر طویل کلام سے عزت بخشی۔ قیامت تک ان آیات کی تلاوت ہوتی رہے گی۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں: لَوْ لَمْ یَکُنْ لِعَائِشَةَ مِنَ الْفَضَائِلِ اِلَّا وَقْعَةُ الْاِفْكِ لَكَفٰى بِهَا فَضْلًا وَ عُلُوَّ مَجْدٍ فَاِنَّهَا نَزَلَ فِيْهَا مِنَ الْقُرآنِ مَا يُتْلٰى اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ یعنی اگر حضرت عائشہ کے فضائل میں واقع افک کے سواء کچھ بھی نہ ہوتا تو یہی ایک واقعہ آپکی فضیلت اور بلند مرتبے کے لیے کافی تھا، آپکے حق میں قرآن کی ایسی آیات نازل ہوئی ہیں جنکی تلاوت قیامت تک جاری رہے گی (اسد الغابۃ جلد ۶ صفحہ ۲۷۹)۔

آج جو شخص اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی میں شک کرتا ہے وہ قرآن کی ان آیات کا منکر ہے لٰہذا بلا شبہ وہ کافر ہے۔ گویا آپ رضی اللہ عنہا کو اپنی ماں نہ سمجھنا ،آپ کو اہلِ بیت میں سے نہ سمجھنا اور آپ پر الزام لگانا تینوں الگ الگ کفر ہیں۔

اہم کوائف

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان کی

والدہ کا نام حضرت اُمِ رومان رضی اللہ عنہا ہے۔آپ بعثت سے چار سال بعد پیدا ہوئیں (الاصابہ صفحہ ۲۵۷۳)۔

آپ خود فرماتی ہیں کہ : میرا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس وقت ہوا جب میں چھ سال کی تھی، رخصتی اس وقت ہوئی جب میں نو سال کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال اس وقت ہوا جب میں اٹھارہ سال کی تھی (مستدرک حاکم : ۶۸۳۵، بخاری : ۳۸۹۴، الاصابہ صفحہ ۲۵۷۴)۔آپ دوسرے نمبر پر اُم المومنین بنی تھیں (الاصابہ صفحہ ۲۵۷۴)۔

احادیث میں آپ کے مناقب اور خصائص

(۱)۔آپ رضی اللہ عنہا کے سواء نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کنواری خاتون سے نکاح نہیں فرمایا لَمْ یَتَزَوَّجْ بِکْرًا غَیْرَھَا (بخاری:۵۰۷۷)۔

(۲)۔عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا اَنَّھَا قَالَت قَالَ رَسُولُ اللہِ ﷺ : اُرِیتُكِ فِي الْمَنَامِ ثَلٰثَ لَیَالٍ جَآءَنِي بِكِ الْمَلَكُ فِي سَرَقَةٍ مِن حَرِیرٍ، یَقُولُ ھٰذِہِ امْرَءَتُكَ فَاَكْشِفُ عَن وَجھِكِ فَاِذَا اَنتِ ھِيَ، فَاَقُولُ اِنْ یَّكُ ھٰذَا مِن عِندِ اللہِ یُمْضِہٖ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم تین راتوں تک مجھے خواب میں دکھائی جاتی رہی۔میرے پاس ایک فرشتہ تمہیں ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لاتا تھا۔کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے۔میں تمہارے چہرے سے کپڑا اٹھاتا تھا تو وہ تم ہوتی تھی۔میں کہتا تھا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ ایسا کر ہی دے گا (بخاری:۵۱۲۵، مسلم:۶۲۸۳)۔

ترمذی شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ مجھے کہا گیا کہ : اِنَّ ھٰذِہٖ زَوجَتُكَ فِي الدُّنیَا وَالْآخِرَةِ یعنی یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ ہے (ترمذی حدیث نمبر ۳۸۸۰)۔

(۳)۔عَنْ عُروَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ یَتَحَرَّوْنَ بِھَدَایَاھُم یَومَ عَائِشَةَ قَالَت عَائِشَةُ : فَاجتَمَعَ صَوَاحِبِي اِلٰی اُمِّ سَلَمَةَ فَقُلنَ یَا اُمَّ سَلَمَةَ وَاللہِ اِنَّ النَّاسَ یَتَحَرَّوْنَ بِھَدَایَاھُم یَومَ عَائِشَةَ وَاِنَّا نُرِیدُ الْخَیْرَ كَمَا تُرِیدُہٗ عَائِشَةُ فَمُرِي رَسُولَ اللہِ ﷺ اَنْ یَّأْمُرَ النَّاسَ اَنْ یُّھْدُوا اِلَیْہِ حَیْثُمَا كَانَ اَوحَیثُ مَا دَارَ،

قَالَت فَذَكَرتُ ذٰلِكَ اُمُّ سَلمَةَ لِلنَّبِيَّا قَالَت فَاَعرَضَ عَنِّي ، فَلَمَّا عَادَ اِلَيَّ ذَكَرتُ لَهُ ذَاكَ فَاَعرَضَ عَنِّي فَلَمَّا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ ذَكَرتُ لَهُ ، فَقَالَ : يَا اُمَّ سَلمَةَ لَا تُؤذِينِي فِي عَائِشَةَ ، فَاِنَّهُ وَاللهِ مَا نَزَلَ عَلَيَّ الوَحيُ وَاَنَا فِي لِحَافِ امرَأَةٍ مِنكُنَّ غَيرَهَا یعنی حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دن زیادہ سے زیادہ نذرانے بھیجا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ : میری صاحبات (دوسری ازواجِ مطہرات) اُمِ سلمہ کے پاس جمع ہو گئیں اور کہنے لگیں اے اُمِ سلمہ! اللہ کی قسم لوگ عائشہ کے دن زیادہ تحائف بھیجتے ہیں حالانکہ ہم بھی عائشہ ہی کی طرح بھلائی چاہتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کرو کہ لوگوں کو حکم دیں کہ میں جہاں بھی رہوں یا جہاں بھی جاؤں تحائف برابر بھیجا کرو۔ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات عرض کردی۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے چہرہِ انور پھیر لیا۔ پھر جب میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے دوبارہ وہی بات عرض کردی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ چہرہِ انور پھیر لیا۔ جب میں نے تیسری بار عرض کیا تو فرمایا: اے اُمِ سلمہ عائشہ کے بارے میں مجھے پریشان نہ کرو۔ اللہ کی قسم تم میں سے کسی کے لحاف میں ہوتے ہوئے مجھ پر وحی نہیں آتی سوائے عائشہ کے (بخاری: ۳۷۷۵، مسلم: ۶۲۸۹)۔

(۴)۔ اسی طرح کی ایک حدیث میں ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنھن نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے بھی سفارش کرائی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يَا بُنَيَّةُ أَلَا تُحِبِّينَ مَا أُحِبُّ قَالَتْ بَلٰى اے میری بیٹی کیا آپ اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں (بخاری: ۲۵۸۱، مسلم: ۶۲۹۰، ترمذی: ۳۸۷۹، نسائی: ۳۹۵۴)۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن نے اُم المومنین حضرت اُم سلمہ سے سفارش کرائی کہ ہمیں بھی عائشہ کی طرح سمجھا جائے، پھر سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سے سفارش کرائی، پھر حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا سے کہلوایا، اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ صدیقہ کو سخت

الفاظ بولے، محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا کہ شاید جواب دیں گی، سیدہ عائشہ صدیقہ بول پڑیں اور حضرت زینب کو جواب دے کر انہیں خاموش کر دیا، حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا اور فرمایا: اِنَّھَا بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ یعنی یہ ابوبکر کی بیٹی ہے (بخاری: ۲۵۸۱، مسلم: ۶۲۹۰، نسائی: ۳۹۵۴، ۳۹۵۵)۔

(۵)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تہجد کی نماز پڑھتے جبکہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سامنے لیٹی ہوتی تھیں (مسندِ احمد: ۲۴۱۴۳)۔

(۶)۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے دن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہی گھر تھا۔

(۷)۔ اس دن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی باری تھی۔

(۸)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں ہوا فَلَمَّا کَانَ یَوْمِیْ قَبَضَهُ اللهُ بَیْنَ سَحْرِیْ وَنَحْرِیْ (بخاری: ۴۷۷۳، مسلم: ۶۲۹۲)۔

(۹)۔ واحد ام المومنین ہیں جن کے ماں باپ دونوں مہاجر تھے۔

(۱۰)۔ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے اور ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسواک کی طرف دیکھا، میں نے کہا اے عبدالرحمن یہ مسواک مجھے دیں، انہوں نے مجھے دے دیا، میں نے اسے چبایا اور نرم کیا، پھر میں نے وہ مسواک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دے دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ مسواک استعمال کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے سینے سے ٹیک لگائی ہوئی تھی فَقَصَمْتُهُ ، ثُمَّ مَضَغْتُهُ ، فَاَعْطَیْتُهُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَاسْتَنَّ بِهٖ ، وَهُوَ مُسْتَنِدٌ اِلٰی صَدْرِیْ (بخاری: ۸۹۰)۔

اُم المومنین فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس قدر اچھی طرح مسواک کرتے ہوئے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، جیسے ہی آپ مسواک سے فارغ ہوئے آپ نے اپنی انگلی مبارک اٹھائی اور تین بار فرمایا: فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا، آپ فرمایا کرتی تھیں: مَا بَیْنَ حَاقِنَتِیْ وَذَاقِنَتِیْ (بخاری: ۴۴۳۸)۔

(۱۱)۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کی باری ہوتی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے گھروں

سے سب سے زیادہ تحائف اور ہدیہ جات اسی دن آتے تھے (بخاری: ۲۵۷۴، ۲۵۷۵، ترمذی: ۳۸۷۹)۔

(۱۲)۔آپ کی وجہ سے آیت تیمم نازل ہوئی۔ واقعہ اس طرح ہوا تھا کہ ایک سفر میں ام المومنین رضی اللہ عنہا کا ہار ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کو ٹھہرنا پڑ گیا۔ صحابہ کے پاس پانی نہیں تھا، وہ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آ کر شکایت کرنے لگے کہ دیکھیے آپ کی بیٹی نے کیا کیا؟ رسول اللہ ﷺ اُم المومنین کی گود میں سر رکھ کر سو گئے، حضرت ابوبکر صدیق نے ام المومنین پر ناراضگی کا اظہار فرمایا، جب رسول اللہ ﷺ جاگے تو پانی نہیں تھا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے تیمم والی آیت نازل فرمائی تو سب نے تیمم کیا، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے آلِ ابوبکر یہ آپ لوگوں کی کوئی پہلی برکت نہیں ہے (بخاری: ۳۳۴، ۳۳۶، مسلم: ۸۱۶، نسائی: ۳۰۹)۔

(۱۳)۔ایک مرتبہ عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا: عائشہ۔ انہوں نے عرض کیا مردوں میں سے؟ فرمایا: اس کے والد (بخاری: ۳۶۶۲، مسلم: ۶۱۷۷، ترمذی: ۳۸۸۵)۔

ایک مرتبہ جنگِ جمل کے دوران حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے حضرت ام المومنین کی بے ادبی کی، حضرت عمار نے فرمایا: أُغْرُبْ مَقْبُوحاً مَنْبُوحاً، أَتُؤْذِيْ حَبِيْبَةَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ یعنی دفع ہو، بدآدمی، گالی دیے گئے شخص، تم رسول اللہ ﷺ کی محبوبہ کو اذیت دیتے ہو؟ (ترمذی: ۳۸۸۸)۔

(۱۴)۔عَنْ أَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں میں سے بہت سے لوگ کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے کوئی کامل نہیں ہوئیں سوائے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے اور بے شک عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسے

ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر (بخاری: ۳۴۱۱، ۳۴۳۳، مسلم: ۶۲۷۲، ترمذی: ۱۸۳۴، نسائی: ۳۹۵۷، ابن ماجہ: ۳۲۸۰)۔

(۱۵)۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں: فُضِّلْتُ بِعَشْرٍ : فَذَ كَرَتْ مَجِیئَ جِبْرِیْلَ بِصُوْرَتِهَا ، وَ قَالَتْ : وَ لَمْ يَنْكِحْ بِكْراً غَيْرِیْ، وَلَا اِمْرَاَةً اَبَوَاهَا مُهَاجِرَانِ غَيْرِیْ، وَ اَنْزَلَ اللهُ بَرَاءَتِیْ مِنَ السَّمَاءِ، وَ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْیُ وَهُوَ مَعِی، وَ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَهُوَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَ كَانَ يُصَلِّیْ وَ اَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَ قُبِضَ بَيْنَ سَحْرِیْ وَ نَحْرِیْ فِیْ بَيْتِیْ وَ فِیْ لَيْلَتِیْ، وَ دُفِنَ فِیْ بَيْتِیْ یعنی میں دس چیزوں سے فضیلت دی گئی ہوں، حضرت جبریل کا میری صورت لا کر حضور کو دکھانا، میرے سواء حضور نے کسی کنواری سے نکاح نہیں فرمایا، میرے سواء کسی زوجہِ مطہرہ کے ماں باپ مہاجر نہیں تھے، اللہ نے میری پاکدامنی آسمان سے نازل فرمائی، حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی جبکہ آپ میرے ساتھ ہوتے تھے، میں اور حضور ایک ہی برتن میں غسل کرتے تھے، آپ تہجد پڑھتے تو میں سامنے لیٹی ہوتی تھی، آپ کا وصال ہوا تو آپ کا سر مبارک میرے سینہ پر تھا، میرا گھر تھا، میری رات تھی، آپ میرے گھر میں دفن ہوئے (الاصابہ صفحہ ۲۵۷۵)۔ یہ دس کی دس چیزیں گن کر دیکھ لیجیے، ان میں سے ہر بات صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

امام ذہبی علیہ الرحمہ نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کے نو خصائص روایت کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ اسکی سند جید ہے (سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)۔

(۱۶)۔ ایک مرتبہ حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ : اِنَّ جِبْرِیْلَ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ یعنی جبریل آپ کو سلام فرما رہے ہیں، آپ نے عرض کیا وَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، تَرٰی مَا لَا اَرٰی (بخاری: ۳۲۱۷، ۳۷۶۸، ۶۲۰۱، ۶۲۴۹، ۶۲۵۳، مسلم: ۶۳۰۱، ۶۳۰۲، ابوداؤد: ۵۲۳۲، ترمذی: ۲۶۹۳، ۳۸۸۱، ۳۸۸۲، نسائی: ۳۹۵۲، ۳۹۵۳، ۳۹۵۴، ابن ماجہ: ۳۶۹۶، ۳۹۶۴)۔

(۱۷)۔ حدیث شریف میں ہے کہ: محبوب کریم ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ ظاہریہ کے آخری دنوں میں جب ازواجِ مطہرات کے پاس باری باری تشریف لے جاتے تو فرماتے: اَیْنَ

اَنَا غَداً ، اَیْنَ اَنَا غَداً یعنی میں کل کہاں ہوں گا ، میں کل کہاں ہوں گا۔ حِرْصاً عَلٰی بَیْتِ عَائِشَۃَ ، فَلَمَّا کَانَ یَوْمِیْ سَکَنَ یعنی آپ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانے کی امید میں فرماتے تھے ، اور اُم المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب میرا دن آیا تو آپ سکون میں ہو گئے (بخاری: ۳۷۷۴، ۸۹۰، مسلم: ۶۲۹۲)۔

علمی مقام و مرتبہ

آپ تمام خواتین میں سب سے زیادہ فقیہ تھیں۔ آپ نے نبی کریم ﷺ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث روایت کی ہیں (سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۱۳۹)۔

آپ کا شمار کثرت سے روایت کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ عورتوں کے اکثر مسائل آپ ہی نے بیان فرمائے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ دین کا چوتھائی حصہ آپ ہی نے روایت فرمایا ہے۔

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ لَوْ جُمِعَ عِلْمُ النَّاسِ كُلِّهِمْ ثُمَّ عِلْمُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ لَكَانَتْ عَائِشَةُ أَوْسَعَهُمْ عِلْماً یعنی امام زہری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر تمام لوگوں کا علم جمع کر لیا جائے ، پھر تمام ازواجِ نبی کا علم بھی جمع کر لیا جائے تو عائشہ کا علم ان سب سے وسیع ہے (مستدرک حاکم: ۶۸۵۹)۔

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: كَانَتْ عَائِشَةُ أَفْقَهَ النَّاسِ، وَأَحْسَنَ النَّاسِ وَأَعْلَمَ النَّاسِ رَأْياً فِي الْعَامَّةِ یعنی عطاء تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: سیدہ عائشہ لوگوں میں سب سے بڑی فقیہ تھیں، سب سے زیادہ وجاہت والی تھیں اور رائے عامہ میں سب سے زیادہ علم والی تھیں (الاصابہ صفحہ ۲۵۷۴، الاستیعاب صفحہ ۹۰۲، مستدرک حاکم: ۶۸۷۳)۔

حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ: مَا رَأَيْتُ أَحَداً أَعْلَمُ بِفِقْهٍ وَلَا بِطِبٍّ وَلَا بِشِعْرٍ مِنْ عَائِشَةَ یعنی میں نے فقہ میں، طب میں اور شعروں میں عائشہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا (الاستیعاب صفحہ ۹۰۲، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۷۴، مستدرک حاکم: ۶۸۵۸، اسد الغابہ صفحہ ۱۳۸۴)۔

امام زہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: لَوْ جُمِعَ عِلْمُ عَائِشَةَ إِلَى جَمِيعِ أُمَّهَاتِ

الْمُؤْمِنِيْنَ وَ عِلْمُ جَمِيْعِ النِّسَآءِ، لَكَانَ عِلْمُ عَائِشَةَ اَفْضَل یعنی اگر تمام امہات المومنین اور تمام عورتوں کا علم جمع کیا جائے تو عائشہ کا علم افضل ہے (الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۷، الاستیعاب صفحہ ۹۰۲)۔

امام زہری فرماتے ہیں: کَانَتْ عَائِشَةُ اَعْلَمَ النَّاسِ یَسْئَلُهَا الْاَکَابِرُ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ تمام لوگوں سے بڑی عالمہ تھیں، رسول اللہ ﷺ کے اکابر صحابہ آپ سے سوال پوچھتے تھے (طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ صفحہ ۲۶)۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا اَشْكَلَ عَلَیْنَا اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ حَدِیْثٌ قَطُّ فَسَئَلْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْماً یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اصحابِ محمد ﷺ پر کسی حدیث کے بارے میں مشکل پڑتی تو ہم حضرت عائشہ سے پوچھتے، اس کا حل ہمیشہ ہمیں ان کے پاس مل جاتا تھا (ترمذی: ۳۸۸۳)۔

عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ رَأَیْتُ مَشِیْخَةَ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ یَسْأَلُوْنَهَا عَنِ الْفَرَائِضِ یعنی حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم میں نے اصحابِ محمد میں سے بڑے بڑے مشائخ کو حضرت عائشہ سے میراث کے بارے میں پوچھتے ہوئے دیکھا ہے (مستدرک حاکم: ۶۸۶۱)۔

فصاحت و بلاغت

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَا سَمِعْتُ الْكَلَامَ مِنْ فَمِ مَخْلُوْقٍ اَفْخَمَ وَلَا اَحْسَنَ مِنْهُ مِنْ فِیْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا یعنی میں نے کسی مخلوق کے منہ سے اتنا فصیح اور حسین کلام نہیں سنا جیسا حضرت عائشہ سے سنا (مستدرک حاکم: ۶۸۵۷، ۶۸۶۰)۔

حضرت موسیٰ بن ابی طلحہ فرماتے ہیں: مَا رَأَیْتُ اَحَداً اَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ یعنی میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (ترمذی: ۳۸۸۴)۔

ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ کی طرف دیکھا کہ کیا

جواب دیتی ہیں! حضرت عائشہ بول پڑیں اور حضرت زینب کو خاموش کرا دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ عائشہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: یہ ابوبکر کی بیٹی ہے حَتّٰی تَنَاوَلَتْ عَائِشَةَ وَهِيَ قَاعِدَةٌ فَسَبَّتْهَا حَتّٰى إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَنْظُرُ إِلٰى عَائِشَةَ هَلْ تَكَلَّمُ قَالَ فَتَكَلَّمَتْ عَائِشَةُ تَرُدُّ عَلٰى زَيْنَبَ حَتّٰى أَسْكَتَتْهَا قَالَتْ فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ إِلٰى عَائِشَةَ وَقَالَ: إِنَّهَا بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ (بخاری:۲۵۸۱)۔

سخاوت کا عالم

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایک لاکھ درہم نذرانہ بھیجا، آپ نے ساری رقم غربا میں تقسیم فرمادی۔ آپ نے خود روزہ رکھا ہوا تھا۔ آپ کی کنیز بریرہ نے عرض کیا: اتنی بڑی رقم تھی، آپ نے اپنی افطاری کیلئے کوئی چیز خریدی ہوتی۔ فرمایا: لَوْ كُنْتُ اذْكَرْتِنِي لَفَعَلْتُ تم مجھے پہلے یاددلاتی تو میں ایسا کر لیتی (مستدرک حاکم: ۶۸۷۰، الاصابہ صفحہ ۲۵۷۵، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۱۸۷)۔

کنیت

آپ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی کنیت اختیار کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِكْتَنِي بِابْنِكِ عَبْدِ اللهِ ابْنَ الزُّبَيْرِ یعنی اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام پر خود کو اُم عبداللہ کہہ لیا کرو (مسند احمد: ۲۵۴۰۷، المصنف لعبدالرزاق: ۱۹۸۵۹)۔

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہا

غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر منافقین نے آپ پر ناپاک الزام لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور بے گناہی ثابت کرنے کے لیے سورۃ نور کے دو رکوع نازل فرمائے (النور آیت نمبر ۱۱ تا آیت نمبر ۲۶)۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ جب نابینا ہو گئے تو ایک مرتبہ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دی اور

ان کا بڑا احترام فرمایا۔ جب حضرت حسان وہاں سے رخصت ہوئے تو بعد میں کسی نے اُم المومنین رضی اللہ عنہا سے عرض کیا۔ کیا یہ شخص آپ پر الزام لگانے والوں میں شامل نہیں تھا؟ آپ نے فرمایا: کیا اسی شخص نے نہیں کہا تھا کہ:

فَإِنَّ أَبِيْ وَوَالِدَهٗ وَعِرْضِيْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَآءُ

اس شعر نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیے ہیں هٰذَا الْبَيْتُ يَغْفِرُ لَهٗ كُلَّ ذَنْبٍ (بخاری: ۴۱۴۱، مسلم: ۷۰۲۱، الاستیعاب صفحہ ۹۰۳)۔

جنگِ جمل

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج پر تشریف لے گئیں تھیں کہ پیچھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ جب آپ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ مکہ میں ہی ٹھہر گئیں۔

خونِ عثمان کا بدلہ لینے کی غرض سے بے شمار لوگ آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مل گئے۔ اور آپ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ کسی کی رائے یہ تھی کہ ہم سب مل کر شام چلے جائیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر عثمان کے قاتلوں کو طلب کریں۔ کسی کی رائے یہ تھی کہ یہ معاملہ امیر معاویہ پر چھوڑ دیں وہ خود اس سے نمٹ لیں گے۔ ہم خاموش ہو جائیں۔ کسی کی رائے یہ تھی کہ ہم مدینہ شریف جائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ قاتلانِ عثمان ہمارے حوالے کر دیں۔ کسی کی رائے یہ تھی کہ ہم بصرہ جائیں اور وہاں جا کر اپنی فوجی قوت کو مضبوط کریں اور وہاں سے اپنے مطالبہ کی ابتداء کریں۔ بالآخر سب لوگ بصرہ جانے پر متفق ہو گئے۔

بصرہ کے باہر پہنچ کر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے بصرہ کے رئیس حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ عثمان کو حرمت والے شہر اور حرمت والے مہینے میں مظلوماً شہید کر دیا گیا ہے اور ہم ان کے قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

بصرہ کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے میں اُم المومنین کو اچھی خاصی مشکلات کا سامنا تھا۔ حضرت حارثہ بن قدامہ سعدی نے فرمایا کہ اے اُم المومنین! اللہ کی قسم ہمیں عثمان کے قتل ہو جانے کا بہت افسوس ہے مگر آپ کے اس اونٹ پر سوار ہو کر گھر سے باہر نکلنے کا

ہمیں عثمان کے قتل سے بھی زیادہ افسوس ہے۔

ادھر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھال لی اور اس وقت وہی اس کے حق دار تھے۔ مگر جن لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا وہ سب کے سب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں اس طرح شامل ہو گئے کہ ان کی شناخت ممکن نہ رہی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ سیدہ عائشہ صدیقہ، ان کے بہنوئی حضرت زبیر اور حضرت طلحہ بصرہ کو چلے گئے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ شریف کے جرنیلوں کو جمع فرما کر اس بات پر آمادہ کیا کہ زبیر اور طلحہ کو بصرہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

مگر اکثریت نے آپ کی بات کو تسلیم نہ کیا اور صرف چھ جرنیل آپ کے ساتھ متفق ہوئے جو عظیم صحابہ تھے۔ اسکے باوجود آپ نے بصرہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ راستے میں ربدہ کے مقام پر آپ کی ملاقات حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین مدینہ سے باہر مت نکلیں۔ اللہ کی قسم اگر آج آپ مدینہ سے باہر نکل گئے تو اسلامی حکومت مدینہ کی طرف قیامت تک نہیں لوٹ سکے گی۔ بعض لوگوں نے حضرت عبداللہ بن سلام کو برا بھلا کہا۔ سیدنا علی نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے اور بڑی عظمت کا مالک ہے۔

راستے میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی اپنے والدِ گرامی یعنی سیدنا علی کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے آپکو مفید مشورے دیے مگر آپ نے میری بات نہیں مانی۔ مجھے لگتا ہے کہ آپ خواہ مخواہ شہید کر دیے جائیں گے اور کوئی شخص آپ کی مدد نہیں کرے گا۔

آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری کون سی بات نہیں مانی؟ انہوں نے عرض کیا میں نے قتلِ عثمان سے پہلے نہیں کہا تھا کہ آپ مدینہ سے چلے جائیں ورنہ یہ قتل آپ کے ذمے لگ جائے گا؟ میں نے قتلِ عثمان کے بعد آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ لوگوں کو بیعت نہ فرمائیں جب تک تمام شہروں کے لوگ خود آپ کو مجبور نہ کریں؟ اور میں نے اُم المومنین عائشہ اور طلحہ، زبیر کے کھڑا ہونے کے بعد نہیں کہا تھا کہ جب تک یہ لوگ خود بخود معاملے کو سمجھ نہیں جاتے آپ چپ کر کے گھر بیٹھ جائیں؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ قتلِ عثمان سے پہلے مدینہ سے نکل جانے

والی بات کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے عثمان کا محاصرہ کر رکھا تھا انہی لوگوں نے میرا بھی محاصرہ کر رکھا تھا۔ میں گھر سے کیسے نکلتا۔ قتلِ عثمان کے بعد بیعت نہ لینے والی بات کا جواب یہ ہے کہ اگر میں بیعت نہ لیتا تو مسندِ خلافت خالی رہ جاتی حالانکہ خلافت فوری طور پر سنبھال لینا شرعاً واجب ہوتا ہے۔ میرے جنگ کے لیے نہ نکلنے والی بات کا جواب یہ ہے کہ میرے نکلنے سے پہلے بصرہ میں عائشہ کے حامیوں اور میرے حامیوں کے درمیان جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اب میرا نہ نکلنا، نکلنے سے زیادہ نقصان دہ تھا۔

بصرہ میں بے شمار مسلمانوں کی شہادت کی خبر سننے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ ان میں سے سب سے زیادہ شرارتی اور بدترین فرقہ وہ ہوگا جو مجھ سے محبت کرے گا مگر مجھ جیسے عمل نہیں کرے گا۔ اپنے اصل دین پر قائم رہو میرے طریقے پر چلتے رہو۔ میرا طریقہ تمہارے نبی والا طریقہ ہے۔ نبی کی سنت کا اتباع کرو۔ مشکوک چیزوں سے اجتناب کرو۔ پیچیدہ باتوں کا موازنہ قرآن سے کر کے دیکھ لو۔ جو بات قرآن کے موافق ہوا سے قبول کرلو اور جو بات قرآن سے ٹکرائے اسے رد کردو۔

اس وقت مسلمان چار مختلف طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک وہ تھے جو کوفہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ دوسرے وہ تھے جو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے ساتھ بصرہ میں تھے۔ تیسرے وہ تھے جو حضرت امیر معاویہ کے ساتھ شام میں تھے اور چوتھے حجاز والے تھے جو صلح چاہتے تھے اور کسی کا بھی ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ غیر جانبدار طبقہ سب سے اچھا ہے، باقی سب جھگڑے میں ملوث ہو گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک وقت فتنوں کا آئے گا جس میں بیٹھا آدمی کھڑے سے بہتر ہوگا۔ کھڑا آدمی چلتے سے بہتر ہوگا اور چلتا آدمی سوار سے بہتر ہوگا (بخاری: ۳۶۰۱)۔

حضرت عمار نے ابوموسیٰ کی سخت مخالفت کی اور غیر جانب دار رہنے کی بجائے حضرت عائشہ کے خلاف جنگ لڑنے پر زور دیا۔

اتنے میں ایک آدمی نے حضرت عائشہ کو گالی دی۔ حضرت عمار نے فرمایا: بکواس بند کر

ذلیل آدمی۔ اللہ کی قسم وہ دنیا میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں اور آخرت میں بھی۔ لیکن اللہ نے تمہیں امتحان میں ڈال دیا ہے کہ تم کس کی پیروی اور اطاعت کرتے ہو (ترمذی: ۳۸۸۸)۔ اور آپ نے بار بار فرمایا حتیٰ کہ کوفہ کے منبر پر بیٹھ کر فرمایا: اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّھَا زَوْجَتُہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ابْتَلَاکُمْ (بخاری: ۳۷۷۲، ۷۱۰۰، ۷۱۰۱، ترمذی: ۳۸۸۹)۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع بن عمرو کو حضرت طلحہ اور زبیر کی طرف بصرہ میں بھیجا تاکہ وہ انہیں الفت اور اتحاد پر آمادہ کریں اور تفرقہ بازی اور اختلاف سے ڈرائیں۔ حضرت قعقاع بصرہ پہنچے تو سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ سے ملے اور عرض کیا کہ اماں جان! آپ اس شہر میں کیوں تشریف لائی ہیں؟ انہوں نے فرمایا: بیٹا میں لوگوں کے درمیان کسی طریقے صلح کرانا چاہتی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ طلحہ اور زبیر کو بلوائیں۔ انہوں نے طلحہ اور زبیر کو بلوایا۔ حضرت قعقاع نے فرمایا کہ میں نے اُم المومنین سے بصرہ میں آنے کا سبب پوچھا ہے تو انہوں نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا میرا مقصود ہے۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے فرمایا ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: پھر مجھے اس کا طریقہ سمجھائیں۔ اللہ کی قسم ہمارا فائدہ اسی میں ہے۔ انہوں نے فرمایا: عثمان کے قاتل ہمارے حوالے کردو۔ اگر قاتل ہمارے حوالے نہ کیے گئے تو یہ قرآن کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ حضرت قعقاع نے فرمایا: تم نے بصرہ میں عثمان کے قاتلوں سے جنگ کرکے دیکھ لیا ہے۔ ان حالات میں عثمان کے قاتلوں کو چھیڑنا پہلے سے بھی بڑے فتنے کو جنم دے گا۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر آپ کا کیا مشورہ ہے۔ حضرت قعقاع نے عرض کیا کہ اسکا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے مؤقف سے دست بردار ہوجائیں اور حضرت علی سے بیعت کرلیں ورنہ دین کا سخت نقصان ہے۔ امتِ مسلمہ پہلے ہی کافی نقصان اٹھا چکی ہے۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ کی باتیں معقول ہیں۔ واپس علی کے پاس جاؤ۔ اگر انکے خیالات بھی یہی ہیں جو تمہارے ہیں تو مسئلہ حل ہوگیا۔ حضرت قعقاع نے واپس سیدنا علی کے پاس جاکر یہ سب باتیں بتادیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا علی المرتضیٰ کو صلح کا پیغام بھیجا۔ دونوں طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی مگر جلنے والے جل گئے۔ حضرت علی نے اس موقع پر لوگوں کو جمع فرمایا اور

زبردست خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ : اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بعد ہمیں ابوبکر صدیق کی خلافت پر متفق کر دیا۔ پھر انکے بعد عمر بن خطاب اور پھر عثمان کو خلیفہ بنایا۔ پھر قتلِ عثمان کا حادثہ پیش آ گیا جس میں دنیا کے طالبوں اور حاسدوں نے خلیفۂ وقت کو قتل کر کے اسلام کو نقصان پہنچایا۔ مگر اللہ کو یہی منظور تھا۔

میں کل اُم المومنین کے ساتھ صلح کے لیے جا رہا ہوں۔ عثمان کے قاتلوں میں سے کوئی شخص میرے ساتھ چلنے کی جرأت نہ کرے۔

اگلے دن صلح ہو گئی۔ سب لوگ مطمئن ہو گئے رات کو دونوں طرف کی فوجیں آرام سے سو گئیں۔ مگر خارجی ٹولہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا ساری رات شرارت سوچتا رہا۔ وہ تقریباً دو ہزار آدمی تھے۔ انہوں نے اپنی ٹیم کے دو حصے کر دیے۔ اور سورج نکلنے سے پہلے پہلے ایک ٹیم نے سیدنا علی کی فوج پر حملہ کر دیا اور دوسری ٹیم نے اُم المومنین کی فوج پر حملہ کر دیا۔ حضرت علی کی فوج نے یہ سمجھا کہ حضرت عائشہ نے حملہ کرا دیا ہے اور حضرت عائشہ کی فوج نے یہ سمجھا کہ حضرت علی نے حملہ کرا دیا ہے رضی اللہ عنہما۔ اصل صورتِ حال کا کسی کو علم نہ ہو سکا۔

دورانِ جنگ محبت اور تقویٰ کے عجیب مناظر دیکھنے میں آئے۔ حضرت عمار بن یاسر پھنس گئے اور حضرت زبیر کی تلوار کی زد میں آ گئے۔ حضرت عمار نے کہا اے ابوعبداللہ کیا آپ مجھے قتل کر دیں گے؟ حضرت زبیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان یاد آ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: اے عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ حدیث یاد کر کے حضرت زبیر نے فرمایا: اے ابو یقظان میں آپ کو ہرگز قتل نہیں کروں گا۔ انہوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ دونوں طرف کی فوجوں کا رویہ اس قدر مخلصانہ اور برادرانہ تھا کہ کوئی بھی شخص کسی زخمی کو مزید نہیں مارتا تھا اور نہ ہی کوئی کسی بھاگنے والے کا پیچھا کرتا تھا۔ اس کے باوجود دونوں طرف سے ہزاروں افراد شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُون

دونوں طرف سے شرافت کا مکمل مظاہرہ تھا مگر خارجی ٹولہ مکمل شرارت کے ساتھ پیش پیش تھا اور کسی سے نہیں رکتا تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہوا۔ جب انہوں نے مسلمانوں کی

گردنیں اڑتی ہوئیں دیکھیں تو اپنے بیٹے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو گلے سے لگا کر رونے لگے اور انا للہ پڑھا۔

آپ نے اپنے بیٹے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کاش تیرا باپ اس واقعہ سے بیس سال پہلے فوت ہو گیا ہوتا۔ انہوں نے عرض کیا ابا جان میں نے آپ کو بروقت منع کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: بیٹا مجھے امید نہیں تھی کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔

بالآخر اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو اس طرح احتیاط سے زخمی کر دیا گیا کہ اونٹ زمین پر گر جائے اور اُم المومنین کو چوٹ نہ لگے۔

حضرت اُم المومنین کے بھائی محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے۔ جب آپ کے اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں تو آپ کے بھائی محمد بن ابی بکر آپ کے پاس گئے اور آپ کی خیریت دریافت فرمائی۔ آپ نے فرمایا: میں ٹھیک ہوں مگر تم پر مجھے بہت افسوس ہے۔ پھر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور سلام عرض کر کے کہا امی جان آپ کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا: میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ انہوں نے عرض کیا آپ میری ماں ہونا پسند نہ کریں پھر بھی آپ میری ماں ہونے سے انکار نہیں کر سکتیں۔ جب میں مومن ہوں تو آپ میری ماں کیسے نہیں؟ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، سلام عرض کیا اور فرمایا: اماں جان آپ کا کیا حال ہے؟ کَیْفَ اَنْتِ یَا اُمَّہٗ۔ آپ نے سیدنا علی کو نہیں ڈانٹا۔ آرام سے جواب دیا کہ میں ٹھیک ہوں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بصرہ میں تین دن تک ٹھہرے رہے۔ آپ نے دونوں طرف سے شہید ہونے والوں پر نمازِ جنازہ پڑھی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ طلحہ اور زبیر کا مال ہم آپس میں غنیمت کے طور پر تقسیم کریں۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انکار فرما دیا۔ ایک سبائی نے درمیان میں شرارت کی اور کہنے لگا جب ان کا خون حلال ہے تو ان کا مال کیوں حلال نہیں؟ یہ بات سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: تم میں سے کون چاہے گا کہ اُم المومنین کو اپنے حصے میں لے؟ تمام لوگ خاموش ہو گئے۔

اُم المومنین رضی اللہ عنہا کو جب دونوں طرف سے شہید ہونے والوں کے نام بتائے جاتے تو آپ افسوس کا اظہار کرتیں اور ان کے لیے باری باری دعائے مغفرت فرماتی تھیں۔

پھر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اُم المومنین کو بصرہ میں چالیس معزز خواتین اور اُم المومنین کے بھائی محمد بن ابی بکر کی ہمراہی میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ واپس بھیجنے کا بندوبست فرمایا۔

اُم المومنین کو کسی کے گھر میں ٹھہرایا گیا تھا۔ الوداع کرنے کا وقت آیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود زیارت کے لیے پہنچے۔ آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور دوسرے بے شمار لوگ بھی جمع ہو گئے۔ آپ گھر سے نکل کر اونٹ کے کجاوے میں بیٹھ گئیں اور فرمایا: اللہ کی قسم میری اور علی کی جنگ گھریلو غلط فہمی جیسی حیثیت رکھتی ہے، ہمارے اخلاص میں کوئی شک نہیں۔ سیدنا علی نے یہ بات سنی تو فرمایا: اللہ کی قسم اُم المومنین نے سچ فرمایا ہے۔ بات بالکل اسی طرح ہے۔ یہ دنیا اور آخرت میں تمہارے نبی کی زوجہ ہے۔ سیدنا علی کریم رضی اللہ عنہ کئی میل تک ساتھ پیدل چلتے گئے اور اپنے دونوں شہزادوں کو بھی اماں جان کے ساتھ بھیجا۔ اُم المومنین مکہ میں تشریف لے گئیں۔ اگلے سال حج تک وہاں ٹھہری رہیں اور پھر مدینہ منورہ میں تشریف لے گئیں۔

اس جنگ میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما دونوں جلیل القدر صحابی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ یہ دونوں صحابی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ یعنی محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے رنجش نکال دے گا اور طلحہ و زبیر میرے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَ نَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ اِخۡوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ یعنی ہم ان کے دلوں سے رنجش نکال دیں گے یہ آپس میں بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت طلحہ، زبیر، عثمان اور علی پر زبان درازی کرتا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اسے منع فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے میرے بھائیوں پر بکواس نہ کیا کرو۔ وہ شخص باز نہ آیا۔ حضرت سعد کھڑے ہو گئے اور دو نفل پڑھے اور یہ

دعا فرمائی کہ: اے اللہ اگر تجھے اس کی باتیں بری لگتی ہیں تو اس شخص کو لوگوں کے لیے عبرت بنا دے اور آج ہی تماشا دکھا دے۔

وہ آدمی باہر نکلا تو ایک بختی اونٹ لوگوں کو چیرتا ہوا آ گیا۔ اس نے اس آدمی کو منہ سے پکڑ کر اپنے سینے کے نیچے دے لیا اور پیس کر رکھ دیا حتیٰ کہ اسے قتل کر دیا۔ لوگ حضرت سعد کے پاس جمع ہو گئے اور مبارک دی کہ اللہ نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔

جنگِ جمل کا یہ مکمل واقعہ البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۲ تا صفحہ ۲۳۹ پر موجود ہے۔ مطبوعہ دار الکتب علمیہ بیروت۔

وصال شریف

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ اسْتَأْذَنَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَبْلَ مَوْتِهَا عَلَى عَائِشَةَ وَهِيَ مَغْلُوبَةٌ قَالَتْ: أَخْشَى أَنْ يُثْنِيَ عَلَيَّ فَقِيلَ ابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ وُجُوهِ الْمُسْلِمِينَ قَالَتْ: ائْذَنُوا لَهُ، فَقَالَ: كَيْفَ تَجِدِينَكِ؟ قَالَتْ: بِخَيْرٍ إِنِ اتَّقَيْتُ، قَالَ: فَأَنْتِ بِخَيْرٍ إِنْ شَاءَ اللهُ، زَوْجَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَنْكِحْ بِكْرًا غَيْرَكِ وَنَزَلَ عُذْرُكِ مِنَ السَّمَاءِ، وَدَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ خِلَافَهُ فَقَالَتْ: دَخَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَثْنَى عَلَيَّ، وَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ نِسْيًا مَنْسِيًّا (بخاری: ۴۷۵۳)۔

ترجمہ: حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ جب اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تکلیف کی وجہ سے مغلوب تھیں تو ان کی وفات سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حاضری کی اجازت چاہی۔ ام المومنین نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ وہ میری تعریف کریں گے، عرض کیا گیا وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور مسلمانوں کے اکابرین میں سے ہیں، آپ نے فرمایا: چلو، انہیں اجازت دے دو۔ حضرت ابن عباس نے آپ کے پاس آ کر پوچھا: آپ اپنے آپ کو کیسا پاتی ہیں؟ فرمایا: اگر میں اللہ سے ڈروں تو بہت بہتر ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انشاء اللہ آپ بہتر ہی ہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں،

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے سواء کسی کنواری سے نکاح نہیں فرمایا اور آسمان سے آپ کی پاکیزگی کا بیان نازل ہوا۔ حضرت ابن عباس کے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے، تو ام المومنین نے فرمایا: ابھی ابنِ عباس آئے تھے اور انہوں نے میری تعریف کی، تو میں نے چاہا کہ میں بھولی بسری اور گمنام ہو جاؤں۔

بخاری شریف کی اس حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کا وصال بیماری کے نتیجے میں یعنی طبعی طور پر اپنے گھر میں ہوا۔ آپ نے ۵۸ ہجری میں ۶۷ برس کی عمر میں وصال فرمایا۔ رمضان شریف کی سترہ (۱۷) تاریخ تھی، شہر مدینہ تھا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دوسری ازواجِ مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔

آپکو عشاء کے وتر پڑھنے کے بعد دفن کیا گیا اور نمازِ جنازہ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی جو اس وقت مدینہ منورہ کے گورنر تھے (مستدرک حاکم: ۶۸۳۶، الاستیعاب صفحہ ۹۰۳، الاصابہ صفحہ ۲۵۷۶، اسد الغابہ صفحہ ۱۳۸۵)۔

جنت البقیع کے گیٹ سے داخل ہوتے ہی بالکل سامنے نو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی اکٹھی قبریں ہیں ان میں سے ایک قبر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

☆......☆......☆

حسن وحسین پھول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مظہرِ جمالِ مصطفیٰ سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ

حسن کا معنی ہے خوبصورت۔ حسین کا معنی ہے چھوٹا خوبصورت، یعنی جو خوبصورت حسن جیسا ہی ہو لیکن عمر میں چھوٹا ہو۔ محسن کا معنی ہے احسان کرنے والا۔ یہ تینوں شہزادے سیدنا حسن، حسین اور محسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہیں، سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر ہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب حسن پیدا ہوئے تو محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:

اَرُوْنِیْ اِبْنِیْ مَا سَمَّیْتُمُوْہُ یعنی مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ حسن ہے۔ پھر جب حسین پیدا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ حسین ہے۔ پھر جب محسن پیدا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ محسن ہے۔ پھر فرمایا: میں نے ان تینوں کے نام حضرت ہارون کے بیٹوں شبر، شُبیر اور مشبر کے ناموں پر رکھے ہیں (مستدرکِ حاکم: ۴۸۳۴)۔ صحیح وافقه الذهبی

سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پیارے انداز سے نصیحت حاصل کی اور اپنے آئندہ پیدا ہونے والے بیٹوں کے نام سنتِ رسول کے مطابق اللہ کے پیاروں کے نام پر رکھے۔ آپ کے ایک شہزادے کا نام ابوبکر بن علی ہے، دوسرے کا نام عمر بن علی ہے اور تیسرے کا نام عثمان بن علی ہے۔ یہ سارے کربلا میں شہید ہوئے۔

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حسنین کریمین کے تیسرے بھائی سیدنا محسن رضی اللہ عنہ صحیح سلامت پیدا ہوئے تھے اور انہیں بھی یاد رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔

عَنْ اُسَامَةَ بنِ زَيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ كَانَ يَاخُذُهٗ وَالحَسَنَ وَيَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا (بخاری:۳۷۴۷)۔

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مجھے اور حسن کو پکڑ لیتے تھے اور فرماتے تھے: اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان دونوں سے محبت فرما۔

وَعَنِ البَرَآءِ رَضِيَ اللهُ عَنهُ قَالَ رَاَيتُ النَّبِيَّ ﷺ وَالحَسَنُ بنُ عَلِيٍّ عَلٰى عَاتِقِهٖ، يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ (مسلم:۶۲۵۹، بخاری:۳۷۴۹، ترمذی: ۳۷۸۳)۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ آپ کے کندھوں پر تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی اس سے محبت فرما۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُ قَالَ: لَم يَكُن اَحَدٌ اَشبَهَ بِالنَّبِيِّ ﷺ مِنَ الحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ (بخاری حدیث:۳۷۵۲، ترمذی حدیث:۳۷۷۶، ۳۷۷۷)۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ سے مشابہت رکھنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔

عَنْ عُقْبَةَ بنِ الحَارِثِ رَضِيَ اللهُ عَنهُ قَالَ: رَأَيتُ اَبَا بَكرٍ حَمَلَ الحَسَنَ وَهُوَ يَقُولُ: بِاَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ ﷺ لَيسَ شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ وَعَلِيٌّ يَضحَكُ (بخاری :۳۷۵۰)۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر کو دیکھا کہ انہوں نے حسن کو اٹھا رکھا تھا اور فرما رہے تھے: میرے ماں باپ قربان ہوں بالکل نبی کریم ﷺ پر گئے ہیں، علی پر نہیں گئے اور علی ہنس رہے تھے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: رَأَيتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمُصُّ لِسَانَهٗ، اَوَ قَالَ شَفَتَهٗ يَعْنِي الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ (مسند احمد:۱۶۸۵۴، مجمع الزوائد:۱۵۰۴۷)۔ صحیح

ترجمہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو حسن کی

زبان یا شاید فرمایا ہونٹ چوستے ہوئے دیکھا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ بْنِ الْهَادِيْ ، عَنْ اَبِيْهِ قَالَ : خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ اِحْدٰى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ ، اَلظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ وَهُوَ حَامِلٌ اَحَدَ ابْنَيْهِ الْحَسَنَ اَوِ الْحُسَيْنَ ، فَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَوَضَعَهٗ عِنْدَ قَدَمِهِ الْيُمْنٰى ، فَسَجَدَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ سَجْدَةً اَطَالَهَا ، فَرَفَعْتُ رَاْسِيْ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ فَاِذَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ سَاجِدٌ وَاِذَا الْغُلَامُ رَاكِبٌ عَلٰى ظَهْرِهٖ ، فَعُدْتُ فَسَجَدْتُ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ النَّاسُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ لَقَدْ سَجَدْتَ فِيْ صَلَاتِكَ هٰذِهٖ سَجْدَةً مَا كُنْتَ تَسْجُدُهَا ، اَفَشَيْءٌ اُمِرْتَ بِهٖ اَوْ كَانَ يُوْحٰى اِلَيْكَ ؟ قَالَ : كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ ، وَلٰكِنِ ابْنِيْ ارْتَحَلَنِيْ فَكَرِهْتُ اَنْ اُعَجِّلَهٗ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهٗ

(مستدرک حاکم:۴۸۳۶)۔صحیح

ترجمہ: حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ظہر یا عصر کی نماز کے وقت تشریف لائے، آپ ﷺ نے اپنے دو بیٹوں میں سے ایک کو اٹھایا ہوا تھا حسن یا حسین۔ رسول اللہ ﷺ نے شہزادے کو اپنے دائیں قدم کے پاس اتار دیا، رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، سجدہ فرمایا تو اسے لمبا کیا۔ میں نے اپنا سر لوگوں میں سے اوپر اٹھایا تو رسول اللہ ﷺ کو سجدے میں دیکھا اور ایک بچہ آپ کی پشت پر سوار تھا۔ میں یہ دیکھنے کے بعد پھر سجدے میں چلا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ نے اس نماز میں اتنا لمبا سجدہ کیا ہے کہ آپ پہلے ایسا نہیں کرتے تھے۔ کیا کوئی نیا حکم ملا ہے یا آپ پر وحی آ رہی تھی؟ فرمایا: ایسا کچھ بھی نہیں تھا، بلکہ میرا بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا تھا، تو میں نے اسے جلدی سے اتارنا مناسب نہیں سمجھا جب تک وہ اپنا شوق پورا نہ کر لے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کے کانوں میں اذان پڑھی (ابوداؤد:۵۱۰۵)۔

جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنگِ جمل کے لیے نکلے تو راستے میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی اپنے والدِ گرامی یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا

کہ : میں نے آپ کو مفید مشورے دیے مگر آپ نے میری بات نہیں مانی۔ مجھے لگتا ہے کہ آپ خواہ مخواہ شہید کر دیے جائیں گے اور کوئی شخص آپ کی مدد نہیں کرے گا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنے بچپن جیسی بات کرتے ہو۔ میں نے تمہاری کون سی بات نہیں مانی؟ انہوں نے عرض کیا میں نے قتلِ عثمان سے پہلے نہیں کہا تھا کہ آپ مدینہ سے چلے جائیں ورنہ یہ قتل آپ کے ذمے لگ جائے گا؟ میں نے قتلِ عثمان کے بعد آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ لوگوں کو بیعت نہ فرمائیں جب تک تمام شہروں کے لوگ خود آپ کو مجبور نہ کریں؟ اور میں نے اُم المومنین عائشہ اور طلحہ، زبیر کے کھڑا ہونے کے بعد کہا نہیں تھا کہ جب تک یہ لوگ خود بخود معاملے کو سمجھ نہیں جاتے آپ چپ کر کے گھر بیٹھ جائیں؟

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ قتلِ عثمان سے پہلے مدینہ سے نکل جانے والی بات کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے عثمان کا محاصرہ کر رکھا تھا انہی لوگوں نے میرا بھی محاصرہ کر رکھا تھا۔ میں گھر سے کیسے نکلتا۔ قتلِ عثمان کے بعد بیعت نہ لینے والی بات کا جواب یہ ہے کہ اگر میں بیعت نہ لیتا تو مسندِ خلافت خالی رہ جاتی حالانکہ خلافت فوری طور پر سنبھال لینا شرعاً واجب ہوتا ہے۔ میرے جنگ کے لیے نہ نکلنے والی بات کا جواب یہ ہے کہ میرے نکلنے سے پہلے بصرہ میں عائشہ کے حامیوں اور میرے حامیوں کے درمیان جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اب میرا نہ نکلنا، نکلنے سے زیادہ نقصان دہ تھا۔

جب جنگ ہوئی تو دونوں طرف سے دس ہزار صحابہ شہید ہو گئے تو مولا علی نے اپنے لختِ جگر کو گلے سے لگا لیا اور زار و قطار رونے لگے۔ امامِ حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ابا جان میں نے آپ کو اس کام سے منع کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: بیٹا مجھے علم نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۳۱)۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا امامِ حسن چھ ماہ تک مسندِ خلافت پر جلوہ افروز رہے۔

محبوب کریم ﷺ نے ایک مرتبہ امامِ حسن کو اپنے ساتھ منبر پر بٹھا لیا، ایک مرتبہ لوگوں کی طرف دیکھتے اور ایک مرتبہ حسن کی طرف دیکھتے تھے اور فرمایا: میرا یہ بیٹا سید و سردار ہے،

ایک وقت ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دوگروہوں کے درمیان صلح کرائے گا لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (بخاری: ۲۷۰۴، ۳۶۲۹، ۳۷۴۶، ۷۱۰۹، ابوداؤد حدیث: ۴۶۶۲، ترمذی حدیث: ۳۷۷۳)۔

یہاں یہ بات بڑی کھری اور شفاف ہے کہ اس حدیث میں فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کے الفاظ بیان ہوئے ہیں۔ فئہ کا معنی ہے گروہ یعنی مسلمانوں کے دوگروہ۔ یہ سیدنا امامِ حسن اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دوگروہوں کی بات ہورہی ہے جن کے درمیان امامِ حسن رضی اللہ عنہ کی وجہ سے صلح ہوئی تھی۔ اس سے واضح ہورہا ہے کہ یہ دونوں گروہ مسلمان تھے۔

یہی وہ صلح تھی جس کی وجہ سے اس زمانے میں آپ کے نام نہاد عاشقوں نے آپ رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کوفہ چھوڑ کر مدینہ شریف میں تشریف لے آئے اور یہیں پر قیام پذیر ہوگئے۔

سیدنا امامِ حسن رضی اللہ عنہ نے اور سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ دونوں بھائیوں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت فرمالی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا امامِ حسن رضی اللہ عنہ کو باقاعدہ ایک لاکھ سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔

حضرت امامِ حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے تحمل و بردباری کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک روز حضرت امامِ حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ کے دار الخلافۃ کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ صحرا سے ایک دیہاتی آیا اور اس نے آتے ہی آپ کو اور آپ کے والدین کو گالیاں دینا شروع کردیں۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا تو بھوکا پیاسا ہے یا تجھ پر کوئی مصیبت پڑی ہے؟ اس نے پھر کہا آپ ایسے ہیں اور آپ کے والدین ایسے ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا: طشت میں چاندی بھر کر لاؤ۔ اور اسے دے دو۔ پھر فرمایا: اے دیہاتی ہمیں معذور سمجھنا، گھر میں اس کے سواء کچھ اور نہ تھا ورنہ اس کے دینے سے انکار نہ کرتے۔ جب دیہاتی نے آپ کا یہ صبر و تحمل دیکھا تو کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ فرزندِ رسول ﷺ ہیں (کشف المحجوب فارسی صفحہ ۷۶)۔

آپ رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا، جس سے آپ کی شہادت ہوئی۔ تکلیف کے دوران

سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ فرمایا: کیا تم اسے قتل کرو گے؟ امامِ حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بے شک۔ آپ نے فرمایا: جس پر مجھے شک ہے اگر وہی قاتل ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خود بدلہ لے لے گا اور اگر وہ قاتل نہیں تو میں کسی بے گناہ پر الزام نہیں لگانا چاہتا۔

حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مؤرخین نے زہر خورانی کی نسبت جعدہ بنت اشعث ابن قیس کی طرف کی ہے اور اس کو حضرت امام کی زوجہ بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ زہر یزید کے کہنے پر دیا گیا اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ اس طمع میں آ کر اس نے حضرت امام کو زہر دیا۔ لیکن اس روایت کی کوئی سند صحیح دستیاب نہیں ہوئی اور بغیر کسی سند صحیح کے مسلمان پر قتل کا الزام اور ایسے عظیم الشان قتل کا الزام کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ روایت کے لیے کوئی سند نہیں ہے اور مؤرخین نے بغیر کسی معتبر ذریعے یا معتمد حوالہ کے لکھ دیا ہے (سوانح کربلا صفحہ ۷۸)۔

ایک مخصوص ٹولے نے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کسی کو امام نہیں مانا حالانکہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: امام مہدی، حسن کی اولاد میں سے ہوں گے سَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهٖ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاِسْمِ نَبِيِّكُمْ يَشْبَهُهٗ فِي الْخُلُقِ وَلَا يَشْبَهُهٗ فِي الْخَلْقِ (ابوداؤد حدیث: ۴۲۹۰)۔

یہ بھی واضح رہے کہ حضور سیدنا غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ بھی سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولادِ پاک میں سے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ اپنے چھوٹے بھائی سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے ۵ ربیع الاول ۵۰ ہجری میں شہادت پائی اور جنت البقیع میں اپنی والدہ ماجدہ سیدۃ النساء شہزادیٔ رسول سیدہ فاطمۃ الزاہراء علیٰ ابیہا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام کے بالکل ساتھ بائیں طرف دفن ہوئے۔

☆......☆......☆

مناقبِ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ : طَرَقْتُ النَّبِيَّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِي بَعْضِ الْحَاجَةِ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ عَلٰى شَيْئٍ لَا اَدْرِيْ مَا هُوَ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ حَاجَتِي ، قُلْتُ : مَا هٰذَا الَّذِيْ اَنْتَ مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِ؟ فَكَشَفَهُ فَاِذَا الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ عَلٰى وَرِكَيْهِ، فَقَالَ: هٰذَانِ ابْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِي ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهُمَا، فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا (ترمذی:۳۷۶۹)۔

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رات کو کسی حاجت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے تو آپ نے کوئی چیز لپیٹی ہوئی تھی جسے میں سمجھ نہیں سکا۔ جب میں حاجت سے فارغ ہوا تو میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اٹھا رکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سے کپڑا ہٹا دیا۔ نیچے حسن اور حسین آپ کی کمر پر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما جو اِن سے محبت کرے۔

عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ : حُسَيْنٌ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، اَحَبَّ اللهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا ، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ (ترمذی:۳۷۷۵، ابن ماجہ:۱۴۴)۔ وَ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ : اَلْعَبَّاسُ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْهُ (ترمذی:۳۷۵۹)۔ وَ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ : اِنَّ عَلِيًّا مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ (ترمذی:۳۷۱۲)۔ وَ قَالَ ﷺ : اَلْاَشْعَرِيُّوْنَ هُمْ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْهُمْ (بخاری:۲۴۸۶، مسلم:۶۴۰۸)۔ وَ قَالَ ﷺ : جُلَيْبِيْبٌ مِّنِّيْ وَ اَنَا مِنْهُ، جُلَيْبِيْبٌ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ (مسلم:۶۳۵۸، السنن الکبریٰ للنسائی:۸۲۴۶)۔

ترجمہ: حضرت یعلیٰ بن مُرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھے۔ حسین بچوں میں سے ایک خاص بچہ ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عباس مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ نیز فرمایا: علی

مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ نیز فرمایا: اشعری قبیلہ مجھ سے ہے اور میں ان میں سے ہوں۔ نیز فرمایا: جلیبیب مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، جلیبیب مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اَلْحَسَنُ اَشْبَهُ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ مَا بَيْنَ الصَّدْرِ اِلَى الرَّأْسِ وَالْحُسَيْنُ اَشْبَهُ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ مَا كَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ (ترمذی:۳۷۷۹)۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حسن سینے لے کر سر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے اور حسین اس سے نیچے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے۔

عَنْ سَلْمٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ وَهِيَ تَبْكِي، فَقُلْتُ مَا يُبْكِيكِ؟ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ تَعْنِي فِي الْمَنَامِ وَعَلٰى رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ التُّرَابُ، فَقُلْتُ مَا لَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: شَهِدْتُ قَتْلَ الْحُسَيْنِ آنِفًا (ترمذی:۳۷۷۱)۔

ترجمہ: حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں اُمِ سلمٰی کے پاس گئی تو وہ رو رہی تھیں۔ میں نے کہا آپ کو کون سی بات رُلا رہی ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر اور داڑھی مبارک پر خاک تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو کیا ہوا ہے۔ فرمایا: میں نے ابھی ابھی حسین کے قتل کا منظر دیکھا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ الْمُحْرِمِ يَقْتُلُ الذُّبَابَ، فَقَالَ: اَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْئَلُونَ عَنْ قَتْلِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ وَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ: هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا (بخاری:۳۷۵۳، ۵۹۹۴، ترمذی:۳۷۷۰)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان سے ایک عراقی آدمی نے مسئلہ پوچھا کہ احرام والا آدمی مکھی مار دے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: اہلِ عراق مکھی کے قتل کی بابت پوچھتے ہیں حالانکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی کے بیٹے کو قتل کر چکے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: یہ دونوں دنیا میں میری خوشبو ہیں۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اب تلوار کیوں اٹھائی اور پہلے کیوں نہ اٹھائی تھی؟

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے تمام خلفاءِ راشدین کے دور میں، حتیٰ کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک کسی حکومت کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی بلکہ اطاعت گزاری کو اختیار کیے رکھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام میں آیا جایا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں شہزادوں کا بہت احترام فرماتے تھے۔ انکی خدمت میں بہت سے عطیات اور وظائف پیش کرتے تھے اور دونوں شہزادے انہیں بخوشی قبول فرماتے تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۸)۔

حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ : ایک دن حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غریب آدمی نے آ کر خیرات مانگی۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ ہمارا وظیفہ آنے والا ہے، جیسے ہی وظیفہ پہنچ جائے گا آپ کو دے دیا جائے گا۔ تھوڑی دیر میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایک ہزار دینار کی پانچ تھیلیاں پہنچ گئیں۔ تھلیاں پہنچانے والوں نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ نے معذرت کی ہے کہ یہ تھوڑی سی رقم ہے اسے قبول فرمائیں۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہنے ساری رقم اس غریب آدمی کے حوالے کر دی اور اس سے معذرت چاہی (کشف المحجوب صفحہ ۷۷)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر نہیں کیا بلکہ اس نے خود بخود حکومت سنبھال لی تھی۔ علامہ ابوالشکور سالمی رحمت اللہ علیہ متوفیٰ پانچویں صدی فرماتے ہیں: اِسْتِخْلَافُ مُعَاوِيَةَ فِيْ حَقِّ يَزِيْدٍ لَمْ يَصِحْ بِدَلِيْلٍ یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو خلیفہ بنانا صحیح دلیل سے ثابت نہیں (التمہید صفحہ ۱۶۹)۔ یہ کتاب عقائد کی کتاب ہے اور ظاہر ہے

کہ تاریخ سے افضل ہے جب کہ اکثر تاریخی کتابوں سے قدیم تر بھی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہی عراق کے لوگوں نے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ کے خلاف اکسایا تھا مگر آپ رضی اللہ عنہ نے انکی اس بات کو قبول نہ فرمایا اور صبر سے کام لینے کا حکم دیا ایشان را مجاب ننمود و بصبر امر کرد (جلاء العیون صفحہ ۳۴۸)۔

یہی بات شیخ مفید نے اپنی کتاب الارشاد کے صفحہ ۱۸۲ پر عربی زبان میں لکھی ہے فَأَتْبَعَ عَلَيْهِمْ وَ ذَكَرَ اَنَّ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ عَهْداً وَ عَقْداً لَا يَجُوْزُ لَهُ نَقْضَهُ حَتّٰى تَقْضِيَ الْمُدَّةِ (الارشاد ۱۸۲)۔

غور فرمایئے! آخر کیا بات ہے کہ سن ۶۰ ہجری تک سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے تمام خلفاء علیہم الرضوان کی تابعداری کو قبول کیے رکھا مگر سنہ ۶۱ ھ میں جب یزید کی باری آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی؟

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ: تا حق ظاہر بود مر حق را متابع بود و چوں حق مفقود شد شمشیر بر کشید یعنی جب تک حق ظاہر تھا امام حسین رضی اللہ عنہ حق کے تابع رہے۔ مگر یزید کے دور میں حق رخصت ہو گیا تو آپ رضی اللہ عنہنے تلوار کھینچ لی (کشف المحجوب صفحہ ۷۶)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا عمل اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ چاروں خلفائے راشدین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک کے ساتھ امام عالی مقام متفق تھے۔ اسی لیے انکے تابع رہے اور ان سے وظیفہ بھی قبول فرماتے رہے۔ مگر یزید سے متفق نہ تھے اسی لیے اسکے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

بعض اہل بیت اور صحابہ کرام نے کوفہ جانے سے منع فرمایا

کوفیوں کی طرف سے بے تحاشا خطوط آنے کے بعد امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جیسی ذمہ دار ہستی کے پاس لبیک کہنے کے سواء کوئی چارہ نہ تھا۔ مگر پھر بھی آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ

کرام اور اکابرِ امت علیہم الرضوان سے مشورہ فرمایا اور انہیں کوفیوں کے خطوط کے انبار دکھائے۔

اسکے باوجود بعض اہلِ بیت اطہار اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے منع فرمایا۔ منع کرنے والوں میں آپ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباس، آپکے بھائی حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، حضرت ابوسعید اور حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث علیہم الرضوان جیسی ہستیاں شامل تھیں۔ ان بزرگوں کے بیانات سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۱۹۷، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۲ اور المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صفحہ ۹۷۔۹۶ وغیرہ پر موجود ہیں۔ مثلاً اہلِ بیت میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچازاد بھائی اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ملاحظہ فرمایئے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جَآءَ نِیْ حُسَیْنٌ یَسْتَشِیْرُنِیْ فِی الْخُرُوْجِ اِلٰی مَا ھٰھُنَا یَعْنِی الْعِرَاقَ فَقُلْتُ: لَوْلَا اَنْ یَّزِرُوْا بِیْ وَ بِكَ لَشَبِئْتُ یَدِیْ فِیْ شَعْرِكَ، اِلٰی اَیْنَ تَخْرُجُ؟ اِلٰی قَوْمٍ قَتَلُوْا اَبَاكَ وَ طَعَنُوْا اَخَاكَ؟ یعنی میرے پاس حسین آئے اور عراق جانے کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے کہا کہ: میرا بس چلے تو میں آپ کو ہر ممکن کوشش کر کے عراق جانے سے روک دوں۔ آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ اس قوم کی طرف جس نے آپ کے والد ماجد کو شہید کیا اور بھائی کو خنجر مارا؟ (المصنف جلد ۸ صفحہ ۶۳۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۶)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ کا عراق جانا درست نہیں مگر امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان کا مشورہ قبول نہ فرمایا۔ اس کے بعد محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کو ساتھ جانے سے روک دیا جس کی وجہ سے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے ناراض ہوگئے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۲)۔

کوفہ جانے سے روکنے والوں میں اہلِ بیت کرام آگے آگے تھے اور ساتھ جانے والوں میں صحابہ کرام اور تابعین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کی کل تعداد انیس (۱۹) تھی جبکہ صحابہ اور تابعین کی تعداد بہتر (۷۲) تھی، لیکن صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ کل بیاسی (۸۲) نفوس تھے (سوانح کربلا صفحہ ۱۲۸)۔

سیدنا نعمان بن بشیر کا عظیم کردار

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے پہلے بھیج دیا۔اس وقت کوفہ میں صحابیِ رسول حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ گورنر تھے جو نہایت نرم دل اور حلیم تھے اور انہوں نے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کا سن کر ان سے ادب اور نرمی کی باتیں کیں بلکہ با قاعدہ خطاب فرمایا اور سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ کی واضح طرف داری فرمائی۔عمارہ بن عقبہ نے یہ ساری رپورٹ یزید کو لکھ کر بھیج دی۔ یزید نے فوری کارروائی کی اور بصرہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کی گورنری بھی سونپ دی (تاریخ الامم والملوک جلد ۳ صفحہ ۲۷ ۴ ،البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے،قادسیہ سے تین میل پہلے آپ کی ملاقات حر بن یزید تمیمی علیہ الرحمہ سے ہوئی،انہوں نے آگے خطرہ بتایا،حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر دی اور واپس چلے جانے کا مشورہ دیا،مگر حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے بھائی نے کہا کہ ہم بدلہ لیے بغیر واپس نہیں جائیں گے خواہ قتل ہو جائیں،سو وہ روانہ ہو گئے اور کربلا میں پہنچے،کوفہ کا گورنر عبید اللہ بن زیاد تھا،اس نے عمر بن سعد کو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر لشکر دے کر بھیجا،آپ رضی اللہ عنہنے عمر بن سعد سے فرمایا: میری ملاقات یزید سے کراؤ یا مجھے واپس جانے دو،عمر بن سعد نے ان باتوں کو تسلیم کر لیا اور گورنر عبید اللہ کے پاس لکھ کر بھیجا،مگر عبید اللہ نے کہا کہ انہیں میرے اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا پڑے گی،سیدنا امام حسین نے انکار فرمایا تو جنگ چھڑ گئی۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے دس محرم سنہ ۶۱ ھ جمعہ کے دن شہادت پائی۔آپ کی عمر شریف چھپن سال پانچ ماہ پانچ دن تھی۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہونے والوں میں کئی صحابہ کرام علیہم الرضوان اور انکی اولادیں شامل ہیں۔مثلاً حضرت عمار ابن سلامۃ الدالانی،حضرت مالک بن انس ،حضرت حبیب بن مظاہر الاسدی،حضرت جابر بن عروۃ الغفاری رضی اللہ عنہم (بہتر تارے شہید نمبر:۲۰،۵۱،۵۶،۵۹)۔

بعض شہید ہونے والے ایسے بھی ہیں جو صحابی ابن صحابی تھے مثلاً حضرت زیاد ابن غریب الصائدی رضی اللہ عنہ (بہتر تارے شہید نمبر: ۵۲)۔

بعض شہید ایسے بھی ہیں جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بیٹے ہیں مثلاً حضرت قرظہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عمر بن قرظہ (بہتر تارے شہید نمبر: ۴۴)۔

کربلا میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بہتر ساتھی (صحابہ، اہلِ بیت اور تابعین) شہید ہوئے جبکہ یزیدی فوج کے اٹھاسی افراد قتل ہوئے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۷)۔

میدانِ کربلا سے بچ کر آنے والوں میں صرف ایک نوجوان حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تھے جو طبیعت مبارک کی ناسازی کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ باقی سب اہلِ بیت اطہار خواتین تھیں۔ جن میں حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نام ِ نامی اسمِ گرامی سرِ فہرست ہے۔ آپ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی سگی ہمشیرہ تھیں۔

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: میں کہتا ہوں کہ متقدمین میں سے ایک جماعت نے شہادتِ حسین کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں جن میں ضعیف اور قوی ، غلط اور صحیح ہر طرح کی باتیں لکھی ہیں، لیکن جس قدر میں نے یہ واقعہ لکھا ہے وہ کافی ہے۔ واقعہ اس طرح لکھتے ہیں، پھر علامہ سعیدی صاحب اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ میں مقیم تھے حتیٰ کہ اپنے والد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کوفہ چلے گئے، پھر وہ ان کے ساتھ جنگِ جمل، جنگ صفین اور قتالِ خوارج میں حاضر رہے، اور ان کے ساتھ رہے حتیٰ کہ انہیں شہید کر دیا گیا، پھر وہ اپنے بھائی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے حتیٰ کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سونپ دی، پھر وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ منتقل ہو گئے، اور وہیں رہے حتیٰ کہ حضرت معاویہ کا انتقال ہو گیا، پھر وہ مکہ کی طرف نکل گئے یہاں تک کہ ان کے پاس اہلِ عراق کے خطوط آئے کہ انہوں نے ان سے بیعت کرنے کی ٹھانی ہے تو آپ نے اپنے چچا زاد مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو ان کی طرف بھیج دیا، انہوں نے اہلِ کوفہ سے بیعت لے لی اور ان کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ آ جائیں، پھر ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا جو ہوا ۔حضرت حسین کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

جب آپ قادسیہ سے تین میل کے فاصلے پر تھے تو ان کی ملاقات حر بن یزید تمیمی سے ہوئی، اس نے کہا: آپ لوٹ جائیں کیونکہ میرے پیچھے آپ کے لیے خیر نہیں ہے، اور ان کو حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر دی، حضرت حسین نے واپس جانے کا ارادہ کیا مگر ان کے ساتھ مسلم بن عقیل کے بھائی تھے، انہوں نے کہا: ہم بدلہ لیے بغیر نہیں جائیں گے، خواہ ہمیں قتل کر دیا جائے، سو وہ روانہ ہو گئے اور عبیداللہ بن زیاد نے ان سے مقابلہ کے لیے لشکر تیار کیا ہوا تھا، پس حضرت حسین کربلا پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ پینتالیس گھوڑے سوار اور ایک سو کے قریب پیادہ افراد تھے، پھر حضرت حسین سے مخالفین کے لشکر کے امیر عمر بن سعد ابن ابی وقاص کی ملاقات ہوئی اور عبیداللہ نے اس سے طہران کی گورنری کا وعدہ کیا تھا، جب ان کی ملاقات ہوئی تو حضرت حسین نے اس سے فرمایا: تم تین باتوں میں سے ایک بات کو اختیار کر لو۔ (۱)۔ میں کسی سرحد پر چلا جاؤں (۲)۔ میں واپس مدینہ چلا جاؤں (۳)۔ میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دے دوں (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۷ پر بھی یہی لکھا ہے مگر البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰۴ پر لکھا ہے کہ آپ نے صرف یزید سے ملاقات کا مطالبہ فرمایا تھا)۔

عمر بن سعد نے حضرت حسین سے یہ باتیں قبول کر لیں، اور عبیداللہ کی طرف ان امور کو لکھ کر بھیجا، مگر عبیداللہ نے کہا: میں ان امور کو اس وقت تک قبول نہیں کروں گا جب تک کہ وہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں نہیں دیں گے، حضرت حسین نے اس سے انکار کیا تو مخالفین نے حضرت حسین سے قتال کیا، حضرت حسین کے اصحاب کو شہید کیا گیا اور ان میں سے ان کے اہل بیت میں سے سترہ جوانوں کو شہید کیا گیا اور آخر میں حضرت حسین کو شہید کیا گیا رضی اللہ عنہ، اور ان کا سر مبارک عبیداللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا، اس نے آپ کے سر کو اور باقی اہل بیت کو یزید کے پاس بھیج دیا اور ان میں علی بن الحسین (زین العابدین) بھی تھے جو بیمار تھے، اور ان میں زین العابدین کی پھوپھی (سیدہ) زینب بھی تھیں، جب یہ لوگ یزید کے پاس پہنچے، تو اس نے ان کو اپنے گھر والوں کے پاس داخل کیا، پھر ان کو مدینہ روانہ کر دیا (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۷۹ ۳ تا ۸۱ ۳، نعمۃ الباری جلد ۶ صفحہ ۸۶۶ از علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ)۔

واقعہ کربلا کے بعد

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کوفہ میں عبید اللہ بن زیاد کے دفتر میں لے جایا گیا۔امام بخاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

عَنْ اَنَسِ بنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اُتِيَ عُبَيدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ بِرَأْسِ الْحُسَينِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَجُعِلَ فِي طَسْتٍ، فَجَعَلَ يَنكُتُ وَقَالَ فِي حُسْنِهٖ شَيْئًا، فَقَالَ اَنَسٌ: كَانَ اَشْبَهَهُم بِرَسُولِ اللهِ ﷺ، وَكَانَ مَخْضُوبًا بِالْوَسمَةِ (بخاری:۳۷۴۸)۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا۔اسے ایک تھال میں رکھا گیا۔وہ اس سر مبارک کو چھیڑنے لگا اور آپ کے حسن کے بارے میں کوئی بات کی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ سر تمام حاضرین میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مشابہت رکھتا تھا۔اور اس پر وسمہ کا خضاب لگا ہوا تھا۔

اسکے بعد آپ رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اور اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کو دمشق میں یزید کے پاس بھیجا گیا۔یزید نے آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اور اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کو مدینہ شریف کے گورنر عمرو بن سعید بن عاص کے پاس بھیجا اور اس نے سر مبارک کو کفن دے کر جنت البقیع میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کر دیا (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۷۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۱۱)۔گویا دھڑ مبارک کربلا میں اور سر مبارک مدینہ منورہ میں دفن ہے۔

منہال بن عمرو اسدی فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم میں نے دمشق میں حسین کا سر دیکھا جب ان کا سر مبارک اٹھایا گیا، آگے آگے ایک آدمی سورۃ کہف کی تلاوت کر رہا تھا، جب اس آیت پر پہنچا أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا (الکہف:۹) تو اللہ تعالیٰ نے سر مبارک کو واضح الفاظ کے ساتھ بولنے کی توفیق دی کہ: میرا قتل ہونا اور (اس طرح میرا سر) اٹھایا جانا اصحاب کہف سے زیادہ عجیب ہے اَعْجَبُ مِنْ اَصْحَابِ الْكَهْفِ قَتْلِي وَ حَمْلِي (خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۲۱۶، فیض القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۴۱)۔ قَالَ ابْنُ

عَسَاکِر: اِسْنَادُہٗ مَجْھُوْلٌ

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: وَقَبْرُہٗ مَشْھُوْرٌ یُزَارُ وَیُتَبَرَّكُ بِہٖ یعنی آپ کی قبر انور مشہور ہے، لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں اور برکت حاصل کرتے ہیں (تہذیب الاسماء جلد ا صفحہ ۱۷۷)۔

یزید کے خلاف اہلِ مدینہ کی بغاوت

سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ شریف کے لوگوں نے یزید کے خلاف بغاوت کردی۔ مدینہ شریف کے لوگوں نے کہا کہ ہم نے یزید کی اطاعت کو اس طرح اتار کر پھینک دیا ہے جس طرح یہ جوتا۔ یہاں تک کہ ایک جگہ پر جوتوں کا ڈھیر لگ گیا۔ یزید کی فوج نے بے حیائی کی انتہا کردی۔ امام زہری رحمت اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یزید کی فوج نے سات سو صحابہ کرام کو شہید کردیا جن میں مہاجرین اور انصار شامل تھے اور ان کے علاوہ دس ہزار موالی، آزاد اور غلام تابعین شہید کردیے جنہیں میں نہیں پہچانتا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۹)۔

تاریخ کی کتابوں میں اس واقعہ کو "حرہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ واقعہ کربلا کے واقعہ سے بھی بڑھ کر ظالمانہ ہے اور یہ واقعہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظمت اور اہلِ بیت سے انکی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ واقعہِ کربلا کے بعد اس واقعہ کو ضرور بیان کرنا چاہیے اور اسے بیان کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ نیز آپ کی تقریباً ستاون سالہ زندگی میں سے صرف شہادت کا ایک دن بیان کرنا آپ رضی اللہ عنہ کے عظیم اسوہ کے ساتھ سخت ناانصافی ہے۔

اتحاد و اتفاق کا خوبصورت فارمولا

اسلامی سال کی انتہا سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہوتی ہے جو ۱۸ ذی الحج کو واقع ہوئی۔ اسلامی سال کی ابتداء سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ہوتی ہے جو یکم محرم کو واقع ہوئی۔ محرم الحرام میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو اکٹھا اور ایک ہی شان و شوکت سے منایا جائے اور ہر قسم کی تفریق ختم کر دی جائے تو اختلافات کی خلیج کو کم کیا جا سکتا ہے اور فسادات کا دروازہ بند ہو سکتا ہے۔

ان دنوں کے علاوہ تمام خلفائے راشدین کے ایام بھی ایک جیسے اہتمام کے ساتھ منانے چاہییں۔ ایصالِ ثواب ایک جیسا، مناقب کا بیان ایک جیسا، سب کا ادب ایک جیسا اور سب کی حیاتِ طیبہ سے سبق لینا ایک جیسا۔ فرق یکسر ختم کر دینا ضروری ہے۔ یہی بات حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ العزیز نے بھی بیان فرمائی ہے (نورعلیٰ نور اردو صفحہ ۲۲۶)۔

بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ علامہ قہستانی کے حوالے سے فرماتے ہیں: اگر کوئی واعظ شہادت حسین رضی اللہ عنہ بیان کرنا چاہے تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ پہلے باقی صحابہ کرام کی شہادت کے واقعات لوگوں کو سنائے تاکہ روافض سے مشابہت نہ ہو کیونکہ وہ صرف شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ پر اکتفاء کرتے ہیں جبکہ اہل سنت صحابہ اور اہل بیت دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۳ صفحہ ۷۴۰)۔

یہ بھی ضروری ہے کہ فضائل اور مناقب بیان کرتے وقت جھوٹے واقعات نہ سنائے جائیں اور نہ سنے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پیاروں کو ایسی شان عطا فرمائی ہے کہ یہ ہمارے جھوٹے قصوں کے محتاج نہیں۔

یزید بے نصیب

سیدنا امام حسین حق پر تھے اور یزید کے باطل ہونے میں شک نہیں۔ جو لوگ اسے تابعی کہتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ تابعی ہونے کے لیے تابع دار ہونا ضروری ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمِنْ إِمَارَةِ الصِّبْيَانِ (مسند احمد حدیث: ۸۳۰۲)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ۷۰ ہجری کے اختتام اور نوجوانوں کی حکومت سے اللہ کی پناہ مانگو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے ۶۰ ہجری سے بچا، اور نوجوانوں کی قیادت سے پناہ عطا فرما اَللّٰھُمَّ لَا تُدْرِکْنِي سَنَةُ سِتِّيْن (الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۳۹۳)۔

چنانچہ اسی طرح ہوا کہ آپ ۵۹ ہجری میں واقعہِ کربلا سے پہلے پہلے فوت ہو گئے۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ یزید نے مدینہ منورہ پر حملہ کروایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: مَنْ اَخَافَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ ظُلْماً اَخَافَهُ اللهُ وَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفاً وَّلَا عَدْلاً. یعنی جس نے اہلِ مدینہ کو ظلماً ڈرایا، اللہ اسے ڈرائے گا، اور اس پر اللہ کی تمام فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کی طرف سے قیامت کے دن کوئی بدلہ قبول کر کے اس کی جان نہیں چھوڑی جائے گی (مسند احمد: ۱۶۵۱۰)۔

یزید نے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے اسی لیے ہٹایا تھا کہ آپ اہلِ بیت کے محب اور پاسدار تھے اور ان کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو اسی لیے مقرر کیا تھا کہ وہ اہلِ بیت کے لیے بے لحاظ تھا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰)۔

اس نے قتلِ امامِ عالی مقام کے مجرموں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی، یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ وہ اس قتل پر راضی تھا۔ پھر مدینہ شریف پر حملہ کرانا اس کا دوسرا سیاہ کارنامہ ہے۔

قسطنطنیہ پر حملے والی بات کا جواب یہ ہے کہ: اول تو یزید اس لشکر میں شامل ہی نہیں تھا، اور اگر بالفرض شامل ہو بھی تو اس لشکر کے سابقہ گناہوں کی مغفرت کا اعلان ہوا ہے جبکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرانے کا جرم یزید نے بعد میں کیا تھا۔ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس پر اہلِ علم کا اجماع ہے (لَا يَخْتَلِفُ اَهْلُ الْعِلْمِ) کہ اس حدیث میں مغفرت کا اعلان اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس کے بعد مغفرت کے منافی کوئی فعل سرزد نہ ہوا ہو مثلاً مرتد ہو جانا وغیرہ (عمدۃ القاری جلد ۱۲ صفحہ ۱۱)۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمت اللہ علیہ نے کیا ہی خوب لکھا ہے، فرمایا: يَزِيْدُ اَخْزَاهُ اللهُ دُوْنَ اَبِيْهِ یعنی یزید کو اللہ رسواء کرے مگر اس کے والدِ گرامی کو نہیں (کشف المحجوب صفحہ ۷۳)۔

حضرت علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: عَنْ نَوْفَلِ بْنِ اَبِي الْفُرَاتِ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَقَالَ رَجُلٌ: قَالَ اَمِيْرُ

الْمُؤْمِنِیْنَ یَزِیْدُ، فَاَمَرَ بِہٖ فَضُرِبَ عِشْرِیْنَ سَوْطاً یعنی نوفل بن ابی فرات کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے پاس موجود تھا، ایک آدمی نے یزید کو امیر المومنین کہا، عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ اس آدمی کو سو کوڑے مارے جائیں (سیر اعلام النبلاء جلد ۱ صفحہ ۱۱۶۶، تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۱۸۵، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۳)۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَلَیْسَتْ لَہٗ رِوَایَۃٌ تُعْتَمَدُ یعنی اس کی روایت پر کسی کا اعتماد نہیں (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۱۸۵)۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: لَیْسَ بِاَھْلٍ اَنْ یُرْوٰی عَنْہُ یعنی یہ اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس سے روایت لی جائے۔ اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا: لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُرْوٰی عَنْہُ یعنی کسی کو زیب نہیں دیتا کہ یزید سے روایت کرے (میزان الاعتدال جلد ۷ صفحہ ۲۶۲)۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: ویزید بے دولت از اصحاب نیست، ودر بدبختی او کرا سخن است، کارے آں بد بخت کرد کہ ہیچ کافر فرنگ نکند یعنی یزید بے دولت کا شمار صحابہ میں نہیں ہوتا، اور اسکی بدبختی میں کسے شک؟ اس بدبخت نے وہ کام کیا کہ کوئی کافر فرنگی بھی ایسا کام نہیں کرسکتا (مکتوباتِ امام ربانی دفتر اول حصہ دوم صفحہ ۲۸ مکتوب نمبر ۵۴)۔

☆......☆......☆

مناقبِ سیدنا امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مناقبِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

(۱)۔عَنۡ اَبِیۡ بَکۡرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ: سَمِعۡتُ النَّبِیَّ ﷺ عَلَی الۡمِنۡبَرِ، وَالۡحَسَنُ اِلٰی جَنۡبِہٖ یَنۡظُرُ اِلَی النَّاسِ مَرَّۃً وَ اِلَیۡہِ مَرَّۃً، وَیَقُوۡلُ: اِنَّ ابۡنِیۡ ھٰذَا سَیِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰہَ اَنۡ یُّصۡلِحَ بِہٖ بَیۡنَ فِئَتَیۡنِ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (بخاری حدیث: ۲۷۰۴، ۳۶۲۹، ۳۷۴۶، ۷۱۰۹، ابوداؤد حدیث رقم: ۴۶۶۲، ترمذی حدیث: ۳۷۷۳)۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا، جبکہ سیدنا حسن آپ ﷺ کے پہلو میں تھے، آپ ﷺ ایک مرتبہ لوگوں کی طرف دیکھتے اور ایک مرتبہ ان کی طرف دیکھتے تھے، اور فرما رہے تھے: میرا یہ بیٹا سردار ہے، وہ وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(۲)۔عَنۡ اَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ، عَنۡ خَالَتِہٖ اُمِّ حَرَامٍ بِنۡتِ مِلۡحَانَ قَالَتۡ: نَامَ النَّبِیُّ ﷺ یَوۡماً عِنۡدَنَا، ثُمَّ اسۡتَیۡقَظَ یَتَبَسَّمُ، فَقُلۡتُ: مَا اَضۡحَکَكَ؟ قَالَ: اُنَاسٌ مِنۡ اُمَّتِیۡ عُرِضُوۡا عَلَیَّ، یَرۡکَبُوۡنَ ھٰذَا الۡبَحۡرَ الۡاَخۡضَرَ کَالۡمُلُوۡكِ عَلَی الۡاَسِرَّۃِ، قَالَتۡ فَادۡعُ اللّٰہَ اَنۡ یَجۡعَلَنِیۡ مِنۡھُمۡ، فَدَعَا لَھَا، ثُمَّ نَامَ الثَّانِیَۃَ، فَفَعَلَ مِثۡلَھَا، فَقَالَتۡ مِثۡلَ قَوۡلِھَا، فَاَجَابَھَا مِثۡلَھَا، فَقَالَتۡ: اُدۡعُ اللّٰہَ اَنۡ یَجۡعَلَنِیۡ مِنۡھُمۡ، فَقَالَ: اَنۡتِ مِنَ الۡاَوَّلِیۡنَ، فَخَرَجَتۡ مَعَ زَوۡجِھَا عُبَادَۃَ بۡنِ الصَّامِتِ غَازِیاً، اَوَّلَ مَا رَکِبَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ الۡبَحۡرَ مَعَ مُعَاوِیَۃَ، فَلَمَّا انۡصَرَفُوۡا مِنۡ غَزۡوِھِمۡ قَافِلِیۡنَ فَنَزَلُوۡا الشَّامَ، فَقُرِّبَتۡ اِلَیۡھَا دَابَّۃٌ لِتَرۡکَبَھَا فَصَرَعَتۡھَا فَمَاتَتۡ (بخاری: ۲۷۸۸، ۲۷۸۹، ۲۷۹۹، ۲۸۰۰، ۲۸۷۷، ۲۸۷۸، ۲۸۹۴، ۲۸۹۵، ۶۲۸۲، ۶۲۸۳، مسلم: ۴۹۳۴، ۴۹۳۵، ابو داؤد: ۲۴۹۰، ۲۴۹۱، ترمذی: ۱۶۴۵، نسائی: ۳۱۷۱، ۳۱۷۲، ابن ماجۃ: ۲۷۷۶، شرح السنۃ: ۳۷۳۰)۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی خالہ اُم حرام بنتِ ملحان سے روایت کرتے ہیں

،انہوں نے فرمایا کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے ہمارے ہاں قیلولہ فرمایا، پھر مسکراتے ہوئے جاگے، میں نے عرض کیا آپ کس وجہ سے ہنسے؟ فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے جنہوں نے اس سبز سمندر کو عبور کیا جیسے بادشاہ لشکروں پر۔انہوں نے عرض کیا اللہ سے دعا فرمایئے کہ مجھے ان میں سے کردے۔آپ ﷺ نے انکے لیے دعا فرمائی، پھر دوبارہ سو گئے اور اسی طرح جاگے، تو انہوں نے پہلے کی طرح عرض کیا، آپ ﷺ نے اسی طرح جواب دیا، انہوں نے عرض کیا دعا فرمایئے اللہ مجھے ان میں سے کردے، تو فرمایا: تم پہلے لشکر میں سے ہو۔ بعد میں وہ اپنے شوہر عبادہ بن صامت کے ہمراہ جہاد پر گئیں، یہ پہلا لشکر تھا کہ مسلمانوں نے معاویہ کے ہمراہ سمندر کو عبور کیا، جب وہ لوگ قافلوں کی صورت میں واپس ہوئے تو شام میں قیام کیا، امِ حرام کے قریب جانور کو لایا گیا تا کہ اس پر سوار ہوں، جانور نے انہیں گرا دیا اور وہ شہید ہو گئیں۔

(۳)۔عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اَوْتَرَ مُعَاوِیَةُ بَعْدَ الْعِشَآءِ بِرَكْعَةٍ وَّعِنْدَهٗ مَوْلٰی لِابْنِ عَبَّاسٍ، فَاَتَی ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: دَعْهُ فَاِنَّهٗ صَحِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ (بخاری حدیث: ۳۷۶۴)۔

ترجمہ: حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معاویہ نے عشاء کے بعد ایک وتر پڑھا، ان کے پاس حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام موجود تھے، وہ ابن عباس کے پاس گئے، انہوں نے فرمایا: معاویہ کو کچھ نہ کہو وہ رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہے۔

(۴)۔عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: قِیْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: هَلْ لَكَ فِیْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مُعَاوِیَةَ، فَاِنَّهٗ مَا اَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَةٍ، قَالَ: اِنَّهٗ فَقِیْهٌ (بخاری حدیث: ۳۷۶۵)۔

ترجمہ: حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس سے کہا گیا کہ امیر المومنین معاویہ کو سمجھائیں وہ صرف ایک وتر پڑھتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک وہ فقیہ ہے۔

(۵)۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مُعَاوِیَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ: قَصَّرْتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِمِشْقَصٍ (بخاری حدیث: ۱۷۳۰، مسلم حدیث: ۳۰۲۱، ۳۰۲۲، ابوداؤد حدیث: ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، مسند احمد حدیث: ۱۶۹۰۰، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث: ۱۲۰۴۸،

۱۶۰۴۹،۱۶۰۵۰،۱۶۰۵۱)۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے قینچی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک تراشے۔

(۶)۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ مُعَاوِيَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ رَأىٰ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَصَّرَ مِنْ شَعْرِهٖ بِمِشْقَصٍ فَقُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا بَلَغَنَا هٰذَا اِلَّا عَنْ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ: مَا كَانَ مُعَاوِيَةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مُتَّهِماً (مسند احمد حدیث: ۱۶۸۶۹، ۱۶۹۴۱، ۱۶۹۴۲، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث: ۱۶۰۵۳، السنۃ للخلال: ۶۷۴)۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معاویہ نے مجھے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالوں میں مشقص (قینچی) سے قصر کرائے ہوئے دیکھا، ہم نے ابن عباس سے پوچھا کہ یہ بات ہم تک معاویہ کے سواء کسی کے ذریعے نہیں پہنچی، تو انہوں نے فرمایا: معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان لگانے والا نہیں تھا۔

(۷)۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ لَا يَنْظُرُوْنَ اِلٰى اَبِيْ سُفْيَانَ وَلَا يُقَاعِدُوْنَهٗ، فَقَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، ثَلَاثٌ اَعْطِنِيْهِنَّ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: عِنْدِيْ اَحْسَنُ الْعَرَبِ وَاَجْمَلُهٗ، اُمُّ حَبِيْبَةَ بِنْتُ اَبِيْ سُفْيَانَ، اُزَوِّجُكَهَا، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَمُعَاوِيَةَ، تَجْعَلُهٗ كَاتِباً بَيْنَ يَدَيْكَ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَتُؤَمِّرُنِيْ حَتّٰى اُقَاتِلَ الْكُفَّارَ، كَمَا كُنْتُ اُقَاتِلُ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ: نَعَمْ (مسلم: ۶۴۰۹، ابن حبان: ۷۲۰۹)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان ابوسفیان کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے اور نہ ہی انہیں بٹھا رہے تھے۔انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا نبی اللہ، مجھے تین چیزیں دے دیجیے، فرمایا: ٹھیک ہے۔عرض کیا میرے پاس عرب کی حسین وجمیل بیٹی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ہے، میں اسے آپ کے نکاح میں دیتا ہوں، فرمایا: ٹھیک ہے۔عرض کیا معاویہ کو اپنا کاتب بنا لیں، فرمایا: ٹھیک ہے۔عرض کیا مجھے امیر بنا دیں تا کہ میں کافروں کے خلاف جنگ کروں جیسا کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتا تھا، فرمایا: ٹھیک ہے۔

(۸)۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمِیْرَۃَ ، وَکَانَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ: عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ لِمُعَاوِیَۃَ : اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیاً مَھْدِیًّا وَاھْدِ بِہٖ (ترمذی: ۳۸۴۲، المعجم الاوسط للطبرانی: ۶۵۶، السنۃ للخلال: ۶۹۹، الاستیعاب صفحہ ۶۷۸)۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے معاویہ کے لیے دعا فرمائی: اے اللہ اسے ہدایت دینے والا، ہدایت والا بنا، اور اس کے ذریعے سے ہدایت دے۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ: اس حدیث میں حضرت امیر معاویہ کی زبردست فضیلت موجود ہے لَہٗ فَضِیْلَۃٌ جَلِیْلَۃٌ (الاستیعاب صفحہ ۶۷۸)۔

(۹)۔ عَنْ اَبِیْ اِدْرِیْسَ الْخَوْلَانِیِّ قَالَ: لَمَّا عَزَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُمَیْرَ بْنَ سَعْدٍ عَنْ حِمْصَ ، وَلّٰی مُعَاوِیَۃَ ، فَقَالَ النَّاسُ : عَزَلَ عُمَیْراً وَ وَلّٰی مُعَاوِیَۃَ ، فَقَالَ: عُمَیْرٌ لَا تَذْکُرُوْا مُعَاوِیَۃَ اِلَّا بِخَیْرٍ ، فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : اَللّٰھُمَّ اھْدِ بِہٖ (ترمذی حدیث: ۳۸۴۳)۔

ترجمہ: حضرت ادریس خولانی فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب نے عمیر بن سعد کو حمص کی امارت سے ہٹایا اور معاویہ کو مقرر کیا تو لوگوں نے کہا، عمیر کو ہٹا دیا ہے اور معاویہ کو لگا دیا ہے۔ حضرت عمیر نے فرمایا: معاویہ کو اچھے لفظوں سے یاد کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ اسکے ذریعے سے لوگوں کو ہدایت دے۔

(۱۰)۔ عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَۃَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِیَۃَ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِہِ الْعَذَابَ (مسند احمد: ۱۷۱۵۷، ابن حبان: ۷۲۱۰، السنۃ للخلال: ۷۱۲)۔

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اے اللہ معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا اور اسے عذاب سے بچا۔

(۱۱)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذْھَبْ فَادْعُ لِیْ مُعَاوِیَۃَ، قَالَ وَکَانَ کَاتِبَہٗ، فَسَعَیْتُ فَاَتَیْتُ مُعَاوِیَۃَ، فَقُلْتُ: اَجِبْ نَبِیَّ اللّٰہِ ﷺ

فَاِنَّهٗ عَلٰی حَاجَةٍ (مسند احمد حدیث:۲۶۵۱،۳۱۰۴)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ: جاؤ معاویہ کو میرے پاس بلا کر لے آؤ، وہ آپ ﷺ کے کاتب تھے، میں دوڑ گیا، معاویہ کے پاس پہنچا اور کہا: رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرو! آپ ﷺ کو آپ سے کام ہے۔

(۱۲)۔عَنْ نُعَیْمِ ابْنِ اَبِیْ هِنْدٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَلِیٍّ بِصِفِّیْنَ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَاَذَّنَّا وَاَذَّنُوْا، وَاَقَمْنَا فَاَقَامُوْا، فَصَلَّیْنَا وَصَلُّوْا، فَالْتَفَتُّ فَاِذَا الْقَتْلٰی بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ، فَقُلْتُ لِعَلِیٍّ حِیْنَ انْصَرَفَ: مَا تَقُوْلُ فِیْ قَتْلَانَا وَقَتْلَاهُمْ؟ فَقَالَ مَنْ قُتِلَ مِنَّا وَمِنْهُمْ یُرِیْدُ وَجْهَ اللّٰهِ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ، دَخَلَ الْجَنَّةَ (سنن سعید بن منصور القسم الثانی من المجلد الثالث حدیث :۲۹۶۸)۔صَحِیْحٌ سَیَاتِیْ شَاهِدُهٗ

ترجمہ: حضرت نعیم بن ابی ہند اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: میں جنگِ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھا، نماز کا وقت آ گیا، ہم نے بھی اذان دی اور مخالف لشکر نے بھی اذان دی، ہم نے بھی اقامت کہی اور انہوں نے بھی اقامت کہی، ہم نے بھی نماز پڑھی اور انہوں نے بھی نماز پڑھی، پھر میں واپس پلٹا تو ہمارے اور ان کے درمیان جنگ جاری تھی، جب حضرت علی واپس ہوئے تو میں نے عرض کیا: ہماری طرف سے قتل ہونے والوں اور ان کی طرف سے قتل ہونے والوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو فرمایا: ہماری طرف سے اور ان کی طرف سے جو شخص بھی اللہ کی رضا کی خاطر اور آخرت کے گھر کی خاطر قتل ہوا وہ جنتی ہے۔

(۱۳)۔عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِیْلَ الْهَمْدَانِیِّ وَلَمْ اَرَ هَمْدَانِیًّا كَانَ اَفْضَلَ مِنْهُ، قُلْتُ وَلَا مَسْرُوْقٌ؟ قَالَ: وَلَا مَسْرُوْقٌ، قَالَ: اِهْتَمَمْتُ بِاَمْرِ اَهْلِ صِفِّیْنَ وَمَا كُنْتُ اَعْرِفُ مِنَ الْفَضْلِ فِی الْفَرِیْقَیْنِ فَسَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ یُرِیَنِیْ مِنْ اَمْرِهِمْ اَمْرًا اَسْكُنُ اِلَیْهِ فَاُرِیْتُ فِیْ مَنَامِیْ اَنِّیْ رُفِعْتُ اِلٰی اَهْلِ صِفِّیْنَ فَاِذَا اَنَا بِاَصْحَابِ عَلِیٍّ فِیْ رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ وَمَاءٍ جَارٍ فَقُلْتُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ كَیْفَ بِمَا اُرٰی وَقَدْ قَتَلَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، قَالُوْا اِنَّا وَجَدْنَا رَبَّنَا

رَؤُوفاً رَّحِيماً قُلْتُ : فَمَا فَعَلَ ذُو الْكَلَاعِ ، وَحَوْشَبَ يَعْنِيْ أَصْحَابَ مُعَاوِيَةَ قَالُوْا أَمَامَكَ ، فَهَبَطتُّ عَلَى الْقَوْمِ فِيْ رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ وَمَآءٍ جَارٍ فَقُلْتُ : سُبْحَانَ اللهِ كَيْفَ بِمَا أُرىٰ وَقَدْ قَتَلَ بَعْضُكُمْ بَعْضاً قَالُوْا إِنَّا وَجَدْنَا رَبَّنَا رَؤُوفاً رَّحِيماً ، قُلْتُ : فَمَا فَعَلَ أَهْلُ النَّهْرَوَانَ ؟ قَالُوْا أُلْقُوْا بَرْحاً (سنن سعيد بن منصور : ۲۹۵۵ ، المصنف لابن ابی شیبۃ ۸ / ۷۲۲ ، السنن الکبریٰ للبیہقی ۸ / ۱۷۴ حدیث : ۱۷۱۶۵)۔

ترجمہ : حضرت وائل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو بن شرحبیل ہمدانی تابعی سے افضل کوئی ہمدانی نہیں دیکھا۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کیا مسروق بھی ان کے ہمسر نہیں تھے؟ فرمایا مسروق بھی نہیں تھے۔ عمرو بن شرحبیل فرماتے ہیں کہ میں نے جنگِ صفین میں حصہ لینے والوں کے بارے میں خوب غور کیا کہ فریقین میں سے افضل کون ہے۔ میں نے اللہ کریم سے عرض کیا کہ میری راہنمائی فرمائے جس سے میری تسلی ہو جائے۔ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ مجھے اہلِ صفین کے پاس جنت میں لے جایا گیا۔ میں حضرت علی کے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا جو سبز باغ میں اور چلتی نہروں کے پاس موجود تھے۔ میں نے کہا سبحان اللہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ آپ لوگ تو وہی ہیں جنہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا تھا۔ وہ کہنے لگے ہم نے اپنے رب کو رؤف اور رحیم پایا۔ میں نے کہا کلاع اور حوشب والوں یعنی حضرت امیر معاویہ کے ساتھیوں پر کیا گزری؟ انہوں نے کہا وہ تیرے سامنے موجود ہیں۔ میں ادھر کو بڑھا تو سامنے ایک قوم تھی جو سبز باغ میں اور چلتی نہروں کے پاس موجود تھی۔ میں نے کہا سبحان اللہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ آپ لوگ تو وہی ہیں جنہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا تھا۔ انہوں نے کہا ہم نے اپنے رب کو رؤف اور رحیم پایا۔ میں نے کہا اہلِ نہروان پر کیا گزری؟ انہوں نے کہا وہ شدت میں پڑے ہیں۔

(۱۴)۔ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْأَصَمِّ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : قَتْلَايَ وَقَتْلَىٰ مُعَاوِيَةَ فِي الْجَنَّةِ (المعجم الکبیر للطبرانی : ۱۶۰۴۴ ، مجمع الزوائد حدیث : ۱۵۹۲۷)۔

ترجمہ : حضرت یزید بن اصم فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میری طرف سے قتل ہونے والے اور معاویہ کی طرف سے قتل ہونے والے جنت میں ہیں۔

(۱۵)۔ عَنْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ لِلْحَسَنِ : يَا أَبَا سَعِيْدٍ ، إِنَّ

هٰهُنَا نَاساً يَشْهَدُوْنَ عَلٰى مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ ، قَالَ : لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَا يُدْرِيْهِمْ مَنْ فِى النَّارِ ؟ (الاستیعاب صفحہ ۶۷۹)۔

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا حسن سے پوچھا: اے ابوسعید یہاں کچھ لوگ ہیں جو معاویہ کو جہنمی کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا: اللہ کی ان پر لعنت ہو، انہیں کیا خبر جہنم میں کون ہے؟

(۱۶)۔عَنْ اَبِى الْبُخْتَرِىِّ قَالَ سُئِلَ عَلِىٌّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ اَهْلِ الْجَمَلِ أَمُشْرِكُوْنَ هُمْ ؟ قَالَ مِنَ الشِّرْكِ فَرُّوْا ، قِيْلَ أَمُنَافِقُوْنَ هُمْ ؟ قَالَ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلاً ، قِيْلَ فَمَا هُمْ ؟ قَالَ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا (السنن الکبریٰ للبیہقی ۸ / ۱۷۳)۔اَلْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ

ترجمہ: ابوبختری فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اہلِ جمل کے بارے میں پوچھا گیا، کیا وہ مشرک ہیں؟ فرمایا: وہ تو شرک سے بھاگے تھے، پوچھا گیا کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: منافقین اللہ کا ذکر تھوڑا کرتے ہیں، پوچھا گیا پھر وہ کون ہیں؟ فرمایا: ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

(۱۷)۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : لَوْ اَنَّ النَّاسَ لَمْ يَطْلُبُوْا بِدَمِ عُثْمَانَ لَرُجِمُوْا بِالْحِجَارَةِ مِنَ السَّمَآءِ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۴۵۳، مجمع الزوائد ۹ / ۹۸ وقَالَ : رِجَالُ الْكَبِيْرِ رِجَالُ الصَّحِيْحِ)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اگر لوگ حضرت عثمان غنی کے خون کا بدلہ نہ مانگتے تو ان پر آسمان سے پتھر برسائے جاتے۔

(۱۸)۔قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِى حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ مَا رَأَيْتُ اَحَداً بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَسْوَدَ مِنْ مُّعَاوِيَةَ : اَسْوَدَ اَىْ اَسْخٰى (السنة للخلال : ۶۷۸)۔ وَ قِيْلَ لِاَحْمَدَ ابْنِ حَنْبَلٍ هَلْ يُقَاسُ بِاَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَحَدٌ ؟ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ ، قِيْلَ فَمُعَاوِيَةُ اَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ ؟ قَالَ اِىْ لَعُمْرِى قَالَ النَّبِىُّ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِى (السنۃ للخلال : ۶۶۲

وقال اسنادہ صحیح)۔

ترجمہ: امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سیدنا عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد معاویہ سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں دیکھا، امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ پر کسی کو قیاس کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا: معاذ اللہ! پوچھا گیا: تو کیا معاویہ افضل ہیں عمر بن عبدالعزیز سے؟ فرمایا: ہاں، میری جان کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب لوگوں سے افضل میرے زمانے والے ہیں۔

شیعہ کی کتابوں سے

(۱۹)۔عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّا لَمْ نُقَاتِلْهُمْ عَلَى التَّكْفِيْرِ لَهُمْ وَلَمْ نُقَاتِلْهُمْ عَلَى التَّكْفِيْرِ لَنَا لٰكِنَّا رَأَيْنَا اِنَّا عَلٰى حَقٍّ وَرَأَوْا اَنَّهُمْ عَلٰى حَقٍّ (قرب الاسناد ا / ۴۵)۔

ترجمہ: حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ فرمایا: ہم انہیں کافر قرار دے کر ان سے جنگ نہیں لڑ رہے اور نہ ہی اس لیے لڑ رہے ہیں کہ یہ ہمیں کافر قرار دیتے ہیں، بلکہ ہمارے خیال کے مطابق ہم حق پر ہیں اور انکے خیال کے مطابق وہ حق پر ہیں۔

(۲۰)۔اِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكُنْ يُنْسِبُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ حَرْبِهٖ اِلَى الشِّرْكِ وَلَا اِلَى النِّفَاقِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ هُمْ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا (قرب الاسناد ا / ۴۵)۔

ترجمہ: حضرت علی علیہ السلام اپنے مخالفوں کو نہ ہی مشرک سمجھتے تھے اور نہ ہی منافق، بلکہ فرماتے تھے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں جو ہم سے بغاوت پر اتر آئے ہیں۔

(۲۱)۔وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَانَ بَدْءُ اَمْرِنَا اَنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ، وَالظَّاهِرُ اَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ، وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ، وَدَعْوَتَنَا وَاحِدَةٌ، وَلَا نَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ، وَلَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا، اَلْاَمْرُ وَاحِدٌ اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ، وَنَحْنُ مِنْهُ بَرَاءٌ (نہج البلاغۃ مکتوب ۵۸)۔

ترجمہ: آپ علیہ السلام نے فرمایا: بات اس طرح شروع ہوئی کہ ہمارا اور شام والوں کا آمنا سامنا ہوا اور ظاہر ہے ہمارا رب بھی ایک تھا، ہمارا نبی بھی ایک تھا، ہماری دعوت بھی ایک تھی، ہمارا

دعویٰ یہ نہیں تھا کہ ہم اللہ پر ایمان لانے اوراس کے رسول کی تصدیق کرنے میں ان سے بہتر ہیں اور نہ ہی وہ ایسا دعویٰ کرتے تھے معاملہ سو فیصد برابر تھا، اختلاف صرف عثمان کے خون کے بارے میں تھا اور ہم اس میں بے قصور تھے۔

صوفیاءِ کرام اور علماءِ امت کا فیصلہ

(۱)۔حضرت عبداللہ بن مبارک تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت امیر معاویہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ آپ نے فرمایا کہ: امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں جمنے والی مٹی بھی عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۶)۔

(۲)۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے سیدنا امیر معاویہ کو گالی دی، آپ نے اسے کوڑے لگائے، دوسرے آدمی نے یزید کو امیر المومنین کہا، آپ نے اسے بھی کوڑے لگائے (نبراس صفحہ ۳۳۰)۔

(۳)۔امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ سے کسی نے سیدنا علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یعنی یہ ایک قوم ہے جو تم سے پہلے گزر چکی ہے، انکے اعمال انکے لیے تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ انکے اعمال کے بارے میں تم سے سوال نہیں کیا جائے گا (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۷)۔

(۴)۔حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مَنْ شَتَمَ اَحَداً مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اَبَا بَكْرٍ اَوْ عُمَرَ اَوْ عُثْمَانَ اَوْ عَلِيًّا اَوْ مُعَاوِيَةَ اَوْ عَمْرو بْنَ الْعَاصِ، فَاِنْ قَالَ كَانُوْا عَلٰى ضَلَالٍ وَ كُفْرٍ قُتِلَ، وَاِنْ شَتَمَهُمْ بِغَيْرِ هٰذَا مِنْ مشاتَمَةِ النَّاسِ نُكِّلَ نَكَالاً شَدِيْداً یعنی جس نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاویہ، عمرو ابن العاص میں سے کسی کو گالی دی تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس نے انہیں گمراہ اور کافر کہا تو اسے قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے صرف گالی دی ہے تو اسے ذلت آمیز سزا دی جائے گی (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۶۷)۔

(۵)۔حضرت داتا گنج بخش رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ضرورت مند اپنی حاجت لے کر حاضر ہوا آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ ہمارا رزق راستے میں ہے۔تھوڑی دیر میں دینار کی پانچ تھیلیاں حضرت امیر معاویہ کی طرف سے پہنچ گئیں۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے۔قاصد نے عرض کیا کہ امیر معاویہ دیر سے وظیفہ پیش کرنے پر معذرت کررہے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ نے وہ پانچوں تھیلیاں ضرورت مند کو دے دیں اور اتنی دیر بٹھائے رکھنے پر معذرت چاہی (کشف المحجوب صفحہ ۷۷)۔

نیز لکھتے ہیں: یَزِیْدُ اَخْزَاہُ اللّٰہُ دُوْنَ اَبِیْہِ یعنی یزید کو اللہ رسواء کرے مگر اس کے والدِ گرامی کو نہیں (کشف المحجوب صفحہ ۷۳)۔

(۶)۔حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے خلفاء امراء اور صالحین کی وفات کے حالات میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر فرمایا ہے، آخری وقت میں آپ کا تسبیح اور ذکر کرنا اور اللہ کی بارگاہ میں عاجزی کرنا اور حضور کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات کے ساتھ کفن دینے کی وصیت کرنا اور اولیاءِ کاملین کی طرح رقاق ظاہر کرنا تفصیل کے ساتھ نقل فرمایا ہے لَمَّا حَضَرَتْ مُعَاوِیَۃَ ابْنَ اَبِیْ سُفْیَانَ الْوَفَاۃُ الخ (احیاء العلوم صفحہ ۱۹۶۱)۔

(۷)۔حضور سیدنا غوثِ اعظم رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: رہا امیر معاویہ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کا معاملہ، تو وہ بھی حق پر تھے اسلیے کہ وہ خلیفہ مظلوم کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے اور قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھے۔پس ہر فریق کے پاس جنگ کے جواز کی ایک وجہ موجود تھی۔لہٰذا ہمارے لیے سکوت اس سلسلہ میں سب سے اچھی بات ہے، انکے معاملے کو اللہ کی طرف لوٹا دینا چاہیے۔وہ سب سے بڑا حاکم اور بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے۔ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم اپنے عیوب پر نظر ڈالیں اور دلوں کو گناہوں کی چیزوں سے اور اپنی ظاہری حالتوں کو تباہی انگیز کاموں سے پاک اور صاف رکھیں (غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۸۶)۔

(۸)۔علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے کئی مناقب اپنی کتاب الاستیعاب کے صفحہ ۶۷۶ سے لے کر ۶۸۰ تک بیان فرمائے ہیں جن میں سے چند ایک مناقب ہم نے اس رسالے میں بیان کر دیے ہیں۔

(۹)۔حضرت مولینا جلال الدین رومی رحمت اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نہایت ایمان افروز واقعہ شعروں میں لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیطان نے حضرت امیر معاویہ کو نماز کے وقت تھپکیاں دے کر سلا دیا۔ جب وہ جاگے تو نماز کا وقت گزر چکا تھا۔ آپ نماز کے قضاء ہونے پر سخت روئے اور پشیماں ہوئے۔ دوسرے دن شیطان نے انہیں بروقت جگا دیا۔ آپ نے شیطان سے پوچھا کہ تم تو لوگوں کو غافل کرنے پر لگے ہوئے ہو، آج تم نے مجھے نماز کیلیے کیسے جگا دیا؟ شیطان نے کہا کل نماز کے قضاء ہونے پر آپ اتنا روئے اور پشیماں ہوئے کہ اللہ نے آپکو نماز پڑھنے سے بھی زیادہ اجر دے دیا۔ آپکو ملنے والا وہ اجر دیکھ کر میں نے سوچا کہ آپکو غافل کرنے سے بہتر ہے کہ آپ نماز ہی پڑھ لیں۔ اس کیلیے مولانا روم علیہ الرحمۃ نے یہ عنوان قائم کیا ہے : بیدار کردنِ ابلیس حضرت امیر المومنین معاویہ را کہ برخیز کہ وقت نماز است یعنی ابلیس کا امیر المومنین معاویہ کو جگانا کہ اٹھو نماز کا وقت ہے (مثنوی معنوی مولانا روم دفتر دوم صفحہ ۲۴۸)۔

(۱۰)۔ایک اللہ کے ولی نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور معاویہ موجود تھے۔ راشد الکندی نامی ایک شخص آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ شخص ہم میں نقص نکالتا ہے۔ کندی نے کہا یارسول اللہ میں ان سب میں عیب نہیں نکالتا بلکہ صرف اس ایک میں عیب نکالتا ہوں۔ اس نے حضرت امیر معاویہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بات کہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نیزہ پکڑا اور معاویہ کو دے دیا اور فرمایا یہ اس کے سینے میں مارو۔ انہوں نے اسے نیزہ مار دیا۔ میری آنکھ کھل گئی۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ راشد کندی کو رات کے وقت سچ مچ کسی نے مار دیا ہے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۷)۔

(۱۱)۔حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں : لَمَّا صَالَحَ الْحَسَنَ وَاجْتَمَعَ عَلَیْهِ النَّاسُ فَسُمِّیَ ذٰلِكَ الْعَامُ عَامَ الْجَمَاعَةِ یعنی جب حضرت امیر معاویہ نے امامِ حسن کے ساتھ صلح فرمائی اور تمام لوگ متحد ہو گئے تو اس سال کا نام جماعت کا سال رکھا گیا (الاصابہ جلد ۳ صفحہ ۱۸۵۶)۔

(۱۲)۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امامِ حسن رضی

اللہ عنہ کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح فرمانا امیر معاویہ کی امارت کے صحیح ہونے کا ثبوت ہے(اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۹۷)۔

(۱۳)۔علامہ ابنِ حجر مکی رحمت اللہ علیہ نے ایک مکمل کتاب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھی ہے جس کا نام تطہیر الجنان ہے۔

(۱۴)۔حضرت مجددالفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم سے بغاوت کرنے والے ہمارے بھائی ہیں۔ یہ لوگ نہ کافر ہیں نہ فاسق۔ کیونکہ انکے پاس تاویل موجود ہے جو انہیں کافر اور فاسق کہنے سے روکتی ہے۔ اہلِ سنت اور رافضی دونوں حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کیساتھ لڑائی کرنے والوں کو خطاء پر سمجھتے ہیں اور دونوں حضرت امیر کے حق پر ہونے کے قائل ہیں لیکن اہلِ سنت حضرت امیر سے جنگ کرنیوالوں کے حق میں محض خطا کے لفظ سے زیادہ سخت لفظ استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے اور زبان کو انکے طعن و تشنیع سے بچاتے ہیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صحابی ہونے کا حیاء کرتے ہیں (مکتوباتِ امام ربانی جلد ۲ صفحہ ۹۵ مکتوب نمبر ۳۶)۔

(۱۵)۔امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم ترین صوفی بزرگ ہیں اور حضور شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی قدس سرہٗ کے نظریات کے زبردست پرچارک ہیں۔ آپ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب الیواقیت والجواھر میں ایک سرخی قائم فرمائی ہے۔ وہ سرخی یہ ہے۔ فِیْ بِیَانِ وُجُوْبِ الْکَفِّ عَمَّا شَجَرَ بَیْنَ الصَّحَابَةِ وَ وُجُوْبِ اِعْتِقَادِ اَنَّھُمْ مَاجُوْرُوْن یعنی صحابہ کے باہمی جھگڑوں کے بارے میں زبان کو لگام دینا واجب ہے اور ان سب کے ماجور ہونے کا اعتقاد واجب ہے۔

اس عنوان کے تحت آپ نے زبردست بحث فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر بعض تاریخ دانوں کی خلافِ تحقیق باتوں پر کان نہیں دھرنے چاہییں اور تاریخ پڑھتے وقت صحابۂ کرام علیھم الرضوان کے مرتبے اور مقام کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اسلیے کہ صحابہ کا مرتبہ قرآن و سنت سے ثابت ہے جب کہ تاریخ محض کچی پکی باتوں کا مجموعہ ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ: تِلْكَ دِمَآءٌ طَھَّرَ اللّٰہُ تَعَالیٰ مِنْھَا سُیُوْفَنَا فَلَا نَخْضِبُ

بِھَا اَلْسِنَتَنَا یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے خون سے ہماری تلواروں کو بچالیا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو ان کی غیبت کر کے کیوں گناہ گار کریں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین اپنے کندھوں پر لادا اور ہم تک پہنچایا۔ ہمیں نبی کریم ﷺ کی طرف سے ایک لفظ بھی اگر پہنچا ہے تو انہی کے واسطے سے پہنچا ہے۔ لہٰذا جس نے صحابہ پر طعن کیا اس نے اپنے دین پر طعن کیا۔ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کے درمیان ہونے والی غلط فہمیوں کا معاملہ نہایت نازک اور دقیق ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے بغیر کوئی شخص فیصلہ دینے کی جرأت نہ کرے۔ اسلیے کہ یہ مسئلہ حضور کی اولاد اور حضور کے صحابہ کا ہے۔ آگے کمال الدین بن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: لَیْسَ الْمُرَادُ بِمَا شَجَرَ بَیْنَ عَلِیٍّ وَمُعَاوِیَۃَ الْمُنَازَعَۃُ فِی الْاِمَارَۃِ کَمَا تَوَھَّمَہٗ بَعْضُھُمْ وَاِنَّمَا الْمُنَازَعَۃُ کَانَتْ بِسَبَبِ تَسْلِیْمِ قَتَلَۃِ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِلٰی عَشِیْرَتِہٖ لِیَقْتَصُّوْا مِنْھُمْ اِلٰی آخِرِہٖ یعنی علی اور معاویہ کے درمیان جو برادرانہ جھگڑا ہوا اس سے مراد حکومت کی خاطر جنگ لڑنا نہیں ہے جیسا کہ بعض روافض کو وہم ہوا ہے۔ یہ جھگڑا محض اس بات کا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو انکے رشتہ داروں کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ قصاص لے سکیں۔ علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انکو گرفتار کرنے میں تاخیر کرنا بہتر ہے۔ اس لیے کہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں گڈمڈ ہو چکے تھے۔ ایسی صورتِ حال میں قاتلوں کو گرفتار کرنا حکومت کو ہلا کر رکھ دینے کے مترادف تھا، اس لیے کہ جنگِ جمل کے دن جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو فوج سے نکل جانے کا حکم دیا تھا تو ان میں سے بعض ظالموں نے امام علی کے خلاف خروج کرنے اور انہیں قتل کرنے کا عزم کر لیا تھا۔ اس کے برعکس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ قاتلوں کو فوری گرفتار کرنا چاہیے۔ اب یہ دونوں ہستیاں مجتہد ہیں اور دونوں کو اجر ملے گا (الیواقیت والجواھر جلد ۲ صفحہ ۴۴۵)۔

(۱۶)۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما یکے از اصحاب آں حضرت ﷺ بود و صاحب فضیلت جلیلہ در زمرہ صحابہ رضوان اللہ علیھم زنہار در حق او سوء ظن نکنی و در ورطۂ سب او نہ

افتی تا مرتکب حرام نشوی یعنی جاننا چاہیے کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک ہیں اور جلیل القدر فضیلت کے مالک ہیں، تم کبھی بھی ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور انہیں برا بھلا کہنے کی مصیبت میں مبتلا نہ ہونا ورنہ تم حرام کے مرتکب ہو جاؤ گے (ازالۃ الخفاء جلد ا صفحہ ۱۴۶)۔

(۱۷)۔حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب نبراس میں لکھتے ہیں:

اِنَّ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْ كِبَارِ الصَّحَابَةِ وَنُجَبَاءِهِمْ وَمُجْتَهِدِيْهِمْ وَلَوْ سُلِّمَ مِنْ صِغَارِهِمْ فَلَا شَكَّ فِيْ اَنَّهُ دَخَلَ فِيْ عُمُوْمِ الْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ الْوَارِدَةِ فِيْ تَشْرِيْفِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ بَلْ قَدْ وَرَدَ فِيْهِ بِخُصُوْصِهٖ اَحَادِيْثُ كَقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِياً مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِي، وَقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْحِسَابَ وَالْكِتَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمَا قِيْلَ مِنْ اَنَّهُ لَمْ تُثْبَتْ فِيْ فَضْلِهٖ حَدِيْثٌ فَمَحَلُّ نَظَرٍ الخ یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے ہیں، آپ نجیب اور مجتہد صحابی ہیں، اگر آپ کو چھوٹا صحابی بھی مانا جائے تو آپ بلاشبہ ان احادیث کے عموم میں داخل ہیں جو صحابہ کی شان میں وارد ہوئی ہیں جبکہ آپکے حق میں خصوصی احادیث بھی موجود ہیں جیسے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانا کہ: اے اللہ معاویہ کو ہادی مہدی بنا اور اسکے ذریعے سے لوگوں کو ہدایت دے (ترمذی)۔اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانا: اے اللہ معاویہ کو حساب اور کتاب سکھا اور اسے عذاب سے بچا (مسند احمد) اور یہ جو کسی نے کہہ دیا ہے کہ آپکی شان میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے تو یہ بات قابل قبول نہیں ہے۔سلف صالحین کے سامنے جب کوئی امیر معاویہ کو برا بھلا کہتا تو وہ غضب ناک ہو جاتے تھے۔اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کہا گیا کہ معاویہ ایک وتر پڑھتا ہے تو آپ نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو وہ فقیہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے (بخاری) اور ایک آدمی نے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کے سامنے آپکو گالی دی تو انہوں نے اسے کوڑے مروائے اور ایک اور آدمی نے کہا یزید آخری امیر المومنین ہے، آپ نے اسے بھی کوڑے مروائے۔امام جلیل عبداللہ بن مبارک سے کسی نے پوچھا کہ معاویہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما؟ آپ نے فرمایا:

معاویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیا تھا، ان کے تو گھوڑے کی گرد بھی عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔ ہم (علامہ پرہاروی) نے اس موضوع پر ایک پورا رسالہ لکھا ہے جس کا نام "اَلنَّاهِيَه عَنْ ذَمِّ مُعَاوِيَه" ہے (نبراس صفحہ ۳۳۰)۔

(۱۸)۔ حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ:

وَمَنْ يَّكُوْنُ يَطْعَنُ فِيْ مُعَاوِيَةَ
فَذَالِكَ كَلْبٌ مِنْ كِلَابِ الْهَاوِيَةِ

ترجمہ: جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے (نسیم الریاض جلد ۳ صفحہ ۴۳۰)۔

(۱۹)۔ حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن والے رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو متقی اور اکابر صحابہ میں سے ہیں کے حق میں بغض و حسد رکھنا اور بدگمانی کرنا سراسر شقاوت ہے (مقابیس المجالس صفحہ ۱۰۱۶)۔

(۲۰)۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمت اللہ علیہ امام حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح والی حدیثِ بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں: وَبِهٖ ظَهَرَ اَنَّ الطَّعْنَ عَلَى الْاَمِيْرِ مُعَاوِيَةَ طَعْنٌ عَلَى الْاِمَامِ الْمُجْتَبٰى بَلْ عَلٰى جَدِّهِ الْكَرِيْمِ ﷺ بَل عَلٰى رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ الخ یعنی اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن دراصل امامِ حسن مجتبیٰ پر طعن ہے بلکہ انکے جدِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن ہے، بلکہ انکے رب عزوجل پر طعن ہے اسلیے کہ مسلمانوں کی باگ ڈور کسی غلط آدمی کے ہاتھ میں دینا اسلام اور مسلمین کے ساتھ خیانت ہے اور اگر سیدنا امیر معاویہ غلط ہیں جیسا کہ طعن کرنے والے کہہ رہے ہیں تو پھر اس خیانت کے مرتکب معاذ اللہ امامِ حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ ٹھہریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خیانت پر رضا لازم آئے گی اور یہ وہ ہستی ہے جس کی شان میں وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى وارد ہے۔ یہ جملے اس شخص کو فائدہ دیں گے جس کے لیے اللہ نے ہدایت کا ارادہ فرمالیا ہے (المستند المعتمد صفحہ ۱۹۹)۔

(۲۱)۔ ہمارے مرشد کریم قطب الاقطاب فقیہِ اعظم حضرت پیر سائیں مفتی محمد قاسم

مشوری قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز ارقام فرماتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان سے افضل سمجھنا گمراہی اور مذہبِ اہلِ سنت سے خروج ہے۔ اسی طرح کسی بھی صحابی بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا اسلام پر جرح کو مستلزم ہے اور نصوصِ قطعیہ کے انکار کے مترادف ہے۔ وَھُوَ تَعَالیٰ اَعْلَمُ کَتَبَهُ الْفَقِیْرُ مُحَمَّد قَاسِم عُفِیَ عَنْهُ (افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر صفحہ 163، 164، قاسمِ ولایت صفحہ 202)۔

(۲۲)۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے باہمی نزاع کو ہم متشابہات کے درجہ میں رکھیں گے۔ ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ہم ان کے مرتبہ اور ان کی عظمت میں کسی قسم کا شک کریں اور کیونکر کریں جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ اور فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک مسلم اور محکم امر ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن ہم مفضول علیہ کی فضیلت کا بھی انکار نہیں کرتے اور یاد رکھیں کہ وہ تمام روایات جو اس نزاع کی تفصیل میں وارد ہیں وہ یا تو طبری مؤرخ سے مروی ہیں جو اسماء الرجال کی کتب کی تصریح کے مطابق مردود الروایت ہے اور ابنِ جریر طبری بلا شبہ رافضی ہے۔ البتہ ابنِ جریر طبری مفسر ثقہ (معتبر) لوگوں سے ہے۔ یا وہ روایات ابنِ قتیبہ سے ہیں، جو اَلْاِمَامَةُ وَالسِّیَاسَةُ کا مصنف ہے جو سراسر جھوٹا اور مفتری ہے یا پھر وہ روایات مؤرخ واقدی سے مروی ہیں تو وہ بھی اسی طرح کا ہے کہ نہ اس سے کوئی روایت لیتے ہیں نہ ہی اس کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ امر یقینی ہے کہ اس نزاع کے متعلق مروی روایات میں من گھڑت روایات بیان کرنے والوں اور کذاب لوگوں کا کافی دخل ہے تو ہم ان کی روایات پر کیسے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بلا شک وشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں اور بے شک وہ کاتبِ وحی ہیں اور اُم المومنین (اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بھائی ہیں اور یقیناً شام

وعراق سے یہود کے فتنوں کا قلع قمع کرنے والے ہیں کہ ان کی حکمتِ عملی نے آتش کدہ عجم کو بجھا کر رکھ دیا جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔تم پر لازم ہے کہ اولیاء اللہ کے ساتھ اعتقاد رکھو اور ان کا مسلک اختیار کرو(انوارِ قمریہ صفحہ ۳۶۹،۳۷۰)۔

آخر میں تحقیقی سوچ رکھنے والوں اور اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والوں کے لیے ایک نہایت مختصر اور قیمتی بات پیشِ خدمت ہے! مدارس میں پڑھائی جانے والی درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں حدیث اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ یعنی میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا (ترمذی:۳۸۶۲) بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ : صحابہ کرام کی شان میں صحیح احادیث وارد ہیں، جبکہ ان کے مابین جتنے جھگڑے ہوئے ہیں ان کے خاص محمل ہیں اور ان میں کئی تاویلیں ہیں فَلَہٗ مَحَامِلُ وَتَاوِیْلَاتٌ (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۶۲)۔

امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

سوال نمبر ۱: کیا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب پر کوئی حدیث موجود ہے؟

جواب: جی ہاں کثرت سے احادیث موجود ہیں بلکہ صحیح بخاری میں پورا باب ''ذکرِ معاویہ'' موجود ہے اور ترمذی شریف میں باب ''مناقبِ معاویہ'' موجود ہے، امام احمد بن حنبل کی کتاب فضائل الصحابہ میں فضائل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا باب، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۴۳۷ پر ماجاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا باب موجود ہے اور صحیح ابن خزیمہ میں ''فضائلِ صحابہ'' کے عنوان کے تحت کسی دوسرے صحابی کے فضائل کا ذکر ہی نہیں، سیدنا امیر معاویہ کی فضیلت میں ایک حدیث موجود ہے(صحیح ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۲۹)۔

مسندِ احمد میں مسندِ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، مسندِ حمیدی جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ پر احادیثِ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، مسندِ عبد بن حمید (المنتخب) جلد ۱ صفحہ ۴۷۵ پر معاویہ بن ابی سفیان، مسندِ ابی یعلیٰ جلد ۱۰ صفحہ ۱۹ پر حدیثِ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ موجود ہے۔ یہ تھے ابواب اور عنوانات، اب احادیث پڑھیے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو سمندر پار جہاد کرے گا ان پر

جنت واجب ہے۔ مسلمانوں نے یہ جہاد حضرت امیر معاویہ کے ہمراہ کیا۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں سے ہر ایک کتاب میں موجود ہے۔ (بخاری حدیث: ۲۷۸۸، ۲۹۲۴، مسلم: ۴۹۳۴، ابو داؤد: ۲۴۹۰، ترمذی: ۱۶۴۵، نسائی: ۳۱۷۱، ابن ماجہ: ۲۷۷۶)۔ حضرت امیر معاویہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک تراشے (بخاری: ۱۷۳۰، مسلم: ۳۰۲۱)۔ حضرت امیر معاویہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب تھے (مسلم: ۶۴۰۹)۔ اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعے سے لوگوں کو ہدایت دے (ترمذی: ۳۸۴۲)۔ اے اللہ معاویہ کے ذریعے ہدایت پھیلا (ترمذی: ۳۸۴۳)۔ اے اللہ معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا اور اسے عذاب سے بچا (مسندِ احمد: ۱۷۱۵۷)۔ میرے بیٹے حسن کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو گروہوں (سیدنا معاویہ اور سیدنا امام حسن) کے درمیان صلح کرائے گا (بخاری: ۲۷۰۴)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عباس کو بھیجا کہ معاویہ کو میرے پاس بلا کر لاؤ اس لیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب تھے (صحیح ابن خزیمہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۲۹)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: معاویہ کو کچھ نہ کہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں (بخاری: ۳۷۶۴)۔ حضرت ابن عباس کے سامنے حضرت امیر معاویہ کو امیر المومنین کہا گیا، اور آپ نے فرمایا: معاویہ فقیہ ہیں (بخاری: ۳۷۶۵)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی فقہ عطا کر دیتا ہے (بخاری: ۷۱)۔ اور فرمایا: ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے (ترمذی: ۲۶۸۱)۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری طرف سے قتل ہونے والے اور معاویہ کی طرف سے قتل ہونے والے جنت میں ہیں (المعجم الکبیر: ۱۶۰۴۴)۔ اور سیدنا معاویہ کو اپنا بھائی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَیْنَا (السنن الکبریٰ جلد ۸ صفحہ ۱۷۳)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب فوت ہونے لگے تو وصیت فرمائی کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیض پہنا کر حضور کی چادر کا کفن دینا، میری آنکھوں اور ہونٹوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک اور ناخن مبارک رکھ دینا اور مجھے اللہ کے حوالے کر دینا۔ یہ تبرکات انہوں نے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے (الاستیعاب صفحہ ۶۸۷)۔

علامہ ابن حجر عسقلانی بخاری کی حدیث نمبر ۲۹۲۴ کے تحت لکھتے ہیں: قَالَ الْمُهَلِبُ : فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ مَنْقِبَةٌ لِمُعَاوِيَةَ رضی الله عنه یعنی مہلب نے کہا: اس حدیث میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت موجود ہے (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۱۷)۔ علامہ عینی بھی یہی لکھتے ہیں کہ: اس حدیث میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت موجود ہے (عمدۃ القاری جلد ۱۲ صفحہ ۱۱)۔ علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: لِاَنْفُسِهِمُ الْمَغْفِرَةَ وَالرَّحْمَةَ بِاَعْمَالِهِمُ الصَّالِحَةِ یعنی اس لشکر کی مغفرت ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ہوئی (ارشاد الساری جلد ۶ صفحہ ۴۰۸)۔

اے اللہ معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا اور اسے عذاب سے بچا (مسندِ احمد :۱۷۱۵۷)۔ اس حدیث کے تحت علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَلَهٗ فَضِيْلَةٌ جَلِيْلَةٌ رُوِيَتْ مِنْ حَدِيْثِ الشَّامِيِّيْنَ یعنی اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبردست فضیلت (فضیلتِ جلیلہ) موجود ہے (الاستیعاب صفحہ ۶۷۸)۔

اس حدیث کی شرح میں طیبی اور ملا علی قاری لکھتے ہیں: آپ ﷺ نے ہادی اور مہدی دو لفظ اس لیے استعمال فرمائے ہیں کہ بعض اوقات ہدایت دینے والا خود ہدایت پر نہیں ہوتا لہٰذا فرمایا: اے اللہ اسے ہادی اور ہدایت یافتہ بنا۔ پھر تیسرا لفظ وَاهْدِ بِهٖ تکمیلاً استعمال فرمایا یعنی وہ کامل اور مکمل تھے اِنَّهٗ كَامِلٌ مُكَمِّلٌ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی دعا قبول ہے، جس ہستی کی یہ شان ہو اس کے حق میں کوئی شک کیسے کیا جا سکتا ہے (مرقاۃ جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۰)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے: صاحبِ فضیلتِ جلیلہ (ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ ۱۴۶)۔

اگر کوئی حضرت امیر معاویہ کا مخالف یہ کہے کہ آپ کے مناقب کا باب امام ترمذی بہت سے صحابہ کرام اور قبائلِ عرب کا ذکر کرنے کے بعد لائے ہیں اور امام احمد بن حنبل نے بھی فضائل الصحابہ میں کس درجے میں جا کر ان کا باب قائم کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو معمولی سوجھ بوجھ والا آدمی بھی آپ کی اس بات کو گھاس نہیں ڈالے گا، دوسری گزارش یہ ہے کہ امام ترمذی نے مناقب معاویہ کا باب باندھنے کے بعد مناقبِ عمرو بن عاص، پھر مناقبِ خالد بن ولید، مناقبِ سعد بن معاذ، مناقبِ قیس بن سعد بن عبادہ، مناقبِ جابر بن عبداللہ، مناقبِ

مصعب بن عمیر، مناقبِ براء بن مالک، مناقبِ ابی موسیٰ اشعری، اللھم اغفر للانصار والمہاجرہ، ماجآء فی فضل من رای النبی ﷺ، فضل من بایع تحت الشجرۃ، باب فیمن سب اصحاب النبی ﷺ، باب فضل فاطمہ بنت محمد ﷺ، باب فضل خدیجہ، باب فضل عائشہ، باب فضل ازواج النبی ﷺ، باب من فضائل ابی بن کعب، باب فی فضل الانصار وقریش۔

یہ تمام ابواب اسی ترتیب کے ساتھ ترمذی شریف میں موجود ہیں، جس کا دل چاہے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور مخالفین کی عقل اور ایمان پر جی بھر کر روئے اور مدینہ شریف کی طرف منہ کر کے اپنے آقا کو دکھڑا سنانے کے لیے فریاد کرے:

یَا رَسُوْلَ اللہِ اُنْظُرْ حَالَنَا

یَا حَبِیْبَ اللہِ اِسْمَعْ قَالَنَا

امام احمد بن حنبل کی کتاب فضائل الصحابہ میں بھی حضور کریم ﷺ کے سگے چچا سیدنا عباس بن عبدالمطلب اور سیدنا عبداللہ بن عباس کا باب فضائل معاویہ کے بعد موجود ہے۔

دوستو! ایک صحابی کی مخالفت کے لیے اتنی باریکیوں میں جانا اور پھر وہاں بھی منہ کی کھانا، مگر پھر بھی خدا کا خوف نہ آنا، ایسے لوگوں کے لیے ہم ہدایت کی دعا ہی کر سکتے ہیں۔

مخالفین سیدنا معاویہ کہہ رہے ہیں کہ وَقِہِ الْعَذَابَ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آقا کریم کے علم مبارک میں تھا کہ ان سے ایسا کام ہوگا جس سے عذاب کے مستحق قرار پا سکیں گے۔ ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ حدیث کو سمجھنے کے لیے اندازے نہیں لگائے جاتے۔ کم از کم قرآن کے الفاظ: وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کی طرف ہی دھیان دے لیا ہوتا۔

اندھے کا اندازہ اُسے کنویں میں بھی گرا سکتا ہے۔ اس حدیث کے تحت علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبردست فضیلت (فضیلتِ جلیلہ) موجود ہے (الاستیعاب صفحہ ۶۷۸)۔ ہم آپ کا اندازہ تسلیم کر کے اپنا ایمان خراب کرنے کی بجائے علماء کا اسے فضیلتِ جلیلہ تسلیم کرنا مان کر اپنا ایمان کیوں نہ بچا لیں؟

سوال نمبر ۲: کیا علماء نے حضرت امیر معاویہ کے مناقب پر احادیث کے بارے میں لَمْ یَصِحّ فرمایا ہے؟

جواب: ۔لَمْ یَصِحّ سے ان کی مراد یہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں حسن اور ضعیف احادیث موجود ہیں۔صحیح احادیث آپ آنکھوں سے پڑھ چکے ہیں۔اب اگر کسی نے لَمْ یَصِحّ کہہ بھی دیا ہے تو یہ اس کا تسامح ہے۔اور بخاری کی مذکورہ بالا حدیث نمبر ۲۹۲۴ کے تحت فِیْہِ مَنْقِبَۃٌ لِمُعَاوِیَۃَ کے الفاظ آپ پڑھ چکے ہیں۔ترمذی شریف اور فضائل صحابہ وغیرہ میں پورا باب ہے جس کا نام ہے''مناقبِ معاویہ اور فضائل معاویہ بن ابی سفیان'' اب ان ابواب سے سامنے ایک قول لَمْ یَصِحّ کی کیا حیثیت؟ جس کے خلاف دوسرا قول فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ مَنْقِبَۃٌ لِمُعَاوِیَۃَ اور تیسرا قول وَلَہٗ فَضِیْلَۃٌ جَلِیْلَۃٌ موجود ہے۔اسکے ساتھ کثرت سے دلائل بھی موجود ہوں تو مثبت پلڑا بھاری ہوا یا منفی؟ مثبت سوچ کیا کہتی ہے اور منفی سوچ کیا کہتی ہے؟ایک عام آدمی کے بارے میں بھی منفی سوچ اچھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ ایک صحابی کے بارے میں منفی بات کو ترجیح دی جائے! خصوصاً جو لوگ دوسروں کو مثبت سوچ کا درس دیتے ہیں یہاں انکی دونمبری بالکل واضح ہو رہی ہے۔یہ لوگ ہر کسی کے لیے مثبت ہیں مگر صحابہ کیلیے منفی۔

سوال نمبر ۳: کیا علماء نے سیدنا امیر معاویہ کی شان میں الگ کتابیں بھی لکھی ہیں اور کیا وہ کتابیں اس وقت دستیاب ہیں یا مٹ چکی ہیں؟

جواب: علماء نے سیدنا امیر معاویہ کی شان میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ان میں سے یہ کتابیں آج بھی دستیاب ہیں۔(۱)۔احادیث کی کتابوں میں مستقل ابواب اصل بنیاد ہیں۔(۲)۔تطہیر الجنان (علامہ ابنِ حجر مکی)۔(۳)۔ارشاد الصواب لمن وقع فی بعض الاصحاب (علامہ مخدوم عبدالواحد سیوستانی)۔(۴)۔ناہیہ عن ذمِ معاویہ (علامہ پرہاروی)۔(۵)۔النار الحامیہ لمن ذم معاویہ (حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوائی)۔(۶)۔سیدنا امیر معاویہ (مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی)۔(۷)۔دشمنانِ امیر معاویہ کا علمی محاسبہ (شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی صاحب)۔(۸)۔فضائلِ امیر معاویہ (حضرت علامہ غلام محمود ہزاروی)۔یہ سب فوت شدہ بزرگوں کی کتابیں ہیں۔اِس وقت موجود علماءِ اسلام کی کتابیں الگ ہیں۔

کئی صحابہ ایسے بھی ہیں جن کی شان میں کبھی کوئی الگ کتاب نہیں لکھی گئی بلکہ اکثر انبیاء علیہم السلام ایسے ہیں جن کی شان میں کوئی کتاب موجود نہیں اس کے باوجود ان کی شان اور

عظمت تسلیم شدہ ہے۔اسی طرح اگر بالفرض سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی مستقل کتاب نہ بھی ہوتی تو آپ کی شان پھر بھی تسلیم شدہ تھی۔مگر جب صحابہ میں سے کسی کی مخالفت ہو گی تو ہم ضرور خصوصی دفاع کریں گے۔

سوال نمبر ۴: جب تمام صحابہ کرام قابلِ احترام ہیں تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر خصوصی توجہ دینے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: جس بھی صحابی کی مخالفت ہو اس کے دفاع پر خصوصی توجہ دینا سنت بھی ہے اور مسلمانوں کا طریقہ بھی۔ایک مختصر سا مخصوص طبقہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی افضلیت کے انکار میں مختلف حربے کر رہا ہے اور یہی لوگ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب کی مخالفت کر رہے ہیں۔اوران موضوعات کا خصوصی نوٹس لینا ضروری ہے۔یہی وجہ ہے کہ افضلیت شیخین اور دفاعِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں چیزوں کو بے شمار علماء کرام علیہم الرضوان نے اکٹھا بیان کیا ہے۔مثلاً صواعق محرقہ میں جہاں افضلیت شیخین بیان ہوئی ہے اسی مصنف نے ساتھ ہی تطہیر الجنان فی مناقبِ معاویہ بن ابی سفیان بھی تحریر کردی ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے خوارج نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چوتھا خلیفہ برحق ہونے کا انکار کیا (ابوداؤد حدیث: ۴۶۴۶)، اہلِ سنت نے سیدنا مرتضیٰ کی خلافت برحق ثابت کرنے کے لیے حق چار یار کا نعرہ لگایا، تاکہ چوتھے یار کو خلافتِ راشدہ میں شامل کیا جائے۔

اسی طرح عقائد کی کتابوں میں تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے خلفائے راشدین سمیت چند صحابہ ایسے ہیں جن کا نام لے کر خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔ان میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ جس پر طعن ہوگا اس کا دفاع ہوگا۔

دیکھیے! امام خلال علیہ الرحمۃ نے چاروں خلفائے راشدین کے فوراً بعد یہ عنوان قائم کیا ہے: ذکر ابی عبدالرحمن معاویہ بن ابی سفیان وخلافتہ رضوان اللہ علیہ (کتاب السنہ للخلال جلد ۱ صفحہ ۴۳۵)۔اس باب میں امام خلال نے سیدنا امیر معاویہ کی شان میں اکسٹھ (۶۱) احادیث بیان کی ہیں۔احادیث میں جن بارہ خلفاء کے آنے کا ذکر ہے ان بارہ خلفاء میں حضرت امیر معاویہ کو بھی امام خلال سمیت بے شمار علماء نے شامل کیا ہے۔مثلاً علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء

صفحہ ۱۷، فتاویٰ رضویہ قدیم جلد ۹ صفحہ ۲۵۔

امام بیہقی کی کتاب الاعتقاد صفحہ ۲۲۰ پر خلفائے راشدین کے فوراً بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خصوصی دفاع اور خوبصورت تذکرہ موجود ہے۔ امام غزالی کی کتاب الاقتصاد صفحہ ۱۴۷ پر خلفائے راشدین کے ذکر کے ساتھ سیدنا امیر معاویہ کا خصوصی دفاع موجود ہے اور لکھتے ہیں کہ اس موضوع پر اختلافی باتیں اکثر رافضیوں اور خارجیوں کی گھڑی ہوئی ہیں اور زبردست نکتہ یہ بیان کرتے ہیں کہ: کسی مسلمان کے بارے میں حسن ظن سے کام لینے میں غلطی کر جانا بہتر ہے اس سے کہ اس پر طعن کرنے میں انسان حق بجانب ہو (الاقتصاد صفحہ ۱۴۸)۔

سوال نمبر ۵: کیا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کرنا خارجی فتنہ ہے اور کیا ان کے نعرے لگا کر بالواسطہ بغضِ مولیٰ علی پھیلایا جا رہا ہے؟

جواب: اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے۔ بدگمانی بہت بڑا گناہ ہے، منفی سوچ بہت بڑا ظلم ہے۔ حلف پر بھی یقین نہ کرنا اور نیت میں شک کرنا مسلمان کی شان نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی شان بیان کرنا توحید کے خلاف نہیں۔ صدیقِ اکبر کی افضلیت بیان کرنا شانِ رسالت کے خلاف نہیں۔ شان سیدنا علی المرتضیٰ بیان کرنا افضلیتِ صدیقِ اکبر کے خلاف نہیں اور شانِ سیدنا معاویہ بیان کرنا شانِ سیدنا علی المرتضیٰ کے خلاف نہیں، ہاں منفی سوچ اور بدگمانی ایسے وہم پیدا کر سکتی ہے۔ نیز سیدنا امیر معاویہ کے یہ فضائل احادیث میں موجود ہیں، تو کیا نبی کریم ﷺ نے خدانخواستہ اہلِ بیت کی مخالفت فرمائی ہے؟ بلکہ اس کے برعکس یہ حدیثیں پڑھیے!

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے علی جلد ہی میری امت میں ایک قوم ہوگی جو اہلِ بیت کی محبت کا ڈھونگ رچائے گی، انکا ایک خاص لقب ہوگا، انہیں رافضی کا نام دیا جائے گا، ان سے جنگ کرو بے شک وہ مشرک ہیں (مجمع الزوائد: ۱۶۴۳۴)۔ اور فرمایا: یہ لوگ اگلے گزرے ہوئے لوگوں پر طعن کریں گے (المعجم الاوسط: ۶۶۰۵)۔ الحمدللہ ہم بات حدیث سے کرتے ہیں اور یہ لوگ اپنے گمان سے اور گمان بھی گمانِ بد۔ اسی لیے یوں الزام تراشی کر رہے ہیں کہ: بالواسطہ بغضِ مولیٰ علی پھیلایا جا رہا ہے۔ یہ ''بالواسطہ'' ان کے اپنے دماغ کے واسطے سے جنم لے رہا ہے۔ گویا بدگمانی کا اعتراف اللہ کریم نے خود ان کی زبان سے کرا دیا ہے۔

سوال نمبر ٦: کیا علماء نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خاموشی کا حکم دیا ہے؟

جواب: علمائے کرام نے صحابہ کا ذکر اچھے لفظوں کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے درمیان جھگڑوں کے بارے خاموشی کا حکم دیا ہے۔ اصل الفاظ دیکھیے! عقائدِ نسفی کے متن میں ہے : وَيُكَفُّ عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ اِلَّا بِخَيْرٍ یعنی صحابہ کا ذکر کرتے وقت زبان کو کنٹرول کیا جائے ،صرف بھلائی کے ساتھ ان کا ذکر کیا جائے (عقائدِ نسفی صفحہ ٦)۔ جسے يُكَفُّ نظر آ رہا ہو اسے اِلَّا بِخَيْرٍ بھی نظر آ جانا چاہیے۔

اس کی شرح میں علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: لِمَا رُوِيَ فِي الْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ مِنْ مَنَاقِبِهِمْ وَوَجُوْبِ الْكَفِّ عَنِ الطَّعْنِ فِيْهِمْ یعنی صحابہ کے مناقب میں صحیح احادیث موجود ہیں اور ان کو طعن کرنے کے بارے میں زبان کو روکنا واجب قرار دیا گیا ہے (شرح عقائد نسفی صفحہ ١٤٨)۔ اپنی آنکھوں سے دیکھیے! خاموشی کے باوجود مناقب؟ کیا سمجھے!

تصوف کی بنیادی کتاب التعرف میں لکھا ہے کہ: وَسَكَتُوْا عَلَى الْقَوْلِ فِيْمَا كَانَ بَيْنَهُمْ مِنَ التَّشَاجُرِ ، وَلَمْ يَرَوْا ذٰلِكَ قَادِحاً فِيْمَا سَبَقَ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنَ الْحُسْنٰى یعنی صحابہ کرام کے درمیان جھگڑوں کے بارے میں صوفیاء نے خاموشی اختیار کی ہے،لیکن ان جھگڑوں کو صوفیاء نے صحابہ کے ان درجات کے خلاف نہیں سمجھا جو اللہ کی طرف سے انہیں عطاء ہو چکے ہیں (التعرف صفحہ ٦٢)۔

حضور غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَاتَّفَقَ اَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى وُجُوبِ الْكَفِّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ، وَالْاِمْسَاكِ عَنْ مَسَاوِيْهِمْ وَاِظْهَارِ فَضَائِلِهِمْ وَمَحَاسِنِهِمْ وَتَسْلِيْمِ اَمْرِ هِمْ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ یعنی تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کے درمیان جھگڑوں کے بارے میں خاموشی، اور ان کی غلطیوں کے بارے میں زبان کو روکنا، اور ان کے فضائل اور محاسن کا اظہار کرنا اور ان کا معاملہ اللہ عزوجل کے سپرد کرنا واجب ہے (غنیۃ الطالبین جلد ١ صفحہ ١٦٣)۔

بتایئے! حضور غوثِ اعظم نے تمام اہلِ سنت کا اجماع بیان کیا ہے کہ نہیں؟ جھگڑوں پر خاموشی مگر فضائل اور محاسن کے اظہار کو واجب کہا ہے کہ نہیں؟

تعجب کی بات ہے کہ صحابہ کرام کے حالات پر لکھی گئی کتابوں مثلاً اسد الغابہ، الاستیعاب اور الاصابہ وغیرہ میں معاویہ بن ابی سفیان کا عنوان صحابہ کے ذکر خیر کے درمیان اپنی ترتیب کے ساتھ واقع ہوا ہو اور باقی صحابہ کا ذکر انکے فضائل کہلائے اور سیدنا معاویہ کا ذکر فضیلت سے خالی سمجھ لیا جائے؟ تعصب کی یہ عینک اور وہ بھی صحابی کے خلاف! اللہ پناہ دے۔

مثلاً صحابہ کے حالات اور فضائل پر لکھی گئی بنیادی کتاب اسد الغابہ میں لکھا ہے: ابو بکر، عمر، عثمان اور علی افضل تھے معاویہ سے، مگر معاویہ قیادت میں سب سے آگے تھے وَ مُعَاوِيَةُ أَسْوَدُ (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۷۰)۔ اور لکھا ہے حضرت معاویہ سے ابن عباس، ابو سعید خدری، ابو درداء، جریر، نعمان بن بشیر، ابن عمر، ابن زبیر وغیرہ صحابہ نے حدیثیں روایت کیں (اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۷۱)۔ بتایئے یہ فضائل ہیں کہ نہیں؟

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ معاویہ بن ابی سفیان کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں: صحابی ابن صحابی، ان کتابوں میں ان کے ذکر کی تکرار موجود ہے..................... ایک سو تریسٹھ حدیثوں کے راوی ہیں جن میں سے چار پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے..................... آپ کی شان میں ترمذی میں حدیث موجود ہے کہ ایک اللہ اسے ہادی اور مہدی بنا..................... صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: معاویہ ٹھیک کہتے ہیں وہ فقیہ ہیں (تہذیب الاسماء واللغات جلد ا صفحہ ۴۹۳ تا ۴۹۵)۔

امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: قریب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہوگی جسے اللہ بخش دے گا اس فضیلت کے سبب جوان کو میری سرکار میں ہے۔ پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ ناک کے بل جہنم میں اوندھا گرائے گا، یہ وہ ہیں جوان لغزشوں کے سبب صحابہ پر طعن کریں گے.................
امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر خلافت کے اہل نہ ہوتے تو امام مجتبیٰ ہرگز انہیں تفویض نہ فرماتے، نہ اللہ ورسول اسے جائز رکھتے (فتویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۱۷ مطبوعہ آرام باغ کراچی)۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کے کاتب تھے (تحقیق الحق صفحہ ۱۵۹)۔ بتایئے! نبی کا کاتب ہونا بہت بڑی

فضیلت ہے کہ نہیں؟

اگر آپ کہیں کہ وہ صرف خط و کتابت کے کاتب تھے تو جواباً عرض ہے کہ کسی نے سچ کہا ہے کہ چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ علماء نے انہیں مطلق کاتب لکھا ہے اور کاتبین میں ان کا شمار کیا ہے۔ ثانیاً اگر بالفرض وہ خط و کتابت کے لیے کاتب تھے تو یہ کیا کم اعزاز ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلنے والا ہر ہر لفظ وحی ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى. تم لوگوں نے شان سیدنا امیر معاویہ گھٹانے کے جوش میں إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى کا انکار گوارا کر لیا ہے مگر اپنی ضد سے باز نہیں آئے كَذٰلِكَ الْعَذَابُ۔

ہمارے مرشدِ کریم مشوری والے سائیں بادشاہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا اسلام پر جرح کو مستلزم ہے اور نصوصِ قطعیہ کے انکار کے مترادف ہے۔ وَهُوَ تَعَالٰى اَعْلَمُ كَتَبَهُ الْفَقِيْرُ مُحَمَّد قَاسِم عُفِيَ عَنْهُ (افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر صفحہ 163، 164، قاسم ولایت صفحہ 202)۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا شک وشبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے صحابی ہیں اور بے شک وہ کاتبِ وحی ہیں اور ام المومنین (امِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بھائی ہیں اور یقیناً شام وعراق سے یہود کے فتنوں کا قلع قمع کرنے والے ہیں کہ ان کی حکمتِ عملی نے آتش کدہِ عجم کو بجھا کر رکھ دیا جیسا کہ مخفی نہیں ہے، تم پر لازم ہے کہ اولیاء اللہ کے ساتھ اعتقاد رکھو اور ان کا مسلک اختیار کرو (انوارِ قمریہ صفحہ ۳۷۰)۔

بتایئے یہ ساری باتیں فضائل ہیں کہ نہیں؟ اور یہ بیان کرنے والی شخصیت کون ہے؟ اور انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خصوصی انتخاب کیوں کیا ہے؟

اگر خاموشی کا مطلب حضرت سیدنا امیر معاویہ کی شان بیان کرنے سے منع کرنا ہو تو یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی خارجی اہل بیت کی شان بیان کرنے سے منع کرے اور کہے کہ سب کے لیے خاموشی کا حکم ہے۔ جھگڑے اہل بیت کے اپنے اندر بھی ہوئے ہیں۔ ادب والے وہاں بھی خاموش ہیں مگر ان کے مناقب پھر بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً: سیدنا امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما

کے درمیان برادرانہ ناراضگی اور پھر صلح (نورالابصار صفحہ ۱۸۹)، سیدنا مولا علی اور سیدتنا زہراء رضی اللہ عنہما کے درمیان گھریلو ناچاقی (بخاری حدیث: ۹۲۶، جلاء العیون صفحہ ۲۳۱)، سیدنا امام باقر اور سیدنا امام حسن کے صاحبزادے کے درمیان جھگڑا (الروضہ من الکافی حدیث: ۱۴۷۸۵)۔ شیعہ کی اسی کتاب میں اسی حدیث کے اندر لکھا ہے کہ امام پاک نے فرمایا: تم لوگ ہمارے معاملات میں دخل مت دو لَا تَدۡخُل فِیۡمَا بَیۡنَنَا۔ اور جلاء العیون کی مذکورہ بالا روایت کے بارے میں اسی کتاب میں اسی مقام پر لکھا ہے کہ: در کارہائے بزرگان دین و مقربان درگاہ رب العالمین تفکر نمی باید نمود یعنی بزرگانِ دین اور اللہ کے پیاروں کے باہمی معاملات میں غور خوض نہیں کرنا چاہیے (جلاء العیون صفحہ ۲۳۱)۔

یہ بھی بتائیے کہ پندرھویں صدی میں تم لوگوں کے اپنے مناقب پر مضامین اور کتابیں لکھنا جائز اور صحابی کے مناقب پر کتابیں لکھنا ناجائز! آپ دعویٰ کیا کرنا چاہتے ہیں؟

چند قابلِ توجہ باتیں

(۱)۔ دوسروں کو فتویٰ باز کہنے والے آج خود فتویٰ بازی پر آ گئے ہیں اور چودہ سو سالہ امت کو خارجی اور ناصبی کہنا شروع کر دیا ہے۔ اگر آپ اہلِ سنت کو ناصبی اور خارجی ہی کہنے پر بضد ہیں تو پھر سنیے! حضور غوث پاک فرماتے ہیں کہ: اہلِ سنت کو ناصبی کہنا رافضیوں کی علامت ہے (غنیۃ الطالبین جلد ا صفحہ ۱۶۶)۔ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اہلِ سنت کو خارجی کہنا رافضیوں کا شعار ہے (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۵ صفحہ ۷۳)۔

(۲)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بدعات ظاہر ہوں اور میرے صحابہ کو گالیاں دی جائیں تو عالم پر لازم ہے کہ اپنا علم ظاہر کرے۔ جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے (السنۃ للخلال: ۷۸۷)۔ تو اب بتائیے! (۱)۔ جب سیدنا امیر معاویہ کا گالیاں دی جا رہی ہیں تو ان کا دفاع نہ کرنے والوں کا کیا بنے گا؟ (۲)۔ جو شخص دفاع کرنے والوں پر ہی گرم ہو جائے اس کا کیا بنے گا؟ (۳)۔ جو شخص سیدنا معاویہ کے لیے بغاوت اور خروج کے لفظ اردو میں استعمال کر کے لوگوں کا ذہن خراب کرے اور عربی کے ان لفظوں کا صحیح محمل بیان نہ کرے، اس کا کیا بنے گا؟

(۳)۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: کسی مسلمان کے بارے میں حسن ظن سے کام لینے میں غلطی کر جانا بہتر ہے اس سے کہ اس پر طعن کرنے میں غلطی کی جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ساری زندگی شیطان، ابوجہل اور ابولہب وغیرہ کے بارے میں خاموش رہے تو اسے یہ سکوت نقصان نہیں دے گا، لیکن اگر کسی مسلمان پر بے جا طعن کر دیا جب کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں بری ہو چکا تھا تو ایسا طعن کرنے والے نے ہلاکت کو دعوت دی۔ لوگوں کے خلاف ایسی باتیں مل جاتی ہیں جنہیں پھیلانا شریعت کی پابندی کرنے اور غیبت سے بچنے کے لیے جائز نہیں جب کہ ایسی باتیں محض اخباری اور تاریخی ہوتی ہیں۔ جو شخص بھی ہماری اس تحریر کو سمجھ لے گا اس کی طبیعت کا میلان فضولیات کی طرف نہیں رہے گا بلکہ وہ تمام مسلمانوں کے بارے میں خاموشی اور حسن ظن کو ترجیح دے گا، اور اپنی زبان کو تمام سلف صالحین کی ثناء میں کھولے گا۔ یہی عمومی حکم تمام صحابہ کے بارے میں ہے جب کہ خلفائے راشدین کا مقام تو ان سب سے اوپر ہے (الاقصاد فی الاعتقاد صفحہ ۱۴۸ مصنفہ امام غزالی)۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَعِتْرَتِہٖ
وَصَحْبِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَحِبَّائِہٖ وَسَلِّم

☆......☆......☆

یادداشت